علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

علوم و افکار

عتیق احمد بستوی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مکتبہ معہد الشریعہ، لکھنؤ

علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

علوم وافکار

عتیق احمد بستوی

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مکتبہ معهد الشریعہ لکھنؤ

نام کتاب علامہ محمد انور شاہ کشمیری؛ علوم وافکار

مصنف مولانا عتیق احمد بستوی

کمپوزنگ قاسمی کمپوزنگ لکھنؤ 9236650139-91+

تعداد صفحات ۴۰۰

سن اشاعت نومبر ۲۰۱۹ء

قیمت ۴۰۰ روپے

ناشر مکتبہ معہد الشریعہ لکھنؤ

ملنے کے پتے :

مکتبہ ندویہ لکھنو

مکتبہ احسان لکھنؤ

دارالکتاب دیوبند

زمزم بکڈپو دیوبند

نعیمیہ بکڈپو دیوبند

فہرست عناوین

۱	پیش گفتار از مصنف	۱۶
۲	مقدمہ از مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	۲۶
۳	علوم وفنون کی عبقری شخصیت: علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ	۳۳
۴	از مہد تا لحد	۳۵
۵	معاصرین کا اعتراف	۳۸
۶	حیرت انگیز قوت حافظہ	۴۱
۷	علوم وفنون میں آپ کا مقام	۴۲
۸	تنقید وتبصرہ	۴۷
۹	علامہ کشمیری اور علم حدیث	۵۴
۱۰	تالیفات واما لی	۵۷
۱۱	مستفیدین وتلامذہ	۶۱
۱۲	اقتباس:۱	۶۴
۱۳	فن مستخرج	۶۵
۱۴	محدث اسماعیلی	۶۶

۱۵	ہدایہ کی ادبی حیثیت	٦٧
١٦	ابن الاثیر الجزری	٦٨
۱۷	قاموس الأعلام کے مصنف کی دو غلطیاں	٦٩
۱۸	بدیع الزماں ہمدانی	٧٠
۱۹	بدیعی کی نثر و نظم	٧١
۲۰	حریری کے مختصر حالات	٧١
۲۱	مقامات؛ احمد حسن زیات اور مولانا حمید الدین فراہی کی نظر میں	٧۴
۲۲	اقتباس:۲	٧٦
۲۳	علامہ رضی الدین صاغانی	٧٦
۲۴	ایک تاریخی غلطی	٨٠
۲۵	اقتباس:۳	٨٢
٢٦	ابن صلاح	٨٢
۲۷	امام نوویؒ	٨٣
۲۸	اقتباس:۴	٨۴
۲۹	ملا صدر الدین شیرازی	٨۴
۳۰	اقتباس:۵	٨٦
۳۱	امام ابو حنیفہ کی مسانید	٨٦
۳۲	مسانید کا امام اعظم تک اتصال	٨٧
۳۳	مسانید شیخ ابو زہرہؒ کی نظر میں	٨٨

۳۴	دو باتیں	۹۱
۳۵	محدث حارثی	۹۳
۳۶	اقتباس:٦	۹۵
۳۷	حافظ فضل اللہ تور بشتی	۹۵
۳۸	ایک عقدہ	۹٦
۳۹	اقتباس:۷	۹۷
۴۰	تصانیف امام اعظمؒ	۱۰۰
۴۱	الفقہ الاکبر؛ علامہ شبلی کی نظر میں	۱۰۱
۴۲	فقہ اکبر ابوزہرہ مصری کی نظر میں	۱۰۲
۴۳	ابو مطیع بلخیؒ	۱۰۵
۴۴	امام صاحب پر الزام ارجاء اور اس کی حقیقت	۱۰٦
۴۵	امام تیمیہ: علامہ کشمیری کی نظر میں	۱۰۷
۴٦	علامہ ابن عبدالبر مالکی	۱۰۸
۴۷	اقتباس:۸	۱۱۰
۴۸	عقائد طحاویؒ	۱۱۰
۴۹	علامہ قونویؒ	۱۱۱
۵۰	مفسر قرآن علامہ ابن کثیرؒ	۱۱۳
۵۱	اقتباس:۹	۱۱۵
۵۲	حاجی محمد ہاشم	۱۱٦

۵۳	اقتباس:۱۰	۱۱۷
۵۴	شیخ تقی الدین ابن دقیق العیدؒ	۱۲۱
۵۵	حافظ شمس الدین ذہبیؒ	۱۲۳
۵۶	علامہ ذہبیؒ کا تراجم پر عبور	۱۲۴
۵۷	حافظ زیلعی	۱۲۵
۵۸	شیخ ابن ہمامؒ	۱۲۸
۵۹	اقتباس:۱۱	۱۳۰
۶۰	محدث دارمیؒ	۱۳۱
۶۱	ثنائیات وثلاثیات	۱۳۲
۶۲	اقتباس:۱۲	۱۳۳
۶۳	قاضی بیضاویؒ	۱۳۳
۶۴	علامہ جاراللہ زمخشری	۱۳۵
۶۵	اقتباس:۱۳	۱۳۷
۶۶	علامہ شوکانی	۱۳۷
۶۷	نواب صدیق حسن قنوجی	۱۳۹
۶۸	تفسیر فتح البیان	۱۴۱
۶۹	اقتباس:۱۴	۱۴۲
۷۰	امام محمدؒ امام شافعی کی نظر میں	۱۴۳
۷۱	فقہ میں امام محمد کی تصنیفات کا مقام اور ان کے امتیازات	۱۴۵

۷۲	اقتباس:۱۵	۱۴۷
۷۳	ارسطو	۱۴۸
۷۴	علامہ شعرانیؒ	۱۵۰
۷۵	زندیقوں کے سیاہ کارنامے	۱۵۱
۷۶	شیخ محی الدین ابن عربیؒ	۱۵۳
۷۷	فرعون ابن عربی کی نگاہ میں	۱۵۴
۷۸	اقتباس:۱۶	۱۵۵
۷۹	ابن رشد الحفیدؒ	۱۵۶
۸۰	اقتباس:۱۷	۱۵۹
۸۱	شیخ رضی الدین استر آبادیؒ	۱۵۹
۸۲	علامہ اشمونیؒ	۱۶۰
۸۳	سیبویہ اور ان کی کتاب	۱۶۱
۸۴	سیرافی نحویؒ	۱۶۴
۸۵	اقتباس:۱۸	۱۶۶
۸۶	امام جرح وتعدیل یحیٰی بن سعید القطانؒ	۱۶۹
۸۷	امیر المؤمنین فی الحدیث سفیان ثوریؒ	۱۷۰
۸۸	محدث عراق وکیع بن الجراح بن الملیحؒ	۱۷۰
۸۹	سید الحفاظ یحیٰی بن معینؒ	۱۷۴
۹۰	امام ابوحنیفہ یحیٰی بن معین کی نگاہ میں	۱۷۵

۹۱	امام شافعی پر ابن معین کا نقد	۱۷۶
۹۲	امام ابوحنیفہ تابعی تھے	۱۷۹
۹۳	اقتباس:۱۹	۱۸۱
۹۴	امام ابوحنیفہؒ	۱۸۳
۹۵	امام بخاریؒ اور نسائیؒ کا ریمارک	۱۸۴
۹۶	حافظ محمد بن نصر بن سلمہ بن جارود حنفیؒ	۱۸۶
۹۷	علامہ ابن سید الناسؒ	۱۸۷
۹۸	حافظ دمیاطیؒ	۱۸۸
۹۹	حافظ زین الدین عراقیؒ	۱۸۹
۱۰۰	علامہ ماردینی حنفیؒ	۱۹۱
۱۰۱	اقتباس:۲۰	۱۹۲
۱۰۲	شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کی کتاب ایضاح الحق الصریح	۱۹۳
۱۰۳	علامہ شاطبیؒ	۱۹۴
۱۰۴	محمد بن عبدالوہاب نجدی	۱۹۶
۱۰۵	اقتباس:۲۱	۱۹۷
۱۰۶	جلال الدین سیوطیؒ	۱۹۸
۱۰۷	کشاف کی ادبی حیثیت	۲۰۰
۱۰۸	اقتباس:۲۲	۲۰۳
۱۰۹	اقتباس:۲۳	۲۰۴

۱۱۰	مکی بن ابراہیمؒ	۲۰۵
۱۱۱	حافظ قاسم بن قطلو بغاؒ	۲۰۶
۱۱۲	اقتباس:۲۴	۲۰۸
۱۱۳	شیخ یعقوب بنانی لاہوریؒ	۲۰۹
۱۱۴	محمد عابد سندیؒ	۲۱۰
۱۱۵	اقتباس:۲۵	۲۱۱
۱۱۶	برہان الدین حلبیؒ: ایک تنقیدی جائزہ	۲۱۳
۱۱۷	حافظ برہان الدین ابن سبط العجمی	۲۱۴
۱۱۸	برہان الدین حلبی کے بارے میں فیض الباری کے مندرجات پر ایک نظر	۲۱۷
۱۱۹	محدث اعظمیؒ سے استفسار	۲۲۱
۱۲۰	محدث اعظمیؒ کا جواب	۲۲۱
۱۲۱	اقتباس:۲۶	۲۲۳
۱۲۲	مفسر قرآن علامہ ابن جریر طبریؒ	۲۲۴
۱۲۳	ابن جریر کی وفات	۲۲۷
۱۲۴	اقتباس:۲۷	۲۳۰
۱۲۵	داؤد ظاہریؒ	۲۳۰
۱۲۶	اقتباس:۲۸	۲۳۲
۱۲۷	علامہ ابن حزم ظاہری	۲۳۲

۱۲۸	اقتباس:۲۹	۲۳۵
۱۲۹	محدث کرابیسیؒ	۲۳٦
۱۳۰	اقتباس:۳۰	۲۳۹
۱۳۱	عین العلم کے مصنف	۲۴۰
۱۳۲	ملاعلی قاریؒ	۲۴۱
۱۳۳	الطریقۃ المحمدیۃ کے مصنف	۲۴۲
۱۳۴	اقتباس:۳۱	۲۴۳
۱۳۵	علامہ سہیلیؒ	۲۴۳
۱۳٦	اقتباس:۳۲	۲۴۵
۱۳۷	شیخ الاسلام دہلویؒ	۲۴٦
۱۳۸	کمالین حاشیہ جلالین	۲۴٦
۱۳۹	اقتباس:۳۳	۲۴۹
۱۴۰	اقتباس:۳۴	۲۵۰
۱۴۱	قاضی بدرالدین شبلیؒ	۲۵۰
۱۴۲	اقتباس:۳۵	۲۵۳
۱۴۳	لیث بن سعدؒ	۲۵۴
۱۴۴	اقتباس:۳٦	۲۵۵
۱۴۵	برہان الدین طرابلسیؒ	۲۵۷
۱۴٦	شرف الدین طیبیؒ	۲۵۸

۱۴۷	اقتباس: ۳۷	۲۶۰
۱۴۸	اقتباس: ۳۸	۲۶۵
۱۴۹	ابن سینا	۲۶۷
۱۵۰	اقتباس: ۳۹	۲۶۹
۱۵۱	امام احمد بن حنبلؒ	۲۷۰
۱۵۲	علامہ ہیثمیؒ	۲۷۲
۱۵۳	اقتباس: ۴۰	۲۷۴
۱۵۴	اقتباس: ۴۱	۲۷۴
۱۵۵	علامہ بدرالدین عینیؒ	۲۷۵
۱۵۶	اقتباس: ۴۲	۲۷۹
۱۵۷	شیخ علی متقیؒ	۲۷۹
۱۵۸	شیخ محمد بن طاہر پٹنیؒ	۲۸۱
۱۵۹	اقتباس: ۴۳	۲۸۴
۱۶۰	ابن نجیمؒ	۲۸۴
۱۶۱	علامہ ابن عابدینؒ	۲۸۷
۱۶۲	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	۲۸۸
۱۶۳	اقتباس: ۴۴	۲۹۱
۱۶۴	زید بن علیؒ	۲۹۱
۱۶۵	اقتباس: ۴۵	۲۹۴

۱۶۶	ابن قدامہ مقدسیؒ	۲۹۵
۱۶۷	عزالدین ابن عبدالسلامؒ	۲۹۷
۱۶۸	اقتباس:۴۶	۳۰۰
۱۶۹	ابوحفص الکبیرؒ	۳۰۲
۱۷۰	ابوحفص الصغیرؒ	۳۰۳
۱۷۱	اقتباس:۴۷	۳۰۶
۱۷۲	مقبلی	۳۰۷
۱۷۳	محمد بن ابراہیم (ابن الوزیر)	۳۰۸
۱۷۴	اقتباس:۴۸	۳۰۹
۱۷۵	امام قدوریؒ	۳۱۰
۱۷۶	ابوحامد اسفرائینیؒ	۳۱۳
۱۷۷	اقتباس:۴۹	۳۱۶
۱۷۸	عبدالرزاق صنعانیؒ	۳۱۷
۱۷۹	اقتباس:۵۰	۳۱۹
۱۸۰	المحمدون الأربعة	۳۱۹
۱۸۱	محمد بن نصر مروزیؒ	۳۲۰
۱۸۲	ابن المنذرؒ	۳۲۲
۱۸۳	ابن خزیمہؒ	۳۲۴
۱۸۴	صحیح ابن خزیمہ	۳۲۶

۱۸۵	اقتباس:۵۱	۳۲۸
۱۸۶	مختار بن محمود زاہدی صاحب قنیۃ	۳۲۸
۱۸۷	اقتباس:۵۲	۳۳۱
۱۸۸	ابن دحیہ	۳۳۲
۱۸۹	اقتباس:۵۳	۳۳۴
۱۹۰	اختلاف العلماء کی پہلی تصنیف	۳۳۵
۱۹۱	اقتباس:۵۴	۳۳۶
۱۹۲	ابوعبید قاسم بن سلّام	۳۳۶
۱۹۳	اقتباس:۵۵	۳۳۸
۱۹۴	اقتباس:۵۶	۳۳۹
۱۹۵	اقتباس:۵۷	۳۴۰
۱۹۶	خزانۃ الروایات اور اس کے مصنف	۳۴۱
۱۹۷	خزانۃ المفتیین اور اس کے مصنف	۳۴۲
۱۹۸	اقتباس:۵۸	۳۴۳
۱۹۹	ابوبکر ابن المقریؒ	۳۴۴
۲۰۰	ابوعروبۃ الحرانیؒ	۳۴۶
۲۰۱	ابن المظفر بغدادیؒ	۳۴۷
۲۰۲	اقتباس:۵۹	۳۴۸
۲۰۳	اقتباس:۶۰	۳۴۹

۲۰۴	اقتباس:۶۱	۳۵۰
۲۰۵	محمد بن یعقوب فیروز آبادی صاحب قاموس	۳۵۲
۲۰۶	اقتباس:۶۲	۳۵۵
۲۰۷	محمد فرید وجدی اوران کی دائرۃ المعارف	۳۵۵
۲۰۸	اقتباس:۶۳	۳۵۸
۲۰۹	ابن جوزی	۳۵۹
۲۱۰	اقتباس:۶۴	۳۶۰
۲۱۱	محمد بن اسحاقؒ	۳۶۰
۲۱۲	سیرت ابن اسحاق	۲۶۱
۲۱۳	ابن ہشامؒ	۳۶۳
۲۱۴	سیرت ابن ہشام	۳۶۴
۲۱۵	اقتباس:۶۵	۳۶۷
۲۱۶	ابوالفتح عثمان ابن جنی	۳۶۷
۲۱۷	اقتباس:۶۶	۳۷۰
۲۱۸	ابوجعفر نحاسؒ	۳۷۰
۲۱۹	اقتباس:۶۷	۳۷۲
۲۲۰	واقدی	۳۷۳
۲۲۱	اقتباس:۶۸	۳۷۶
۲۲۲	فراءنحوی	۳۷۸

۲۲۳	معانی القرآن: فراء کی تفسیر	۳۸۰
۲۲۴	زجاج نحوی	۳۸۱
۲۲۵	معانی القرآن واعرابہ: زجاج کی تفسیر	۳۸۲
۲۲۶	ابوعبیدۃ معمر بن مثنیٰ اور مجاز القرآن	۳۸۴
۲۲۷	اقتباس: ٦٩	۳۸٦
۲۲۸	ابومنصور ماتریدیؒ	۳۸۸
۲۲۹	ابوالحسن اشعریؒ	۳۹۰
۲۳۰	مراجع ومصادر	۳۹۲

پیش گفتار

الحمدللّٰہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سیدالمرسلین محمدبن عبداللّٰہ الأمین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، أمابعد:

مصنفین کی تحریروں میں ان کی بعض تحریریں مختلف جہات سے خصوصی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں، بعض تحریریں ایسی ہوتی ہیں جن کا مصنف کی فکر ونظر کی تشکیل اوراس کا سمت سفر طے کرنے میں بڑا دخل ہوتا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کسی مصنف کا کوئی تصنیفی اور تحقیقی کام اپنے حجم کے اعتبار سے کم اور مختصر ہو، لیکن اس مختصر تصنیفی سفر نے مصنف کو بال و پر عطا کیا ہو، اس کے مطالعہ کے دائرے کو کافی وسیع کیا ہو، اور فکر ونظر کی وادیوں میں پر بہار، فکر آموز منزلوں سے گذارا ہو، ایسی تحریریں ناظرین کی نگاہ میں خواہ کوئی بھی حیثیت رکھتی ہوں، لیکن خود مصنف اپنی علمی اور تحقیقی زندگی میں اس تحریر وتصنیف کو شاہ کلید کی حیثیت دیتا ہواوراس تحریر کو اپنا بڑا محسن مانتا ہو۔

میرے تصنیفی سفر میں جن تحریروں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، اور جن کے ذریعہ خود مجھے بے پناہ فائدہ محسوس ہوا، ان میں سے ایک تحریر ''علم اور حضرات علماء: علامہ انور شاہ کشمیری کی نظر میں'' ہے، اس تحریر کی اہمیت وافادیت کو جاننے کے لئے مختصراً اس کا پس منظر بیان کرنا بھی ضروری ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام تو مدارس کی فضاؤں میں گونجتا رہتا ہے، ہر بڑے ادارے میں جہاں علوم اسلامیہ، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی اعلیٰ تعلیم ہوتی ہو، وہاں کی درسگاہوں میں مختلف حوالوں سے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا نام بار بار عزت واحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے، خاص طور سے دیوبندی الفکر مدارس وجامعات میں ان کی تحقیقات اور ان کی خصوصی آراء واجتہادات کا تذکرہ اہمیت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں اس فقیر کو علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے حد درجہ عقیدت ومحبت ہوئی، دورۂ حدیث میں پہنچنے سے پہلے ہی جب سے فن حدیث سے اشتغال شروع ہوا، اور حدیث کی مختلف کتابیں پڑھنے اور ان کا مطالعہ کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، اسی وقت سے علامہ کشمیری کے ساتھ عقیدت وگرویدگی بڑھتی رہی، درسگاہوں میں ان کا تذکرہ محض ایک کامیاب استاد ومدرس کی حیثیت سے نہیں ہوتا تھا، بلکہ علوم اسلامیہ خصوصاً فن حدیث کے امام کے طور پر ہوتا تھا، ان کی تحقیقات اور خصوصی افادات حدیث اساتذہ بڑے اہتمام سے بیان فرماتے تھے۔

مجھے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تمام تصنیفات اور علمی افادات جمع کرنے اور ان کا بغور مطالعہ کرنے کا شوق پیدا ہوا، ان کے علمی رسائل جو دریا بکوزہ کے مصداق ہیں، انہیں حاصل کرنے کے لئے میں نے تجارتی کتب خانوں کی خاک

چھانی، اورانھیں حاصل کرنے کی کوشش کی، ان کے اہم علمی رسائل مثلاً:
"اکفار الملحدین فی ضروریات الدین"، "کشف الستر عن صلاۃ الوتر"، "نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین" وغیرہ دیوبند میں نہیں چھپے تھے، بلکہ المجلس العلمی ڈابھیل گجرات (جسے علامہ کشمیریؒ کے شاگردوں نے خاص طور سے علامہ کشمیریؒ کے افادات اوران کی پسند کردہ تصنیفات شائع کرنے کے لئے قائم کیا تھا) سے شائع ہوئے تھے، اوران کی اشاعت پر کافی مدت گذر چکی تھی، اس لئے عام طور پر مکتبات میں دستیاب نہیں تھے، ان سب رسائل کو حاصل کرنے اوران سے استفادہ کرنے کی اللہ نے توفیق عطا فرمائی۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے علوم وافادات پر مشتمل سب سے قیمتی مجموعہ "فیض الباری" ہے، (جو علامہ کشمیریؒ کے درس بخاری کا کامیاب ترین مجموعہ ہے) اسے بھی حاصل کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی اوردورۂ حدیث کے سال اسے بار بار پڑھنے کی توفیق ہوئی، "فیض الباری" علامہ کشمیریؒ کے لائق ترین شاگرد حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کی مرتب کردہ کتاب ہے، یہ چار جلدوں میں برابر شائع ہورہی ہے۔

اسی طرح سنن ترمذی پر علامہ کشمیریؒ کے درسی افادات کا مختصر لیکن جامع مجموعہ "العرف الشذی" بھی علوم انوری کا اچھا گلدستہ ہے، جس سے استفادہ کرنے کی توفیق ملتی رہی، علامہ یوسف بنوریؒ جو علامہ کشمیریؒ کے دور آخر کے

تلامذہ میں سے ہیں، انہوں نے ''معارف السنن'' کے نام سے سنن ترمذی کی مفصل شرح کا آغاز کیا،، بلاشبہ انہوں نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تمام افادات کو جمع کرنے اوران کی فاضلانہ شرح وتفسیر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، لیکن اس وقت اس کی چند ہی جلدیں شائع ہو پائی تھیں، جو عبادات کے ابواب پر مشتمل تھیں، بہرحال! معارف السنن سے بھی حتی الامکان استفادہ کرتا رہا، اگرچہ اس کا بالاستیعاب مطالعہ نہ کر سکا۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے عقیدت ووابستگی نے علوم و فنون کے بہت سے دروازے کھول دئے، علوم اسلامیہ کے اہم مصنفین اوران کی تصنیفات کی قدر و قیمت سے واقف کرایا، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تصنیفات وامالی کے ذریعہ تاریخ اسلام کی عظیم ترین شخصیات اوراہم ترین تالیفات سے شناسائی حاصل ہوئی، اوران سے استفادہ کی راہیں ہموار ہوئیں۔

المجلس العلمی نے علامہ کشمیریؒ کی تصنیفات وامالی کے ساتھ بعض ان کتابوں کو بھی شائع کیا جنھیں علامہ کشمیریؒ بڑی اہمیت دیا کرتے تھے، مثلاً حافظ زیلعیؒ کی ''نصب الرایہ'' اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض تصانیف، دور طالب علمی ہی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی متداول کتب ''حجۃ اللہ البالغہ''، ''ازالۃ الخفا'' وغیرہ کے علاوہ ان کی بعض غیر متداول کتابیں جو عام طور سے دستیاب نہیں تھیں، مثلاً ''البدور البازغۃ''، ''التفہیمات الالٰہیہ''، ''الخیر الکثیر''

وغیرہ حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تجدیدی کارنامے اور علوم اسلامیہ میں ان کی خدمات کا صحیح اندازہ تو ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کے شاہ ولی اللہ نمبر سے ہوا، خاص طور سے اس نمبر میں شائع شدہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کی فکر انگیز مفصل تحریر نیز مولانا مناظر حسن گیلانی کے مضمون سے شاہ ولی اللہؒ کے علمی مقام ومرتبہ اور علوم وفنون میں ان کی دستگاہ کامل کا اندازہ ہوا، شاہ ولی اللہؒ کی تصنیفات ورسائل کی جستجو نے موطا امام مالک پر ان کی دو شرحوں المسوی اور المصفی تک پہنچایا، ان دونوں کتابوں کا بہت پرانا ایڈیشن کسی کتب خانہ سے دستیاب ہوا، حضرت شاہ ولی اللہؒ کی غیر معمولی اہمیت اور ان کے کارناموں کی طرف حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی بعض تحریروں نے متوجہ کیا۔

''فیض الباری'' اور ''العرف الشذی'' کے مطالعہ نے تاریخ اسلام کی اہم ترین شخصیات، ان کے مقام ومرتبہ اور ان کی اہم تصنیفات اور خصوصی نظریات سے متعارف کرایا۔

فیض الباری کے مطالعہ کے دوران دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ علامہ کشمیریؒ نے مختلف اسلامی علوم کے بارے میں اور تاریخ اسلام کی عظیم شخصیات کے بارے میں جو مختصر تبصرے کئے ہیں، اور ان کے بارے میں اپنی تحقیق ومطالعہ کا جو نچوڑ پیش کیا انھیں یکجا کر دیا جائے، اور ان پر کچھ تشریحی خدمت کر کے اہل

علم کے لئے پیش کیا جائے، چنانچہ فیض الباری سے ایسے اقتباسات جمع کرنے کی توفیق ہوئی، اور پھران پر تشریحی نوٹس لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا، اور یہ کوشش کی گئی کہ جس شخصیت کا علامہ کشمیریؒ نے اجمالاً ذکر کیا ہے ان کے کچھ مفصل حالات کتب تاریخ وتراجم سے یکجا کئے جائیں، اوران کے بارے میں جورائے پیش کی ہے، اس کی حوالوں کے ساتھ کچھ وضاحت کردی جائے، اسی طرح علوم اسلامیہ کی جن کتابوں کا مختلف مقامات پر ذکر کیا ہے، ان کتابوں کا بھی کچھ تعارف کرادیا جائے، اوران کی اہمیت واضح کردی جائے، اس کام کی برکت سے علوم اسلامیہ کی اہم ترین کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا، تاریخ، تراجم، فن اسماء الرجال، علم جرح وتعدیل کی بہت سی کتابوں سے شناسائی ہوئی۔

اس موضوع پر تھوڑا سا کام کرنے کے بعد خیال پیدا ہوا کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے بڑے صاحبزادے مولانا ازہر شاہ قیصر ایڈیٹر ماہنامہ دارالعلوم کو ملاحظہ کے لئے پیش کردیا جائے، مجھ پران کی بڑی شفقت تھی، انھیں جب معلوم ہوجاتا تھا کہ کسی طالب علم میں تحریر وتصنیف کا ذوق ہے، تو اس پر خصوصی شفقت فرماتے، اور بہت سے اچھے مشورے دیتے، میرے اس کام کو ملاحظہ فرماکر بے انتہاء خوش ہوئے، ہمت افزائی کے بلند کلمات کہے، اور حکم دیا کہ ان صفحات کو میرے حوالے کردو، انشاء اللہ ماہنامہ دارالعلوم میں پہلی قسط کے طور پر شائع ہو جائے گا، اور بقیہ کام کو جلد سے جلد مکمل کرنے کی کوشش کیجئے، ماہنامہ دارالعلوم میں یہ مضمون قسط وار آتا رہے گا، ان کی ہمت افزائی نے کام کی رفتار بڑھادی،

اور میں دارالعلوم دیوبند کے عظیم کتب خانہ سے استفادہ کرتے ہوئے اس کام کو آگے بڑھاتا رہا، دس سے زائد قسطیں ماہنامہ دارالعلوم میں شائع ہوئیں جنھیں اہل علم اور ارباب تحقیق نے بہت پسند کیا۔

اس موقع پر کتب خانہ کے ایک معمر ملازم مولانا محمد حنیف صاحب دیوبندی مرحوم برابر یاد آتے ہیں، کتب خانہ کے ناظم ونگراں تو حضرت مولانا سلطان الحق بجنوریؒ اور حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند تھے، لیکن طلبہ کو کتب خانہ سے کتابیں لے کر مطالعہ کرنے میں جس شخصیت سے سابقہ پڑتا تھا وہ جناب مولانا حنیف صاحب دیوبندیؒ تھے، ان کا ذہن کمپیوٹر کی طرح تمام کتابوں کو محفوظ کئے ہوئے تھا، کون کتاب کس فن میں ہے، اور کس جگہ پر رکھی ہوئی ہے، یہ انھیں اس طرح ازبر تھا کہ کتاب کا نام لیتے ہی بڑی برق رفتاری سے اس کتاب کو نکال کر طالب علم کے سامنے رکھ دیتے، اور کتاب کو تلاش کرنے میں وقت ضائع نہیں ہوتا تھا، اس وقت کیٹلاگ کا طریقہ نافذ نہیں تھا، اس کی تیاریاں چل رہی تھیں، مولانا حنیف صاحب کو کسی طالب علم کے بارے میں جب یہ احساس ہوجاتا کہ اسے مطالعہ کا شوق اور دلچسپی ہے تو اس کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کرتے، اسے اجازت دیتے کہ خود الماری سے کتابیں نکال کر ان کا مطالعہ کریں، اور مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد اپنی جگہ رکھ دیں۔

زیر نظر مضمون کی تیاری میں علوم اسلامیہ کے بہت سے مراجع سے استفادہ کرنے اور ان کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا، جس سے مطالعہ میں کافی وسعت پیدا

ہوئی، اور فکر ونظر میں گہرائی پیدا کرنے کا موقع ملا۔

اسی زمانے کی بات ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ پر سرینگر میں ایک بڑے سیمینار کا پروگرام ترتیب پایا، یہ شیخ عبداللہ کے زمانے کی بات ہے، مولانا ازہر شاہ قیصر نے مجھے یہ حکم دیا کہ علامہ کشمیریؒ پر آپ بھی ایک مضمون لکھیں، سیمینار میں آپ کو بھی شرکت کرنی ہے، چنانچہ علامہ کشمیریؒ پر ایک مضمون تحریر کیا جو اب تک میرے مسودات میں محفوظ تھا، بعض اسباب کی بنیاد پر کشمیر کے سیمینار میں شرکت نہ ہوسکی، لیکن ایک مضمون تیار ہوگیا جسے زیر نظر کتاب میں شامل اشاعت کیا جارہا ہے، میرا دور طالب علمی کا یہ تحریری کام جس نے مختلف جہتوں سے مجھے فائدہ پہنچایا، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں اس کا بڑا حصہ شائع ہوا، اور اس کی فائلوں میں محفوظ رہا، مجھے اسے کتابی صورت میں شائع کرانے کی توفیق نہیں ہوئی، اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اخیر میں کچھ کام ادھورا تھا جس کی تکمیل میں نہیں کرسکا تھا، دوسری مشغولیات اور موضوعات نے اس کا موقع نہیں دیا کہ اس تصنیفی کام کی تکمیل کرسکوں۔

عزیز مکرم مولوی عادل احتشام ندوی جنھوں نے معہد الشریعہ لکھنؤ میں ایک سال تعلیم حاصل کی، انھوں نے یہ خواہش کی کہ اس کتاب کے مسودے کو کمپوز کریں اور تھوڑا سا جو کام باقی رہ گیا میری رہنمائی میں اس کی تکمیل کریں، کمپوزنگ کا کام تو انھوں نے کرلیا، لیکن باقی ماندہ کام کی تکمیل نہیں کرسکے، ان کا تعلیمی سال مکمل ہوگیا، اور وہ لکھنو سے اندور چلے گئے، یہ کام پھر کئی سال تک التواء

کا شکار رہا، سال رواں میں مجھے اس کام کی تکمیل کی خیال آیا، اس دوران بعض اہل علم کو میرے اس طالب علمانہ کام کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اس کی تکمیل و اشاعت پر اصرار کیا، لیکن میری مشغولیات اور امراض واعذار اس کی اجازت نہیں دے رہے تھے کہ میں خود اس کام کی تکمیل کرسکوں، حالانکہ بہت تھوڑا سا کام باقی رہ گیا تھا، میں نے مفتی محمد توصیف قاسمی - جو معہد الشریعہ میں کئی سال استاذ رہ چکے ہیں اور آج کل لکھنؤ ہی میں مقیم ہیں - انھیں زحمت دی کہ میری رہنمائی میں باقی کام کی تکمیل کریں، اور کمپوز شدہ مواد کو چیک کرکے قابل اشاعت بنائیں، الحمدللہ ان کے تعاون سے یہ کام تکمیل کے مراحل طے کر چکا ہے۔

میرے رفیق محترم حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم (جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، وسکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ، وبانی المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) کا بہت ممنون ہوں کہ انھوں نے میری خواہش پر اس گلدستۂ انوری کے لئے بیش قیمت مقدمہ تحریر فرمایا، جس سے اس علمی سوغات کی قدر و قیمت میں کافی اضافہ ہوگا، اور اہل علم اس کتاب کی اہمیت وافادیت سے پورے طور پر واقف ہوں گے، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہ صحت وعافیت کے ساتھ مولانا موصوف کے علمی ودینی فیوض کو جاری رکھیں، امت مسلمہ کے سروں پر ان کا سایہ تادیر قائم رکھیں۔

کتاب کو اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ شروع میں فیض الباری کا عربی اقتباس دیا گیا ہے، اس کے بعد اقتباس کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے، ترجمہ کے بعد

اس اقتباس سے متعلق حواشی کو شامل اشاعت کیا گیا ہے، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ یہ کتاب اصحاب علم وتحقیق نیز علماء اور طلبہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی، ایک مختصر سی کتاب میں انھیں اسلامی علوم وفنون کی اہم کتابوں اور اسلامی علوم وفنون کی اہم شخصیات اور مصنفین کا تعارف حاصل ہو جائے گا، اور ان کے لئے تحقیق ومطالعہ کی راہیں کھل جائیں گی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ مختصر کتاب اس کی بارگاہ میں قبولیت حاصل کرے، مطالعہ کرنے والوں کے لئے نافع ثابت ہو، اور مصنف کے لئے ذخیرہ آخرت بنے۔ آمین

عتیق احمد بستوی قاسمی

استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

صدر معہد الشریعہ لکھنؤ

۴/ربیع الاول ۱۴۴۱ھ

۲/نومبر ۲۰۱۹ء

مقدمہ

ہندوستان کی خوش نصیبی اور سعادت بختی ہے کہ یہاں اسلام بالکل ابتدائی دور میں پہنچا، بعض مورخین کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں ایمان کی کرنیں ہندوستان کے ساحلی علاقے پر پہنچ چکی تھیں، ایک طرف جنوبی ساحلی علاقہ سے داعیان اسلام کا کارواں یہاں پہنچا، دوسری طرف مغرب سے مجاہدین اسلام وارد ہوئے، انھوں نے زمین کو فتح کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے بلند اخلاق اور بہترین سلوک کے ذریعہ باشندگان ہند کے دلوں کی دنیا کو بھی فتح کرلیا، یہاں تک کہ فاتح سندھ محمد بن قاسم کے رحمدلانہ سلوک اور مشفقانہ برتاؤ نے لوگوں کو ایسا متاثر کیا کہ کہا جاتا ہے کہ ان کے واپس ہونے کے بعد بھی تقریباً دوسوسال تک مقامی باشندوں نے ان کا مجسمہ بنا کر پرستش کی، دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی مثال ملے کہ مفتوحین نے محبت وعقیدت کے جذبہ سے اپنے فاتحین کے ساتھ یہ سلوک کیا ہو، یہ اسلامی تعلیمات اور مؤمنانہ اخلاق کا نتیجہ تھا۔

فتح سندھ کے بعد ہندوستان میں جو حکمراں آئے، وہ عام طور پر عجمی نژاد تھے اور زیادہ تر اسلامی تعلیمات سے نابلد بھی تھے، اس لئے حکمرانوں کی کوشش سے دعوت اسلام کا کام بہت کم ہوا، ایک دو شخصیتوں کو چھوڑ دیا جائے تو عمومی طور پر مسلم بادشاہوں کی اس طرف توجہ نہیں ہوئی، لیکن یہ فائدہ ہوا کہ جب مسلم حکومتیں قائم ہوئیں تو علماء اور صوفیاء کے قافلے بھی آنے لگے، صوفیاء نے زیادہ

توجہ دعوت واصلاح کی طرف کی اور آج برصغیر میں جو مسلمان پائے جاتے ہیں، وہ زیادہ تر ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہیں، علماء نے اسلامی علوم کی اشاعت پر توجہ دی، مدارس قائم ہوئے، اور اس خطہ میں علم وتحقیق اور تصنیف وتالیف کا اتنا بڑا کام انجام پایا کہ بعض دفعہ علماء عرب بھی علماء ہند کی خدمات کو رشک کی نظر سے دیکھتے تھے، ہندوستان میں اہل علم نے یوں تو تمام ہی علوم اسلامی میں اپنے نقوش چھوڑے ہیں؛ لیکن علم حدیث کی خدمت میں بھی ان کا نمایاں حصہ رہا ہے، علامہ صغانیؒ، شیخ علی متقیؒ، شیخ محمد بن طاہر پٹنیؒ، علامہ سندھیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ایسی شخصیتیں ہیں جن کو آج عالم اسلام میں بھی خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔

خدمت حدیث کے اس جلیل القدر کام کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اوج کمال پر پہنچادیا، ان سے پہلے مختلف شخصیتوں نے انفرادی طور پر حدیث میں تصنیف وتالیف کی خدمت انجام دی؛ لیکن شاہ صاحبؒ نے باضابطہ مدرسۃ الحدیث کی بنیاد رکھی، اور جس وقت ہندوستان کے علمی حلقہ پر معقولات کا جادو چل رہا تھا، حدیث کے تعلیم وتعلم کو کم نگاہی سے دیکھا جاتا تھا، اور پڑھانے والوں کو علمی اعتبار سے وہ مقام نہیں دیا جاتا تھا جو معقولات کے معلم اور اس کے اساتذہ کو حاصل تھا، اس وقت انھوں نے صحاح کا درس شروع کر کے حدیث کی تعلیم کو ایک تحریک بنادیا، اور علماء ہند کے اندر حدیث سے اشتغال پیدا ہوا، شاہ صاحبؒ کے تمام ہی فرزندان باکمال اور ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق تھے؛ لیکن خاص کر درس حدیث کی مسند شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے سنبھالی،

پھر شاہ محمد اسحاق صاحبؒ اور شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے واسطے سے یہ سلسلہ دیوبند پہنچا، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے خدمت حدیث کو اپنے سینہ سے لگایا، شاہ صاحبؒ نے حدیث کے تعلیم وتعلم کے جس جذبہ کو پروان چڑھایا تھا، ان کی اولاد واحفاد نے قطرہ کو دریا بنادیا، اور جب یہ آبِ حیات دیوبند کی سرزمین پر پہنچا تو دارالعلوم کے واسطہ سے ایک بحر ناپیدا کنار ہوگیا، چنانچہ آج پوری دنیا میں دیوبند سے نسبت رکھنے والے حدیث کے اساتذہ، حدیث پر لکھنے والے مصنفین اور حدیث کے متعلقات پر بحث وتحقیق کی سعادت حاصل کرنے والے مردان کار لاکھوں کی تعداد میں ہیں، پوری دنیا میں وہ اس علم کی اشاعت کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں، اور ان کے ذریعہ علم حدیث پر کتابیں ہی نہیں، بلکہ کتب خانے وجود میں آچکے ہیں۔

اس کہکشاں میں علم حدیث کی نسبت سے جو شخصیت آفتاب جہاں تاب بن کر ابھری وہ ہیں: علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، اللہ نے ان کو عبقری شخصیت بنایا تھا، ان کی ذہانت بے مثال تھی، اور ان کی قوت حفظ سے ابتدائی دور کے محدثین کی یاد تازہ ہوتی تھی، یوں تو تمام ہی اسلامی علوم میں ان کو بلند پایہ مقام حاصل تھا؛ لیکن حدیث ان کا خاص موضوع تھا، وہ حدیث کے متعلم اور معلم ہی نہیں؛ بلکہ اس کے عاشق تھے، نہریں اپنے دائرے میں سمٹی رہتی ہیں؛ لیکن سمندر کی متلاطم موجوں کو ساحل روک نہیں سکتا، شاہ صاحب کے درس کا یہی حال تھا، اس میں تفسیر قرآن کے نکات بھی ہوتے تھے، فقہی دقیقہ سنجی بھی تھی، فقہی اختلافات

میں تطبیق اور تقریب کی کوشش خاص طور پر کرتے تھے، رجال کی بھی بہت سی بحثیں آجاتی تھیں، اور ماہرین اسماء رجال کی لغزشوں پر متنبہ بھی کرتے تھے، عقیدہ و کلام کے مشکل مسائل کی گرہ کشائی بھی ہوتی تھی، اور حدیث کے معارف پر تو گفتگو ہوتی ہی تھی کہ وہ درس کا اصل موضوع تھا، دوران درس جن شخصیتوں کا، کتابوں کا اسماء والقاب کا اور مصنفین کا ذکر آتا تھا، شاہ صاحبؒ ان سے یوں ہی نہیں گذر جاتے تھے، بلکہ ان پر جچا تلا تبصرہ بھی فرماتے تھے، جو گہرے مطالعہ، عمیق فکر اور غیر معمولی تنقیدی شعور کا مظہر ہوتا تھا، وہ خوبیوں کے اعتراف میں بہت فراخ دل تھے، لیکن کمزوریوں پر مواخذہ کرنے میں عقاب کی نظر رکھتے تھے: اس لئے ضرورت ہے کہ مختلف علوم سے متعلق شاہ صاحبؒ کے افادات کو جمع کیا جائے؛ تاکہ لوگوں کو استفادہ کرنے میں سہولت ہو، ،مشکلات القرآن کو شاہ صاحبؒ کے قرآنی افادات کی اسی طرح کی کوشش قرار دیا جاسکتا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے کتابوں کا کام کم کیا؛ لیکن رجال کی تصنیف کا کام بھرپور طریقے پر کیا، اس حقیر کا خیال ہے کہ حلقۂ دیوبند میں علوم ظاہری کے اعتبار سے شاہ صاحب کے تلامذہ اور تزکیہ و اصلاح کے میدان میں حضرت تھانویؒ کے مسترشدین کو جو پذیرائی حاصل ہوئی، اور ان کے علوم و معرفت اور تزکیہ و تربیت کے ذریعہ جو نفع پہنچا، شاید کسی اور کے حصہ میں آسکا، چنانچہ آپ کے متعدد مایۂ ناز شاگردوں نے آپ کی درسی تقریروں کو جمع فرمایا، یہی ہم لوگوں کے لئے علوم انوری سے استفادہ کا ذریعہ ہے، یوں تو آپ کے تمام ہی درسی افادت خوب سے

خوب تر ہیں، لیکن فیض الباری کو اس میں نمایاں مقام حاصل ہے، جو خرمن انوری کے خوشہ چیں حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کے قلم سے ہے، شاہ صاحبؒ کے افادات کا یہ مجموعہ دریا بکوزہ کے مصداق ہے، اشارات میں اور لفظ دو لفظ میں ایسی باتیں کہہ جاتیں ہیں کہ کئی کتابوں کے مطالعہ سے بھی وہ حاصل نہ ہوں۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا، شخصیات اور کتابوں پر بھی شاہ صاحبؒ کی گہری نظر تھی، اور اپنے درس کے درمیان ایسے تبصرے فرمایا کرتے تھے جو مدتوں کے مطالعہ کا حاصل ہوتا تھا، اور اس تبصرہ میں دوسرے مصنفین کی لغزشوں پر تنبیہ بھی ہوتی تھی، ضرورت تھی کہ ان تبصروں کو حسن ترتیب کے ساتھ یکجا کر دیا جائے، تا کہ جو شاہ صاحبؒ کے افادات کے مطالعہ کا وقت نہیں پاتے، یا صلاحیت نہیں رکھتے، وہ کم وقت میں استفادہ کر لیں۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس اہم کام کو نامور مصنف اور مایہ ناز محقق محبّ گرامی حضرت مولانا عتیق احمد بستوی (صدر وبانی معہد الشریعہ لکھنؤ، استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء، سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، کنوینر دار القضاء کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) نے انجام دیا ہے، اللہ نے ان کو زمانہ طالب علمی سے اعلیٰ ذوق، تحقیق وجستجو کا جذبہ اور کثرت مطالعہ کی توفیق سے نوازا ہے، وہ خوب پڑھ لکھ کر قلم اٹھاتے ہیں اور تقلیدی نظر سے نہیں، بلکہ تنقیدی نگاہ سے مطالعہ کرتے ہیں، اور یہی اصحاب نظر کی شان ہے، انھوں نے اس موضوع پر زمانہ طالب علمی میں ہی قلم اٹھایا، اور علامہ کشمیری کے بڑے صاحبزادے مولانا ازہر

شاہ قیصرؒ مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کی حوصلہ افزائی نے ان کے لئے مہمیز کا کام کیا، مولانا بستوی نے اس کام کے لئے ''فیض الباری'' کو بنیاد بنایا، اور کئی قسطوں میں مضمون لکھا، اب یہ مجموعۂ مضامین قارئین کے سامنے ہے۔

اس کتاب میں شخصیات اور کتابوں سے متعلق علامہ کشمیری کے افادات ہی کو نقل نہیں کیا گیا ہے؛ بلکہ بیش قیمت اہم اضافے بھی کئے گئے ہیں اور اگر کہیں ''فیض الباری'' کے جامع و مرتب کے عدم ضبط کی وجہ سے تسامح ہوا ہے تو اس کی نشاندہی بھی کی ہے، جیسے امام صغانیؒ کے تذکرہ میں تنبیہ کی گئی ہے کہ بعض متاخرین نے ''المحکم'' کو بھی صغانیؒ کی تصنیف بتایا ہے، حالاں کہ وہ ابن سیدہ لغوی کی تصنیف ہے، اسی طرح برہان الدین حلبیؒ پر تفصیلی بحث کی ہے، اور بتایا ہے کہ وہ حنفی نہیں شافعی تھے اور جامع سے اس بارے میں غلطی ہوئی، اسی طرح کمالین کو شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے پوتے شیخ الاسلامؒ کی جانب منسوب کرنے کی غلطی بھی واضح کی ہے، اسی طرح مذاہب صحابہ کی تدوین کے سلسلہ میں جامع کو جو غلط فہمی ہوئی ہے، اس کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ اس میں امام طحاوی کو اولیت کا شرف نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ ابونصر مروزی کی پیدائش ان سے کافی پہلے کی ہے، اور اختلاف صحابہ پر انھوں نے بھی کام کیا ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ یہ اہم تحریر جو رسالہ دارالعلوم کے دفینہ میں پڑی ہوئی تھی، اب وہ منظر عام پر آرہی ہے، جس سے دیگر اہل علم بھی استفادہ کرسکیں گے، یہ ایک طرح سے نقد رجال کی خدمت کا تسلسل ہے، اسماء رجال کی کتابوں

میں ہم لوگ جرح وتعدیل کے جو ریمارک پڑھتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ لکھنے والوں نے ایک ہی جگہ راوی کی شخصیت پر پوری بات لکھ دی ہو؛ بلکہ اسماء رجال کے مصنفین نے مختلف اہل علم کے تبصروں کو مختلف مصنفین کی تحریروں سے اس طرح جمع کیا ہے، جیسے چونٹیوں کے منھ سے شکر جمع کی گئی ہو، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے، اور اہل علم کو اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی توفیق میسر آئے۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(خادم المعهد العالی الاسلامی، حیدرآباد)

۲۸؍صفر ۱۴۴۱ھ

۲۸؍اکتوبر ۲۰۱۹ء

علوم وفنون کی عبقری شخصیت:
علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

دنیا میں روزانہ ہزاروں انسانوں کی پیدائش ہوتی ہے، اور تقریبا اتنے ہی لوگوں کا انتقال ہوتا ہے، لیکن ایسے افراد گنے چنے ہوتے ہیں جن کو تاریخ بھلا نہیں سکتی، تاریخ ہر کس و ناکس کی داستانیں اپنے اندر محفوظ نہیں رکھتی، بلکہ انہیں افراد کی داستانیں زیب قرطاس کرتی ہے جو عبقری شخصیت کے مالک ہوں، اپنی غیر معمولی صلاحیتوں اور کارناموں کی وجہ سے اپنا ایک ممتاز مقام پیدا کیا ہو، میرے کہنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تاریخ شخصیتوں کے لئے کسوٹی ہے اور تاریخ میں درج شدہ تمام حضرات قد آور شخصیتوں کے مالک ہیں، نیز تاریخ میں غیر مندرج افراد کسی اہمیت کے مالک نہیں۔

بلا شبہ تاریخ بھی ظلم و بے انصافی سے پاک نہیں، کتنے تاریخ ساز افراد کو اس نے بھلا دیا، اور کتنے زاغ و زغن اس کی شاخوں پر بیٹھے باد بہاری کا مزا لوٹ رہے ہیں، لیکن پھر بھی تاریخ ایک حد تک عوام و خواص کو ممتاز کرتی ہے، تاریخ میں مذکور افراد سارے کے سارے ایک درجہ کے نہیں ہوتے، بلکہ بعض افراد ہی ایسے ہوتے ہیں جن کی مثالیں صدیوں میں نہیں ملتیں، علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ انھیں قد آور افراد میں سے تھے جو زمانہ کی صدیوں گردش کے بعد پیدا ہوتے ہیں، اس مختصر مضمون میں علامہ کشمیریؒ کا اجمالی تذکرہ مقصود ہے تا کہ موجودہ نسل

ان کے مرتبۂ ومقام سے واقف ہواوران کے علوم سے استفادہ کرنے میں کوتاہی نہ برتے۔

از مہد تا لحد

آپ کا اسم گرامی محمد انور شاہ، اور والد کا نام مولانا محمد معظم شاہ ہے، سلسلۂ نسب عارف باللہ شیخ مسعود نروری تک پہنچتا ہے، اور شیخ مسعود نروری کا سلسلۂ نسب امام ابوحنیفہؒ کے خاندان سے جاملتا ہے، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے خلف اکبر سید محمد از ہر شاہ صاحب قیصر کا کہنا ہے کہ ہمارے پاس اپنا نسب نامہ موجود ہے، شیخ مسعود نروری کشمیری حضرت سید احمد کرمانی کے خلیفہ اور مبلغ اسلام حضرت سید علی ہمدانی کی اولاد میں سے تھے، جن کا سلسلۂ نسب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے، شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ اس موضوع پر مفصل تحریر مولانا انظر شاہ کشمیری استاذ دارالعلوم دیوبند نے لکھی ہے، جو ان کی زیر تحریر کتاب ’’نقش دوام‘‘ میں شامل ہوگی، جو تقریبا ۸۰۰ صفحات پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وسوانح اور کمالات وخدمات کا ایک جامع مرقع ہوگی (یہ کتاب ۳۶۴ صفحات پر مشتمل طبع ہو چکی ہے)۔

۲۷ر شوال المکرّم ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۷ر اکتوبر ۱۸۷۵ء بروز شنبہ آپ کی پیدائش کشمیر کے ایک مضافاتی گاؤں دودوان (دودھواں) میں ہوئی، یہ گاؤں کپواڑہ سے قریب وادی لولاب میں واقع ہے، آپ پر شروع سے شرافت و سعادت مندی کے آثار نمایاں تھے، بعض اہل باطن نے آپ کے روشن مستقبل

کے لئے پیشین گوئیاں بھی کی تھیں، چار سال کی عمر میں پڑھنا شروع کیا، اور دس سال کی عمر میں اپنے والد اور مقامی علماء سے پڑھ کر قرآن مجید، فارسی، مبادیات عربی سے فارغ ہوگئے، اسی زمانہ میں بعض اہل فراست نے کہا تھا کہ یہ بچہ اپنے زمانہ کا غزالی ورازی بنے گا، اس کے بعد کشمیر و ہزارہ کے دوسرے علماء سے منطق وفلسفہ و ہیئت کی متداول کتابیں پڑھنے کے بعد ۱۳۰۷ھ یا ۱۳۰۸ھ میں علوم کی تکمیل کے لئے ازہر الہند دارالعلوم دیوبند تشریف لائے، اور جامع المعقول والمنقول شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ اور بعض دیگر اساتذہ سے حدیث اور بعض دوسرے فنون کی کتابیں پڑھیں ۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم سے فراغت ہوئی، فراغت کے بعد قطب الارشاد حضرت گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سند حدیث لینے کے ساتھ ساتھ فیوض باطنی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور حضرت گنگوہی کے مجاز بیعت ہوئے۔

پھر کچھ عرصہ مولانا مشیت اللہ صاحب کے پاس بجنور میں قیام رہا، وہاں سے دلی جاکر مدرسہ امینیہ قائم کیا، ۴-۵ سال اس میں درس دینے کے بعد اپنے وطن کشمیر گئے اور مدرسہ فیض عام کی بنیاد ڈالی، تین سال وہاں قیام کر کے درس و تدریس کے ساتھ بدعات ورسومات کا قلع قمع کیا، ۱۳۲۳ھ میں اعیان کشمیر کے ساتھ حج کی غرض سے حرمین حاضر ہوکر روحانی فیوض و برکات حاصل کیں، اور وہاں کے کتب خانوں سے پورا استفادہ کیا، حرمین سے ہجرت کا عزم لے کر لوٹے، کچھ دنوں وطن میں قیام کیا، لیکن حرمین کی کشش نے چین سے نہ رہنے

دیا، ۱۳۲۷ھ میں ہجرت کے ارادے سے چل پڑے سوچا کہ دیوبند جا کر شیخ الہند اور دیگر اساتذہ سے ملاقات کر لیں، شیخ الہند کو جب ہجرت کا ارادہ معلوم ہوا تو دارالعلوم کی درسی خدمت کے لئے روک لیا، آپ نے سعادت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے استاذ کے حکم کے سامنے سپر ڈال دی، لیکن ہجرت کے لئے کسی مناسب موقع کی تلاش میں لگے رہے، دارالعلوم کے ارباب حل وعقد نے نکاح کرا کے بیڑیاں ڈال دیں، اور آپ کو ہجرت کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔

۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہند نے سفر حج کا ارادہ کیا تو آپ کو اپنا جانشین بنا کر صدارت کی مسند پر بٹھایا، بدقسمتی سے شریف مکہ کی غداری کی بنیاد پر حضرت شیخ الہندؒ حجاز سے گرفتار کر لئے گئے تو ۱۳ سال تک آپ دارالعلوم کی صدارت پر فائز رہے، ۴۶ھ میں بعض اصولی اختلافات کی بنیاد پر علامہ اپنے چند رفقاء و تلامذہ کے ساتھ دارالعلوم سے کنارہ کش ہو گئے، کنارہ کشی کی خبر سنتے ہی ہر طرف سے دعوت نامے آنے لگے، لیکن قسام ازل نے یہ نعمت گجرات خاص طور پر ڈابھیل کے حصہ میں لکھ رکھی تھی، بعض مصالح کی بنا پر آپ نے اپنے رفقاء سمیت ڈابھیل کے مسند درس کو رونق بخشی، تشنگان علوم ہر طرف سے جوق در جوق آنے لگے، تقریباً پانچ سال آپ نے جامعہ ڈابھیل میں قال اللہ وقال الرسول کی صدا بلند کی، آخر کار بواسیر جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہوئے، بکثرت خون نکلنے لگا، ۲/صفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۹/مئی ۱۹۳۳ء کو دیوبند میں وفات پا گئے، آفتاب علم وفضل کے غروب ہونے پر علماء وادباء نے اشکبار ہو کر مرثیے کہے۔

(نقش دوام ص ۲۰ تا ۵۱، حیات انور ۱ تا ٦)

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: نقش دوام، حیات انور، نفحۃ العنبر ، یتیمۃ البیان، مقدمہ فیض الباری، مقدمہ انوار الباری، علامہ کشمیری :شخصیت و کارنامے)

معاصرین کا اعتراف

علامہ کشمیریؒ علم وفضل کی کن بلندیوں پر پہونچ چکے تھے، اس کا بتانا مجھ جیسے بے علم کے لئے دشوار ہے، ولی کو ولی ہی پہچانتا ہے، پھول کی قدر بلبل ہی جانتا ہے، علامہ کشمیریؒ کے بارے میں ان کے معاصرین کے جو بلند وبالا خیالات ہیں ان سے علامہ کے علم وفضل کا کچھ اندازہ ہوتا ہے، آدمی اپنے ہم عصر کے علم وفضل کو بہت کم تسلیم کرتا ہے، چنانچہ مشہور ہے ''معاصرت منافرت کی بنیاد ہے''، امام مالک اور ابن ابی ذئب کی تلخیاں، عینی وابن حجر کی نوک جھونک، سیوطی وسخاوی کے چشمک سب ہم عصری کا نتیجہ ہے، ایسے خوش قسمت علماء ربانیین بہت کم ملتے ہیں جن کے علم وفضل، بزرگی وتقویٰ کے سامنے معاصرین نے بھی گردن جھکائی ہو۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ کشمیریؒ کے سارے معاصرین بیک زبان وقلم ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، تو ہمیں ان کی عظمت علم اور جلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے، یہاں بطور نمونہ بعض معاصرین کی شہادتیں درج کی جاتی ہیں۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے تھے: ''جس طرح ہماری آنکھوں نے

شاہ صاحبؒ کا مثل نہیں دیکھا، اسی طرح شاہ صاحب نے بھی اپنا مثل نہیں دیکھا، اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تو نے شیخ تقی الدین بن دقیق العید اور حافظ ابن حجر عسقلانی کو دیکھا تو میں کہوں گا کہ ہاں میں نے دیکھا ہے، کیونکہ حضرت شاہ صاحب کو دیکھا تو گویا ان کو دیکھا۔'' (حیات انور ص۲۰)

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے معارف میں ان الفاظ میں شاہ صاحب کو خراج عقیدت پیش کیا:

''مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے، آپ کی مثال اس سمندر کی سی ہے جس کے اوپر کی سطح ساکت لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گرانقدر قیمتی خزانوں سے معمور ہے، وہ وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت مطالعہ میں اس عہد میں بے نظیر تھے، علوم حدیث کے حافظ و نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر و سخن میں بہرہ مند اور زہد و تقویٰ میں کامل تھے، مرتے دم تک علم و معرفت کے اس شہید نے قال اللہ و قال الرسول کا نعرہ بلند رکھا، ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے، شاید ہی کوئی کتاب (مطبوعہ ہو یا قلمی) ان کے مطالعہ سے بچی ہو)۔''

(بحوالہ معارف جون ۱۹۳۳، ربیع الاول ۱۳۵۲، الانور ص ۵۴۹)

حضرت تھانویؒ ایک بار علامہ کشمیریؒ کے درس میں شریک ہوئے، وہاں سے مجلس میں آکر فرمایا: ''شاہ صاحبؒ کے تو ایک ایک جملے پر ایک ایک رسالہ تصنیف ہوسکتا ہے،'' ایک بار فرمایا: ''جب شاہ صاحب میرے پاس آکر بیٹھتے ہیں تو میرا قلب ان کی علمی عظمت کا دباؤ محسوس کرتا ہے''، ایک موقع پر

فرمایا: ''حضرت شاہ صاحب حقانیت اسلام کی زندہ حجت ہیں، ان کا دین اسلام میں وجود دین اسلام کے حق ہونے کی دلیل ہے''۔

(حیات انور ص۲۰، نقش دوام ۲۷۵)

مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ نے علامہ کی علمی و عملی زندگی کا مختصر تعارف ان الفاظ میں کرایا ''صحابہ کا قافلہ جا رہا تھا، یہ پیچھے رہ گئے۔''

علامہ محدث علی حنبلی مصری - حافظ صحیحین - نے فرمایا: میں نے عرب ممالک کا سفر کیا اور علماء زمانہ سے ملا، خود مصر میں کئی سال حدیث کا درس دیا، ہر جگہ کے علماء سے حدیثی مباحث کئے، مگر میں نے اب تک اس شان کا کوئی محدث عالم میں نہیں دیکھا، میں نے ان کو ہر طرح بند کرنے کی سعی کی لیکن ان کے استحضار علوم، تیقظ، حفظ و اتقان، ذکاوت و وسعت نظر سے حیران رہ گیا، میں نے شاہ صاحب کے علاوہ اس درجہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا جو امام بخاری، حافظ ابن حجر، علامہ ابن تیمیہ، ابن حزم، شوکانی وغیرہ کے نظریات پر تنقیدی نظر و محاکمہ کر سکتا ہو، ان حضرات کی جلالت قدر کا پورا لحاظ رکھ کر بحث و تحقیق کا حق ادا کر سکے۔ (الانور ص ۵۹۷)

حضرت مولانا مدنیؒ نے فرمایا: میں نے ہندوستان حجاز، عراق، شام وغیرہ کے علماء اور فضلاء سے ملاقات کی اور مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی لیکن تبحر علمی، وسعت معلومات، جامعیت اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے احاطہ میں شاہ صاحب کا کوئی نظیر نہیں پایا۔ (حیات انور ص۱۶)

مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے فرمایا: حضرت شاہ صاحب کی وفات بلاشبہ وقت حاضر کے کامل ترین عالم ربانی کی وفات ہے، جن کی نظیر مستقبل میں متوقع نہیں، طبقۂ علماء میں حضرت شاہ صاحب کا تبحر، کمال فضل، ورع وتقویٰ، جامعیت و استغناء مسلم تھا، موافق ومخالف ان کے سامنے تسلیم و انقیاد سے گردن جھکاتا تھا۔ (نقش دوام ۲۸۲ تا ۲۸۳)

علامہ زاہد کوثری نے حضرت شاہ صاحب کی بعض تالیفات دیکھنے کے بعد فرمایا: احادیث سے دقیق مسائل کے استنباط میں شیخ ابن ہمام صاحب فتح القدیر کے بعد ایسا محدث وعالم امت میں نہیں گذرا، اور یہ کوئی کم زمانہ نہیں ہے۔

(حیات انور ص ۱۸۰ و ۱۸۱، نقش دوام ۲۸۷)

حیرت انگیز قوت حافظہ

علامہ کشمیریؒ کو اللہ جل مجدہ نے حیرت انگیز قوت حافظہ عنایت فرمایا تھا، آپ کی یادداشت دیکھ کر قدماء محدثین کے اس خداداد غیر معمولی حفظ واتقان کی تصدیق کرنی پڑتی جن کو لوگ حقیقت کے بجائے افسانہ سمجھنے لگے ہیں، استحضار اور وسعت مطالعہ کی بنا پر آپ کو چلتا پھرتا کتب خانہ کہا جاتا تھا، بہتیرے واقعات آپ کے غیر معمولی حافظہ پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی علیہ الرحمۃ نے علامہ کشمیری کا مقولہ نقل کیا: جب میں کسی کتاب کا سرسری نظر سے مطالعہ کرتا ہوں اور اس کے مباحث کو محفوظ رکھنے کا ارادہ بھی نہیں ہوتا، تب بھی پندرہ سال تک اس کے مضامین مجھے محفوظ رہ

جاتے ہیں۔

آپ نے ابن ھمام کی فتح القدیر مع تکملہ کا بیس روز میں مطالعہ کیا، کتاب الحجہ کی تلخیص بھی کی، اور صاحب ہدایہ پر ابن ھمام نے جو اعتراضات کئے ہیں ان کے مکمل جوابات بھی لکھے ہیں، اس کے بعد آخر وقت تک فتح القدیر کے مباحث نقل کرنے میں مراجعت کی ضرورت نہیں ہوئی، جو مضمون اس کا بیان کرونگا اگر مراجعت کروگے تفاوت بہت کم پاوگے۔ (نقش دوام ۱۲۸)

صاحب فیض الباری نے آپ کا بیان کیا ہوا ایک واقعہ لکھا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو غیر معمولی قوت حافظہ کی بنا پر بچپن میں دیکھی اور سنی ہوئی غامض سے غامض اور باریک سے باریک بات آخری عمر تک یاد تھیں، علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: میں نے اپنے شہر کشمیر میں چار سال کی عمر میں دو آدمیوں کی اس بارے میں گفتگو سنی تھی کہ عذاب جسم کو ہوگا یا روح کو؟ بات چیت کرنے کے بعد ان دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ عذاب روح وجسم دونوں کو ہوگا، انھوں نے ایک مثال سے اس کی وضاحت کی کہ ایک لنگڑا اور ایک اندھا دونوں باغ میں پھل توڑنے گئے، اندھا پھل دیکھنے سے عاجز تھا اور لنگڑا توڑنے سے معذور تھا، انھوں نے آپس میں مشورہ کیا، لنگڑا اندھے کے کندھے پر سوار ہوگیا، اندھا لنگڑے کو درختوں کی طرف لے جاتا اور لنگڑا پھلوں کو دیکھ کر توڑتا، روح وبدن کا بھی اسی طرح کا تعلق ہے، بدن روح کے بغیر غیر متحرک جمادات کی طرح ہے، اور روح بدن کے بغیر کام کاج کرنے سے عاجز ہے، غرضیکہ ہر ایک دوسرے کا

محتاج ہے، لہٰذا جب دونوں کام میں شریک ہیں تو جزا وسزا میں بھی شریک ہوں گے، ۳۵ سال بعد تفسیر قرطبی میں ابن عباس سے بعینہ یہی مضمون مروی دیکھا۔

اس واقعہ کو پڑھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی، چار سال کا بچہ ٹھیک سے ذی شعور بھی نہیں ہوتا ہے، مضمون کا یاد رکھنا تو بعد کی چیز ہے، پھر مضمون بھی ایک غامض وباریک مسئلے سے متعلق جس کو متوسط عقل والے بھی مشکل سے سمجھ پاتے ہیں، ایک چار سالہ بچے کا ایسے مضمون کو بڑھاپے کے زمانہ تک من وعن یاد رکھنا حیرت انگیز کرامت نہیں تو اور کیا ہے؟

علوم وفنون میں آپ کا مقام

آپ علوم وفنون میں کس مرتبہ پر فائز تھے؟ اس کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی علوم وفنون پر مجتہدانہ نظر ہو، ساتھ ہی ساتھ وہ لوگ حضرت کی تالیفات وامالی پر بھی نظر رکھتے ہوں، اسی طرح اعتراف معاصرین کے تحت جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے بھی آپ کے علم وفضل کا تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے، یہاں پر ہم خود علامہ کشمیریؒ کی چند ایسی باتیں پیش کریں گے جن سے موصوف کے فضل وکمال کا اندازہ ہوجائے گا، ان باتوں کو لانے سے پہلے ہم اتنی بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ علماء ربانیین خودستائی سے کوسوں دور ہوتے ہیں، وہ لوگ حتی الامکان اپنے کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، علامہ تو خمول پسندی میں کافی آگے تھے، چنانچہ شہرت وناموری سے بچنے کے لئے آپ نے تصنیف و

تالیف کو اختیار نہیں کیا، آپ نے جو چند رسائل تصنیف کیے وہ یا تو دوسروں کے غیر معمولی اصرار سے مجبور ہو کر یا بے انتہا ضرورت دیکھ کر، غرضیکہ خودستائی علماء کا شیوہ نہیں، لیکن علماء گاہے بگاہے تحدیث نعمت کے طور پر یا اہل زمانہ کی ناقدری کا شکوہ کرتے ہوئے ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جس کو لوگ خودستائی کہتے ہیں، حالانکہ حاشا وکلا ان کے دلوں میں عجب وخودستائی کا شائبہ بھی نہیں ہوتا، علامہ کے مندرجہ ذیل جملے بھی اسی طرح کے ہیں۔

''میں عقلیات میں کسی کی تقلید نہیں کرتا، بلکہ فقہ کے علاوہ کسی علم میں تقلید نہیں کرتا، فقہ کے اندر فقہاء کی بات نقل کر دینے کے علاوہ میرا کوئی کام نہیں ہے کیونکہ وہ دشوار ترین علم ہے، لیکن میں فقہ کے اندر بھی ان لوگوں کی تقلید نہیں کرتا جو صرف ''بہ یفتیٰ'' دیکھ کر (بلا تحقیق) پیروی کر لیتے ہیں، کیونکہ بسا اوقات دونوں پہلوؤں پر فتویٰ ہوتا ہے، لیکن قلت نظر کی بنا پر انھیں دوسرے پہلو کا علم نہیں ہوتا، ایسے مواقع پر میں احادیث اور دوسرے ائمہ کے اقوال کو پیش نظر رکھتا ہوں، جس کسی مسئلہ میں امام صاحب کی متعدد روایتیں ہوں، اور ان میں سے ایک روایت کی تائید احادیث یا دوسرے ائمہ کے اقوال سے ہو تو وہی روایت میرے نزدیک زیادہ راجح ہوتی ہے۔

فنون عقلیہ کو میں ابن سینا سے زیادہ جانتا ہوں، کیونکہ عقلیات میں اسے صرف ارسطو کے مذہب کا علم تھا، بلکہ اس کا بھی

ٹھیک سے علم نہیں تھا، کیونکہ وہ ارسطو کا مذہب صرف ایک شاگرد سے نقل کرتا ہے، حالانکہ ارسطو کے شاگرد بہت سارے ہیں، اور ارسطو کا مذہب نقل کرنے میں ان میں آپس میں اختلاف ہے، بعض شاگرد کہتے ہیں کہ وہ دنیا کو فانی مانتا تھا اور بعض نے کہا کہ قدیم مانتا تھا۔''

(حاشیہ فیض الباری ۲/ ۱۶۵)

''میرے نزدیک فقہ سے مشکل کوئی فن نہیں ہے، حتی کہ میں تمام فنون میں رائے اور تجربہ والا ہوں، جو چاہوں فیصلہ کرتا ہوں، اور ان لوگوں کے اقوال میں سے جو قول چاہوں منتخب کر لیتا ہوں، کسی کی تقلید کا محتاج نہیں ہوں، لیکن فقہ میں نرا مقلد ہوں، روایت کرنے کے سوا اس میں میری کوئی ذاتی رائے نہیں ہے، اسی لئے میرے لئے فتویٰ دینا مشکل پڑ جاتا ہے، کیونکہ لوگوں کے علم میں اس مسئلہ میں صرف ایک قول ہوتا ہے، اور میرے پاس امام صاحب یا مشائخ کے بہت سے اقوال ہوتے ہیں اور صحیح اقوال ہوتے ہیں، اور صحیح قول کی تعیین میں اختلاف ہوتا ہے، خود میں اصحاب ترجیح میں سے نہیں ہوں (کہ ایک قول کو ترجیح دے سکوں) ایسے مواقع میں اس قول پر فتویٰ دیتا ہوں جو ائمہ کے اقوال، سلف کے آثار و احادیث سے قریب تر ہوتا ہے۔''

قرآن کا معجزہ ہونا ایک قطعی بات ہے، قرآن کے متعدد بار چیلنج کرنے

کے باوجود اب تک کوئی اس کی نظیر پیش نہیں کر سکا، مگر اعجاز کے وجوہ کیا ہیں؟ اس بارے میں کافی اختلاف ہے، جمہور کی رائے یہ ہے کہ قرآن اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے معجزہ ہے، لیکن علی وجہ البصیرت قرآن کی فصاحت و بلاغت کو جاننے والے امت میں معدودے چند گزرے ہیں، حتی کہ یہ مقولہ مشہور ہو گیا ''قرآن کے اعجاز کو صرف دو لنگڑے جان سکے، اول دلائل الاعجاز کے مصنف شیخ عبدالقاہر جرجانی، دوم تفسیر کشاف کے مصنف علامہ جاراللہ زمخشری، علامہ انور شاہ کشمیری نے تحدیث نعمت کے طور پر اس مقولہ میں اضافہ کیا:

''قرآن کے اعجاز کو صرف دو لنگڑے جان سکے، ایک زمخشر کا، دوسرا جرجان کا، اور پھر باری تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں تیسرا شخص ہوں۔''

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے تھے:

بلاغت کو پرکھنے کے لئے اللہ جل مجدہ نے میرے دل میں ایک کسوٹی رکھی ہے، اس میں کسی کا مقلد نہیں ہوں، اور مجھے اس میں بصیرت دی ہے، جس کے ذریعہ بلاغت کے مراتب جان لیتا ہوں۔

آپ فرماتے تھے:

قرآن کی عبارت کا اعجاز میرے نزدیک جانب مشرق سے سورج نکلنے سے زیادہ واضح ہے، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، سورج کا نکلنا کبھی کبھی مشتبہ ہو جاتا ہے، افق میں اس کی ٹکیا دکھائی

پڑتی ہے، حالانکہ وہ ٹکیا کا عکس ہوتا ہے، چنانچہ جدید فلسفہ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سورج کی ٹکیا اپنے حقیقی افق سے نکلنے سے چند منٹ پہلے دکھائی پڑ جاتی ہے، مگر قرآن کے اعجاز میں معمولی شک وشبہ کی گنجائش بھی نہیں ہے۔

مولانا یوسف بنوری صاحب مدظلہ العالی (نور اللہ مرقدہ) نے یتیمۃ البیان کے اندر اعجاز قرآن کے متعلق علامہ کشمیریؒ کی جن تحقیقات وافکار کو نقل کیا ہے ان کا مطالعہ کر کے اور تحیۃ الاسلام اور عقیدۃ الاسلام کے بلند پایہ مضامین کا مطالعہ کر کے اس بات پر یقین کرنا پڑتا ہے کہ بلاغت علامہ کے رگ وریشہ میں حلول کر چکی تھی، اور موصوف کو علوم بلاغت میں مجتہدانہ مقام حاصل تھا۔

تنقید وتبصرہ

تنقید وتبصرہ، تحقیق سے آگے کی چیز ہے، تحقیق کے بغیر تنقید وتبصرہ کرنا تنقیص اور سر پھٹول ہے، اچھے نقادوں کی تعداد اچھے محققین سے بہت کم ہے، کیونکہ تنقید کی حدود وقیود کا لحاظ رکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے، نقاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اچھے درجہ کا محقق ہونے ساتھ ساتھ باریک بیں اور زیرک ہو، ذاتی اغراض ومقاصد کے لئے تنقید نہ کرے، بلکہ کوئی صالح مقصد اس کو تنقید پر آمادہ کرنے والا ہو، آج کے دور کو تنقید بلکہ تنقیص کا دور کہنا چاہئے، ہر کس وناکس جس کے پاس زبان یا قلم ہے تنقید پر تلا ہوا ہے، اخبار ورسائل ایک دوسرے کے خلاف کیچڑ اچھالنے کا ذریعہ بن گئے ہیں، خدا اور رسول، صحابہ و

تابعین، فقہاء ومحدثین، علماء وصوفیاء غرضیکہ کوئی طبقہ نام نہاد نقادوں کی تنقیص سے محفوظ نہیں رہا، نااہلوں نے اس عظیم ترین فن کو اپنی اغراض کے لئے استعمال کر کے اس قدر بدنام کر دیا کہ تنقید کا لفظ سنتے ہی ایک گھناونا تصور اور ہنگامۂ بدتمیزی ذہن میں آتا ہے۔

تنقید وتبصرہ اگر ضرورت سے ہو تو بری چیز نہیں ہے، بلکہ ایک اعلیٰ ترین چیز ہے، فن جرح و تعدیل تنقید سے بھرا پڑا ہے، اگر تنقید کو روا بلکہ ضروری سمجھ کر محدثین فن جرح وتعدیل مدون نہ کرتے تو علم حدیث کا جو حشر ہوتا وہ عیاں ہے، بعد کے علماء نے بھی کتابوں اور شخصیات پر تنقید وتبصرہ کر کے ہر ایک کے مرتبۂ ومقام کو متعین کیا، لیکن پہلے تنقید وتبصرہ کا اتنی کثرت سے بے جا استعمال نہیں تھا، عام طور پر اہلیت والے افراد ہی صحیح مقاصد کے لئے اس فریضہ کو انجام دیتے، نقادوں کو ایک بڑا مقام حاصل ہوتا، تنقید کرنے والا ایسا شخص ہوا کرتا تھا، جو بے لاگ محقق وسیع النظر عالم، علوم وفنون پر گہری نظر والا ہوتا۔

علامہ کشمیریؒ نے دوران درس کتابوں اور شخصیات پر جو تبصرے کئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اعلیٰ درجہ کے نقاد بھی تھے، آپ نے کتابوں، شخصیات، علوم وفنون کا بہت دقت نظر سے مطالعہ کیا تھا، افراد وشخصیات کے بارے میں آپ کے تبصرے بہت جچے تلے ہیں، افراط وتفریط کا نام ونشان نہیں ہے، نظر غائر کے بعد ہر شخص کو علامہ کے تبصروں سے متفق ہونا پڑتا ہے، اس موضوع پر تفصیلی مقالہ لکھ رہا ہوں، ۶-۷ قسطیں رسالہ دار العلوم میں شائع ہو چکی

ہیں، خدا کرے یہ مقالہ پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔

سر دست یہاں بطور نمونہ علامہ کشمیریؒ کے چند تبصروں کو بعینہٖ نقل کرتا ہوں جس سے قارئین کو تنقید وتبصرہ میں علامہ کی دسترس کا اندازہ ہو جائے گا، علامہ کشمیریؒ کے تبصروں کو نقل کرنے سے پہلے میں علامہ محدث علی حنبلی مصری کے ان تعریفی کلمات کو پھر نقل کرتا ہوں:

میں نے شاہ صاحب کے علاوہ اس درجہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا جو امام بخاری، حافظ ابن حجر، علامہ ابن تیمیہ، ابن حزم، شوکانی وغیرہ کے نظریات پر تنقیدی نظر ومحاکمہ کر سکتا ہو، ان حضرات کی جلالت قدر کا پورا لحاظ رکھ کر بحث وتحقیق کا حق ادا کر سکے۔

(۱) شیخ تقی الدین ابن دقیق العید صاحب کشف وکرامات بزرگ، اصحاب طریقت میں سے ہیں، معتدل المزاج ہیں، مذہب کے بارے میں تعصب سے کام نہیں لیتے، اور انتہائی عدل وانصاف کے ساتھ کلام کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ بسا اوقات ایسا کچھ کہہ گذرتے ہیں جو حنفیہ کے لئے مفید ہوتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا بالقصد کر رہے ہیں، اس کے برخلاف علامہ ابن حجر اگر چہ حافظ حدیث ہیں، انتہائی متانت اور بیدار مغزی سے کلام کرتے ہیں، لیکن وہ یہ نہیں چاہتے کہ حنفیہ کو ان سے مکھی کے پر کے برابر بھی فائدہ ہو اور اگر کہیں فائدہ ہو گیا تو ایسا ان کے ارادہ کے بغیر ہوا۔

عدل وانصاف کے اندر احناف میں تقی الدین ابن دقیق العید کی طرح حافظ زیلعی ہیں، وہ بھی اصحاب طریقت میں سے ہیں، اور مجھ کو اصحاب طریقت سے اسی قسم کے عدل وانصاف کا تجربہ ہوا ہے، اور ہم ان حضرات سے اس سے زائد کی امید کرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے مخلص اور نیک بندے ہیں، شیخ ابن ہمام بھی اہل طریقت میں سے ہیں، منصف مزاج ہیں، مگر کبھی کبھی وہ اپنے مذہب کی حمایت میں تھوڑا سا اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں۔ (فیض الباری ۱/ ۱۰۷)

(۲) میرے نزدیک شیخ اکبر اس امت کے اکابر میں سے ہیں، علم اسرار وحقائق میں ان کا پایہ بہت بلند ہے، ابن تیمیہ بھی بلاشبہ دریائے ناپیدا کنار ہیں، لیکن اصول وفروع کے چند مسائل میں وہ جمہور امت سے الگ ہوگئے ہیں، حالانکہ حق جمہور کے ساتھ ہے، ابن تیمیہؒ کشف وکرامات کا انکار کرتے ہیں، لیکن اس کے مصداق کو مانتے ہیں، اور حدیث کی اتباع میں اس کو فراست مومن کہتے ہیں، منقول ہے کہ انھوں نے شام کے بادشاہ سے کہا: تاتاریوں سے جہاد کرنے نکلو! خدا تمہیں فتح نصیب کرے گا، بادشاہ کو اس میں تردد ہوا، تو آپ نے مجمع عام کے سامنے قسم کھا کر فتح کی پیشین گوئی کی، اور انشاء اللہ نہیں کہا، ان کے شاگرد ابن عبد الہادی نے انشاء اللہ کہنے کی تلقین تو آپ نے کہا: انشاء اللہ بات کو پختہ کرنے کے لئے ہے نا کہ

معلق کرنے کے لئے، حاصل کلام یہ کہ وہ بھی صاحب کشف و کرامات تھے، لیکن ان کی طبیعت میں تیزی اور شدت تھی، جس کی بنا پر اپنی تحقیق کو آسمان سے نازل شدہ وحی کی طرح سمجھتے، چاہے وہ خلاف واقعہ ہو، اور مخالف کی پرواہ نہ کرتے خواہ حق پر ہو۔

(حاشیہ فیض الباری ۲/۱۶۴)

(۳) جان لو کہ میرے نزدیک ابن نجیم شامی سے زیادہ تفقہ رکھنے والے ہیں، کیونکہ مجھے ان کے اندر تفقہ کی علامتیں نظر آتی ہیں، اور علامہ شامی شاہ عبدالعزیزؒ کے معاصر ہیں، اور میرے نزدیک شاہ صاحب بھی علامہ شامی سے زیادہ تفقہ رکھنے والے ہیں، اسی طرح میرے نزدیک ہمارے شیخ المشائخ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی علامہ شامی سے زیادہ تفقہ رکھنے والے ہیں۔ (فیض الباری ۲/ ۲۴۱)

(۴) جان لو کہ واقدی پر بہت کلام کیا گیا ہے، حالانکہ ان کا معاملہ میرے نزدیک صرف اتنا ہے کہ وہ رطب و یابس، صحیح اور سقیم سب کو جمع کر دیتے ہیں، لیکن وہ کذاب نہیں ہیں، امام احمدؒ سے متقدم ہیں، اور عمر میں بھی ان سے زیادہ ہیں، لیکن صحیح تلامذہ کے فقدان اور حامیوں کی قلت کی وجہ سے ان کا علم ضائع ہو گیا، اور ہر کس و ناکس نے ان پر کلام کرنا شروع کر دیا، اور جہاں تک دارقطنی کا تعلق ہے تو اگرچہ انھوں نے بھی ہر طرح کی روایتیں ذکر کی ہیں، لیکن شافعی

المسلک ہونے کی وجہ سے ان کے حامی بہت ہو گئے ،جس کے نتیجہ میں انھیں خوب خوب شہرت ملی،اور واقدی یوں ہی مجروح رہ گئے،کسی نے ان کا دفاع نہیں کیا،میرے نزدیک واقدی کے معاملہ کی حقیقت بس یہی ہے ،اور جہاں تک ضعیف اور صحیح ہر طرح کی روایت کو جمع کرنے کا معاملہ ہے تو یہ ایسی چیز نہیں ہے جس میں وہ منفرد ہیں ، بلکہ ایسا تو دوسرے لوگوں نے بھی کیا ہے ،اور اس سلسلہ میں لوگوں کے اذواق مختلف ہوئے ہیں ، چنانچہ بعض لوگ اسی مذکورہ نہج پر چلتے ہیں،اور بعض صرف معتبر حدیثوں کو ہی لیا کرتے ہیں۔

(فیض الباری ۴/ ۱۲۶)

(۵) انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ''جرح وتعدیل'' کے باب میں تعصب جیسی برائی درآئی ہے ، چنانچہ علماء جرح وتعدیل اس کے ساتھ تو درگذر کا معاملہ کرتے ہیں جو ان کا ہم مسلک ہو، اور اس کا محاسبہ کرتے ہیں جو ان کے مسلک پر نہ ہو، جیسے کہ حافظ ذہبی کہ وہ حنابلہ کی تو رعایت کرتے ہیں،لیکن اشاعرہ کو معاف نہیں کرتے ہیں، اور جہاں تک حافظ ابن حجرؒ کا تعلق ہے تو وہ احناف سے کبھی چشم پوشی نہیں کرتے ہیں، جیسے حنفیت ہی ان کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ہے،ایسا گناہ کہ اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔ (فیض الباری ۳/ ۲۴۵)

(۶) حق بات یہ ہے کہ حافظ ابن حجر بلا شبہ اپنے فن کے حافظ

ہیں، لیکن سببیت طبعیہ فلسفہ میں کیا چیز ہے، قدرت سے اس کا کیا جوڑ ہے؟ قدرت کے ساتھ اس کا جمع ہونا ممکن ہے یا نہیں؟ ان باتوں کو حافظ نہیں جانتے، مجھے ان کی کسی تصنیف سے یہ بات معلوم نہ ہوسکی کہ ان کو فلسفہ میں مہارت حاصل تھی، ابن تیمیہؒ بھی اسی طرح ہیں، فلسفہ میں ان کا مطالعہ اگرچہ وسیع ہے لیکن ان کا کلام بھی منتشر ہے، ماہر فن کی طرح نہیں ہے۔ (فیض الباری ۴/۳۷۰)

(۷) اصحاب طبقات نے صراحت کی ہے کہ ابن جوزی انتہائی جلد بازی سے کام لیتے ہیں، جس کی وجہ سے بکثرت غلطیاں کرتے ہیں، میں نے ان کے اندر ایک مصیبت یہ بھی دیکھی ہے کہ جب بھی کوئی حدیث عقل یا ان کی فکر کے خلاف ہوتی ہے، تو اس کی صحت کے باوجود وہ اس کو رد کردیتے ہیں۔

سیوطی نے ''اللآلی المصنوعة'' میں اس کی صراحت کی ہے کہ ابن جوزی وضع حدیث کا حکم لگانے کے معاملہ میں ذرا غلو سے کام لیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنی شدت میں مشہور ہوگئے، جیسا کہ حاکم، احادیث کی تصحیح میں تساہل سے کام لینے میں مشہور ہوگئے، اسی وجہ سے محدثین ابن جوزی کے جرح کرنے اور حاکم کے تعدیل کرنے کی پرواہ صرف انہی چیزوں میں کرتے ہیں جو ان کے نزدیک پہلے سے ثابت ہوگئی ہو۔ (فیض الباری ۴/۷۶)

(۸) فتاویٰ عالمگیری کے باب الحظر والاباحۃ میں بہت سارے مسائل میں غلطیاں واقع ہوگئی ہیں، ہاں معاملات کے بارے میں اس کے مسائل معتبر ہیں۔ (فیض الباری ۳/ ۱۵۷)

(۹) علامہ نووی نے حنفیہ کے مذہب کی تحقیق نہیں کی، انھوں نے تقریباً سو مسائل میں ہمارا مذہب نقل کرنے میں غلطی کی ہے، اس کے برخلاف ابن حجر کو حنفیہ کے مذہب کی تحقیق ہے، مجھے مذہب نقل کرنے میں صرف کتاب الزکوۃ کے ایک مسئلہ میں ان کی غلطی یاد ہے۔ (فیض الباری ۳/ ۷۷)

(۱۰) قیام دارالعلوم کے زمانہ میں مولانا عبید اللہ سندھی شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتابیں زیادہ دیکھا کرتے تھے، ایک بار شاہ صاحب نے پوچھا کہ آپ شیخ اکبر کی کتابیں بھی دیکھتے ہیں یا نہیں؟ کہا نہیں! تو آپ نے فرمایا تھا: ان کو بھی دیکھئے، یہ چھوٹے چھوٹے دریا ہیں اور وہ سمندر ہیں۔

علامہ کشمیری اور علم حدیث

علامہ کشمیری کی اگرچہ ہر فن پر مجتہدانہ نظر تھی، لیکن فن حدیث سے آپ کو ایک خصوصی لگاؤ تھا، عمر کا بیشتر حصہ اسی فن کی خدمت کرتے ہوئے گزرا، زیادہ تر آپ نے بخاری و ترمذی کا درس دیا، آپ کے درس کی متعدد خصوصیات ہیں، جن کو آپ کے تلامذہ نے تحریر کیا ہے، یہاں پر ان کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا، لہٰذا

ان خصوصیات سے پہلوتہی کرتے ہوئے ہم چند اہم باتیں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) حضرت شاہ صاحب پوری بخاری کے گویا حافظ تھے، تیرہ مرتبہ بخاری کا ہر ہر لفظ پر غور کرتے ہوئے مطالعہ کیا، امام بخاری ایک حدیث کو کن کن جگہوں میں لائے ہیں، اور ان میں کیا کیا کمی زیادتی ہے، سب آپ کو محفوظ تھی، درس میں معمول بن گیا تھا کہ پہلے موقعہ پر تمام طرق ذکر کرتے، اور پوری حدیث پر تقریر فرمادیتے، بعد میں جب وہی حدیث آتی تو تنبیہ کردیتے کہ فلاں جگہ اس حدیث پر بول چکا ہوں، شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے فرمایا کہ ایک مشہور اہل حدیث عالم سے حضرت شاہ صاحب کا مناظرہ ہوا، غالباً گلاوٹھی ہی کا واقعہ ہے، حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور دیگر اکابرین جمع تھے، حضرت شاہ صاحب نے اہل حدیث عالم سے فرمایا کہ آپ کو محدث ہونے کا دعویٰ ہے، صحیح بخاری کی وہ طویل حدیث جس میں ہرقل و ابوسفیان کا مکالمہ مذکور ہے جتنے طرق سے امام بخاری نے نقل کی ہے، سنادیجئے؟ وہ بیچارے سنا نہ سکے، اور کہنے لگے کہ آپ ہی سنادیں! تو شاہ صاحب نے پوری حدیث سنادی...... حتی کہ نصف پارہ تک سنادیا، وہ صاحب کہنے لگے کہ بس کافی ہے، فتح الباری کے بھی گویا حافظ تھے، ایک ایک حدیث پر حافظ نے جن جن جگہوں میں جو جو کلام کیا ہے سب آپ کو مستحضر تھا، سب پر تبصرہ کرتے اور موقعہ پر اس کو نقل کرتے۔

(۲) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ (رحمہ اللہ) نے لکھا ہے:

حضرت شاہ کا انداز تدریس درحقیقت دنیائے درس وتدریس میں ایک

انقلاب کا باعث ہوا، اولاً آپ کے درس حدیث میں رنگ تحدیث غالب تھا، فقہ حنفی کی خدمت، تائید وترجیح بلاشبہ ان کی زندگی تھی، لیکن رنگ محدثانہ تھا، فقہی مسائل پر بہت کافی اور سیر حاصل بحث فرماتے، لیکن انداز بیان سے یہ کبھی محسوس نہیں ہوتا کہ آپ حدیث کو فقہی مسائل کے تابع کر رہے ہیں، اور کھینچ تان کر حدیث کو فقہ حنفی کی تائید میں لانا چاہتے ہیں، بلکہ یہ امر صاف واضح ہوتا تھا کہ آپ فقہ کو بحکم حدیث قبول کر رہے ہیں، بالفاظ دیگر (آپ کی تقریر سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ) گویا حدیث کا سارا ذخیرہ فقہ حنفی کو اپنے اندر سے نکال نکال کر پیش کر رہا ہے، اور اسے پیدا کرنے کے لئے نمودار ہوا ہے۔

آپ کے اس انداز تدریس کی وجہ سے حنفیت نکھر کر آئینہ ہوگئی، حنفیت کے چہرے پر جو گرد وغبار اٹ رہا تھا وہ صاف ہوگیا، دنیا پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ فقہ حنفی ذاتی آراء کا مجموعہ نہیں، بلکہ قرآن وحدیث کا عطر اور نچوڑ ہے، نیز اہل حدیث کرم فرماؤں نے فقہ حنفی پر جو الزام تراشیاں جاری کر رکھی تھیں، ان کا بخوبی دفعیہ ہوگیا۔

(۳) دوران درس آپ کی زیادہ توجہ اس طرف ہوتی کہ قواعد عربیت وبلاغت کے اعتبار سے حدیث کی مراد واضح ہوجائے، حدیث کی مراد کو آپ علمی اصطلاحات کے تابع نہیں کرتے، کیونکہ یہ اصطلاحات بعد کی پیداوار ہیں، اور حدیث نبوی رتبہ کے اعتبار سے بھی ان اصطلاحات پر مقدم ہے، لہٰذا حدیث کو اصطلاح کے تابع قرار دینا بے ادبی ہے۔

(۴) علامہ کا درس حدیث زیر تدریس کتابوں کے مضامین پر محدود نہیں رہتا، بلکہ حدیث پر فنی کلام کرنے کے ساتھ ساتھ موصوف ادنیٰ مناسبت سے تفسیر، اصول تفسیر، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، ہیئت اور دیگر فنون کے اہم مسائل پر تشفی بخش بحث کرتے، اور کوشش کرتے کہ طالب علم نے ۹-۱۰ سال کے دوران جن فنون کو پڑھا ہے آخر میں اس کے سامنے ان کا نچوڑ آجائے، آپ کے درس میں الفاظ کم ہوتے معانی زیادہ، جس کی وجہ سے اعلیٰ ذہن ودماغ والے وسیع المطالعہ، نکتہ رس افراد ہی کما حقہ آپ کا سبق سمجھتے، محض لفاظی سے آپ کو بہت نفرت تھی۔

تالیفات واِمالی

علامہ کشمیریؒ خمول وگمنامی کو پسند کرتے تھے، اس لئے تصنیف وتالیف جیسے شہرت دینے والے کام کی طرف ان کا طبعی میلان نہ تھا، بقول قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کو دار العلوم میں روکنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آنجناب سے بخاری وترمذی کی شرح لکھوائی جائے، لیکن موصوف اس تشہیر والے کام پر اپنے کو آمادہ نہ کرسکے، آپ کی وسعت مطالعہ، قوت حافظہ، ضبط واتقان، تبحر علمی اور نکتہ رسی سے امید بلکہ یقین تھا کہ جس موضوع پر قلم اٹھائیں گے تحقیق وتدقیق کا حق ادا کردیں گے، کاش آپ اس طرف توجہ دیتے تو آپ کی وقیع تصانیف طحاوی، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن حجر، ذہبی، ابن ھمام، ابن عبد البر، ابن رشد، ابن قدامہ سے کم درجہ کی نہ ہوتیں، لیکن افسوس کہ موصوف اپنی مخصوص افتاد طبع کی بنا پر

اس طرف توجہ نہ دے سکے، شاگردوں اور قدردانوں کے پیہم اصرار کی بنا پر چند رسالے تصنیف کئے، ہاں قادیانیت کے رد میں چند رسائل اپنی طبیعت سے لکھے، آپ کے رسائل اگرچہ حجم میں مختصر ہیں، لیکن اپنے اپنے موضوع پر حرف آخر ہیں، موصوف کے رسائل سے مکمل استفادہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جو متعلقہ موضوع کے تمام ذخائر کا مطالعہ کر چکے ہوں، بے انتہا ایجاز واختصار کی وجہ سے ان کا سمجھنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں، حضرت علامہ عثمانیؒ فرماتے تھے: ''حضرت شاہ صاحب کی کتاب ''کشف الستر عن صلاۃ الوتر '' کی قدر اسی وقت ہوئی کہ اس مسئلہ پر جتنا ذخیرہ حدیث مل سکا سب ہی کا مطالعہ کر چکا، پھر رسالہ مذکورہ کو اول سے آخر تک بار بار پڑھا، تب اندازہ ہوا کہ حضرت نے کن کن حدیثی مشکلات کو حل فرمایا ہے، آپ نے اپنے رسائل میں زیادہ تر حوالہ جات پر اکتفا کیا ہے، اگر ان حوالوں کی تحقیق کر کے رسائل کو نئے انداز سے ایڈٹ کیا جائے تو ہر رسالہ کی ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے گی۔

آپ کا آخر تک معمول رہا کہ اسلامی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کی نادر باتیں اپنی یادداشتوں میں محفوظ کر لیتے، اس طرح دو تین بکس یادداشتوں سے بھر گئے تھے، اگر وہ یادداشتیں محفوظ رہتیں تو ان کی مدد سے سیکڑوں بلند پایہ کتابیں تیار ہو سکتی تھیں، لیکن امت مسلمہ کی بدقسمتی سے وہ سارا ذخیرہ حوادث کی نذر ہو گیا، اور امت آپ کے علوم سے محروم رہ گئی۔

آپ کی درسی تقریروں کے قلم بند کرنے کی بہت سارے شاگردوں نے

کوشش کی لیکن اس مقصد میں بہت کم لوگ کامیاب ہو سکے، کیونکہ بلا وسعت معلومات کے ان تقریروں کا سمجھنا دشوار تھا، نوٹ کرنا تو بعد کی چیز ہے، اس کے علاوہ نوٹ کرنے والوں نے عام طور پر اس بات کی کوشش کی کہ تقریر عربی کے اندر نقل کریں، اس فکر تعریب میں اکثر باتیں نقل ہونے سے رہ گئیں، بات سمجھنے میں فرق پڑ گیا، حوالہ جات نقل کرنے میں غلطیاں ہوگئیں، اس پر طرہ یہ ہوا کہ شائع کرنے والوں نے ایڈٹ کئے بغیر شائع کردی، جس کی وجہ سے غلطیاں اپنی جگہ پر موجود رہیں، ''العرف الشذی'' کا تو تذکرہ ہی بیکار ہے، حد تو یہ ہے کہ ''فیض الباری'' میں بھی بکثرت غلطیاں ہیں، کاش کوئی باہمت عالم یکسو ہو کر ان امالی کو ایڈٹ کرے اور امت کی طرف سے اس فرض کفایہ کو ادا کرے، نقائص کے باوجود ان امالی میں علامہ کشمیریؒ کے علوم کی ہلکی سی جھلک دکھائی پڑتی ہے، نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے، (مالا یدرک کله لا یترک کله)۔

آپ کی تصانیف کچھ اس طرح ہیں:

(۱) مشکلات القرآن، (۲) فیض الباری (دروس بخاری، مرتبہ مولانا بدر عالم میرٹھیؒ)، (۳) عرف الشذی (دروس ترمذی، مرتبہ مولانا چراغ محمد)، (۴) معارف السنن شرح ترمذی (مولانا یوسف بنوری صاحب نے شاہ صاحب کے دروس کو خاصے اضافوں کے ساتھ مرتب کیا ہے)، (۵) انوار المحمود (ابوداود کے دروس) (۶) حاشیہ آثار السنن، (۷) فصل الخطاب فی مسألة أم الکتاب، (۸) خاتمة الکتاب فی

فاتحة الكتاب،(۹)عقيدة الاسلام فی حياة عيسیٰ عليه السلام (حياة المسيح بمتن القرآن و الحديث الصحيح) ،(۱۰) تحية الاسلام فی حياة عيسیٰ عليه الصلاة و السلام، (۱۱) اكفار الملحدين فی ضروريات الدين، (۱۲) التصريح بما تواتر فی نزول المسيح ، (۱۳) نيل الفرقدين فی مسألة رفع اليدين، (۱۴)بسط اليدين، (۱۵)كشف الستر عن صلاة الوتر، (۱۶) ضرب الخاتم علی حدوث العالم (اثبات وجود باری اور حدوث عالم کے مسائل ودلائل پر مشتمل ۴۰۰ اشعار)،(۱۷)مرقاة الطارم لحدوث العالم (ضرب الخاتم کا تکملہ)،(۱۸)سهم الغيب فی كبد أهل الريب، (۱۹)كتاب فی الذب عن قرة العينين (شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا رسالہ:قرة العينين فی تفضيل الشيخين کے رد میں ایک شیعہ عالم نے ایک رسالہ لکھا تھا، یہ کتاب اس کا جواب ہے، جو دہلی کے زمانہ قیام میں تحریر فرمایا)(۲۰)خاتم النبيين (عربی)،(۲۱)دعوت حفظ ایمان (۴صفحات کا ردقادیانیت پر ایک کتابچہ جسے مرض الوفات میں اپنے قلم سے تحریر فرمایا تھا)،(۲۲)النور الفائض (میراث کے مسائل و دلائل پر ۱۹۲ اشعار کا ایک رسالہ جو ۱۳۵۶ھ میں مرادآباد سے شائع ہوا تھا)،(۲۳)خزائن الأسرار (عملیات پر مشتمل عربی کتاب جو مجلس علمی سے شائع ہوئی تھی،اس کا اردو ترجمہ مولانا مظفر الحسن مونگیری نے کیا تھا جس کے متعدد ایڈیشن طبع ہوئے)۔(نقش دوام ۲۹۴ تا ۳۳۲)

مستفیدین وتلامذہ

علامہ سے استفادہ کرنے والوں کی فہرست لمبی چوڑی ہے، آپ کے معاصر علماء ومشائخ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے آپ سے استفادہ نہ کیا ہو، آپ کے ہم عصر علماء الجھے ہوئے مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے اور علوم وفنون کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے آپ کے پاس حاضر ہوتے اور خط وکتابت کے ذریعہ معلومات حاصل کرتے، آپ سے استفادہ کرنے والوں میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا مدنیؒ، ڈاکٹر اقبالؒ، علامہ محدث علی حنبلی مصریؒ وغیرہ، جیسے چوٹی کے اہل علم شامل ہیں۔

آپ کے شاگرد بھی ہزاروں کی تعداد میں ہوئے، شاگردوں میں ایک اچھی خاصی تعداد ایسے افراد کی ہے جو آگے چل کر آسمان علم وفضل کے آفتاب و ماہتاب بنے، آپ کے کسی ایک شاگرد کو آپ کا مکمل جانشین کہنا مشکل ہے، لیکن چند چوٹی کے شاگرد مل کر نیابت کا حق ادا کر رہے ہیں، اگر درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے تو اصحاب بصیرت علامہ کشمیری کے تلامذہ کو دیکھ کر بہت کچھ ان کے علم وفضل کا اندازہ لگا سکتے ہیں، انصاف پرست مورخ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ لکھتے وقت لکھے گا کہ علامہ کشمیریؒ کا دور دارالعلوم کے تعلیمی شباب کا دور تھا، آپ کی کنارہ کشی کی وجہ سے جو علمی خلا پیدا ہو گیا تھا، وہ آخر تک پر نہ ہو سکا، اور علامہ کے دور تک جس قسم کے فضلاء دارالعلوم سے نکلتے تھے آپ کے بعد ان کا

سلسلہ بند ہو گیا، موصوف کے چند ممتاز تلامذہ یہ ہیں:

(۱) مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ، سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند (۲) شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ (۳) مولانا محمد شفیع صاحب دیو بندیؒ (۴) مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ (۵) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، (۶) مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری (۷) مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم دیو بند (۸) مولانا محمد بدر عالم صاحب میرٹھیؒ (۹) مولانا محمد انوری صاحب مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام لائلپور (۱۰) شیخ طریقت حضرت مولانا وصی اللہ صاحب اعظمیؒ (۱۱) مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ (۱۲) مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحبؒ (۱۳) مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی ناظم اعلیٰ ندوۃ المصنفین (۱۴) مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی صاحبؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء (۱۵) مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ (۱۶) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی (۱۷) مولانا مناظر احسن گیلانی (۱۸) مولانا سعید احمد اکبر آبادی (۱۹) مولانا حمید الدین صاحب فیض آبادی (۲۰) مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن صاحب علوی سابق پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی (۲۱) مولانا قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی پروفیسر دینیات جامعہ ملیہ (۲۲) مولانا سید احمد رضا بجنوری صاحبؒ (۲۳) مولانا حامد الانصاری غازی (۲۴) مولانا محمد صدیق صاحب نجیب آبادی، مولف انوار المحمود (۲۵) مولانا عبد العزیز صاحب کاملپوری (۲۶) قطب وقت حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ

(۲۷) مولانا احسان اللہ خان تاجور نجیب آبادی (۲۸) مولانا آل حسن صاحب دیوبندی (۲۹) مولانا محمد ایوب اعظمی شیخ الحدیث جامعہ ڈابھیل (۳۰) مولانا محمد چراغ صاحب مولف العرف الشذی (۳۱) مولانا غلام اللہ خاں مفسر قرآن (۳۲) مولانا شائق احمد عثمانی اڈیٹر عصر جدید کلکتہ (۳۳) مولانا اختر حسین صاحب ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند (۳۴) مولانا قاری اصغر علی صاحب مرحوم سابق مدرس دارالعلوم (۳۵) مولانا افتخار علی صاحب میرٹھی (۳۶) مولانا محمد طاہر قاسمیؒ (برادر اصغر مولانا محمد طیب صاحب) (۳۷) مولانا محمد یوسف صاحب میر واعظ کشمیر (۳۸) مولانا میرک شاہ کشمیری۔

(الانور ۵۲۷تا۵۳۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس:۱

وأشهر المستخرجات للاسماعيلى وقد رأيت خطبته فى أعلىٰ ذروة الفصاحة و البلاغة ورأيت مقولة لرافضى قال : من أراد العربية كفى له القرآن وكتاب البخارى والهداية.

قلت: لاريب أنه حق، وعندى ابن الأثير وصاحب مقامات البديع من البلغاء ،وأما الحريرى فلا ، نقل أن مقاماته لما طارت الى الآفاق دعاه بعض الخلفاء العباسيين ، وأمره أن ينشا مضمونا وكان اذا كتب شئيا أو تكلم فى أمر نتف لحيته ، فلم يقدر عليه وانقلب خائبا فلما بلغ خبره الى بعض أدباء العصر قال: دعوه فانه رجل مقاماتى.

(مقدمہ فیض الباری ۱/ ۳۷)

مستخرجات میں مشہورترین کتاب اسماعیلی کی ہے، اس کا خطبہ فصاحت وبلاغت کے اعلی معیار پر ہے، میں نے ایک رافضی کا مقولہ دیکھا ہے کہ: جوعربی زبان میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہواس کے لیے قرآن پاک، بخاری، ہدایہ کافی ہیں۔

میرے نزدیک ابن اثیر اور بدیع الزماں ہمدانی بلیغوں میں سے ہیں، صاحب مقامات حریری بلیغ نہیں ہیں، حریری کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کی مقامات کا شہرہ ہوا تو ایک عباسی خلیفہ نے ان کو بلا کر مضمون لکھنے کا حکم دیا (حریری کا معمول تھا کہ جب وہ کچھ لکھتے یا بات کرتے تو داڑھی کے بال اکھاڑتے رہتے) تب یہ مضمون نہ لکھ سکے اور ناکام لوٹ آئے، جب اس بات کی خبر اس زمانہ کے ایک ادیب کو ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ اس شخص کا ذکر چھوڑو وہ تو ایک وقائع نگار ہے۔

☆☆☆☆☆

فن مستخرج

حدیث کی کتابوں کی بہت سی قسمیں ہیں، مثلاً جامع، مسند، معجم، سنن، اجزاء وغیرہ، انہی میں سے ایک قسم مستخرج بھی ہے حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے ''اللامع الدراری'' کے مقدمہ میں مستخرج کی تعریف اس طرح کی ہے:

> ''مستخرج وہ کتاب ہے جو کسی دوسری کتاب کی احادیث کو ثابت کرنے کے لئے لکھی گئی ہو''۔

مستخرج میں اصل کتاب کی ترتیب اور اس میں ذکر کردہ متون، طرق و اسانید کی رعایت ملحوظ رہتی ہے، اور مستخرج کی سند اصل کتاب کے مصنف کے شیخ یا شیخ کے شیخ یا اس سے اوپر پہونچتی ہے، یعنی اتنی بات ضروری ہے کہ سند میں

اصل کتاب کے مصنف کا واسطہ نہ آنے پائے۔

استخراج کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس مصنف کی روایت پر یہ جان کر وثوق و اعتماد بڑھ جاتا ہے کہ اس کی ذکر کردہ احادیث دوسرے طرق سے بھی ثابت ہیں۔(مقدمہ اللامع الدراری،ص۹۲،ط:ھند)

محدث اسماعیلی

شیخ الاسلام ابوبکر بن ابراہیم کی پیدائش ۲۷۷ھ میں ہوئی،آپ مسلکاً شافعی تھے،انھوں نے بہت ساری کتابیں تصنیف کیں ان میں سے چند یہ ہیں:
''معجم'' ''جامع'' ''مسند عمر''(دوجلدیں)''مستخرج الجامع الصحیح للبخاری''

ان کے شاگرد حمزہ سہمی فرماتے ہیں کہ میں نے بصرہ کے حافظ حدیث ابومحمد حسن بن علی کو یہ کہتے ہوئے سنا''شیخ ابوبکر کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود کوئی کتاب تصنیف کریں اور اپنی پسند کی احادیث جمع کریں اور اجتہاد کریں،کیونکہ وہ اپنی وسعت معلومات،دقت فہم،جلالت شان کی وجہ سے ایسا کر سکتے ہیں،ان کی عظمت شان کے لائق نہیں کہ وہ امام بخاری کی جامع صحیح میں مقید ہو کر رہ جائیں۔

امام حاکم فرماتے ہیں:''محدث اسماعیلی یگانہ روزگار،محدثین وفقہاء کے سرخیل تھے،اور مروت وسخاوت وقیادت میں سب سے بلند مرتبہ پر فائز تھے''،حمزہ سہمی فرماتے ہیں: ایک بار میں نے محدث اسماعیلی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: ''۲۸۳ھ میں جب کہ میری عمر صرف چھ سال تھی میں نے احمد بن خالد دامغانی کی

مجلس میں املاء لکھا (بچپنے کی وجہ سے) مجھے اب ان کی صورت بھی یاد نہیں ہے''، موصوف کا انتقال ۱۷۳ھ میں رجب کے مہینہ میں ہوا جب کہ ان کی عمر ۹۴ سال تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ،۲/ ۱۵۹ تا ۱۶۱،مطبوعہ: دائرۃ المعارف، حیدر آباد)

ہدایہ کی ادبی حیثیت

اس رافضی کا نام معلوم نہ ہوسکا لیکن اس کے مقولہ کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے، کیونکہ قرآن اور صحیح بخاری کی فصاحت و بلاغت محتاج بیان نہیں ہے، جہاں تک ہدایہ کا تعلق ہے تو اس کی فصاحت و بلاغت کا اندازہ آپ کو حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے حسب ذیل کلام سے لگ سکتا ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نصب الرایہ کے مقدمہ میں علامہ کشمیریؒ کا قول نقل کرتے ہیں ''بعض فاضل شیعہ کا یہ قول بالکل درست ہے کہ مسلمانوں میں عربی ادب کی کتابیں تین ہیں: قرآن، صحیح بخاری، ہدایہ'' پھر علامہ ہی کی زبانی اس مقولہ کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں ''انشاء پردازی میں مہارت اور ادب میں کمال اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ مشکل مسائل اور باریک بحثوں کو ادبی انداز میں بیان کرے، گلشن وگل، بادصبا اور نہروں کی روانی کا ادبی پیرایہ میں تذکرہ کرنا کوئی خاص بات نہیں ہے، کیونکہ اس میدان میں تو ہر شاعر اور نثر نگار گھوڑے دوڑاتا ہے۔

علامہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے بعض فضلاء نے پوچھا کہ کیا آپ فتح القدیر جیسی جامع اور دقیق کتاب لکھ سکتے ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں، پھر انھوں نے

پوچھا: ہدایہ جیسی؟ جواب دیا: ہدایہ جیسی چند سطریں نہیں لکھ سکتا"۔

(مقدمہ نصب الرایہ، ص: ۱۵)

ابن الاثیر الجزری

ابن الاثیر نام کی ایک ہی دور میں تین شخصیتیں گذری ہیں، تینوں حقیقی بھائی تھے اور سب کے سب علم وادب، فضل وکمال کے مالک تھے۔

(مفتاح السعادۃ، ۱/۱۷۹)

علامہ کشمیریؒ کی مراد غالباً "المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر" کے مصنف ہیں، کیونکہ ادیب کی حیثیت سے آپ کا شہرہ زیادہ ہے، آپ کا اسم گرامی نصر اللہ ہے، سلسلہ نسب یہ ہے: نصر اللہ بن ابی الکرم محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد الشیبانی، آپ کی پیدائش ۲۰ شعبان ۵۵۸ھ میں جزیرہ ابن عمر میں ہوئی اور وہیں پر آپ کی نشو ونما شروع ہوئی، پھر اپنے والد کے ہمراہ موصل چلے گئے اور وہاں قرآن اور بہت سی احادیث یاد کرنے کے بعد علم نحو ولغت وبیان و شعر پر توجہ صرف کی، پھر ملک ناصر صلاح الدین کے پاس آ گئے اور ایک مدت قیام کیا، اس کے بعد ملک ناصر کے صاحبزادے ملک افضل نور الدین نے اپنے باپ سے درخواست کر کے انھیں اپنے پاس بلا لیا اور موصوف خوش وخرم وہاں رہنے لگے، آپ کا انتقال ۶۳۷ھ میں بغداد کے اندر ہوا، آپ کی متعدد تصانیف ہیں، لیکن زندہ جاوید بنانے والی تصنیف "المثل السائر" ہے۔

(مفتاح السعادۃ، ۱/۱۷۸، ۱۷۹)

قاموس الأعلام کے مصنف کی دوغلطیاں

اس مقام پر صاحب قاموس الأعلام (زرکلی) سے دو چوک ہوگئی ہے جس پر متنبہ کرنا ضروری ہے، پہلی یہ کہ التاریخ الکامل کے مصنف اور النہایہ کے مصنف اور المثل السائر کے مصنف کو زرکلی بھی آپس میں بھائی مانتے ہیں، لیکن ان تینوں کا نام ونسب اس طرح بیان کرتے ہیں جس کی رو سے تینوں کے بھائی ہونے کی کوئی صورت نہیں بن پڑتی، زرکلی کے بیان کے مطابق تینوں کا نام ونسب یہ ہے:

ابن الاثیر المورخ علی بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد الشیبانی۔

(قاموس الأعلام، ۱۵۳/۵)

ابن الاثیر الکاتب محمد بن نصر اللہ بن محمد بن محمد بن عبدالکریم۔

(قاموس الأعلام، ۲۴۷/۷)

ابن الاثیر المحدث مبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم۔

(قاموس الأعلام، ۱۵۲/۶)

زرکلی نے اپنے حوالہ جات میں وفیات الأعیان لابن خلکان اور مفتاح السعادۃ کا بھی ذکر کیا ہے، ہم ان دونوں کتابوں سے صحیح نام ونسب درج کرتے ہیں:

ابن الاثیر المورخ علی بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الجزری۔

(مفتاح السعادۃ ۲۰۶/۱، وفیات الأعیان ۱ج/ص ۴۳۸)

ابن الاثیر الکاتب نصر اللہ بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الجزری۔

(مفتاح السعادۃ ا/ ۱۷۸، وفیات الأعیان ۲/ ج ۲۰۸)

ابن الاثیر المحدث مبارک بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الجزری۔

(مفتاح السعادۃ ا/ ۱۰۹، وفیات الأعیان ا/ ج ۴۳۸)

دوسری چوک یہ ہوئی کہ انھوں نے ابن الاثیر الکاتب کا سن پیدائش ۵۸۵ھ اور سن وفات ۶۲۲ھ لکھا ہے اور اس کے لئے بھی ابن خلکان کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ ابن خلکان اور مفتاح السعادۃ میں ان کا سن پیدائش ۵۵۸ھ بیان کیا گیا ہے، (مفتاح ۱/۱۷۹، ابن خلکان ۲/۲۱۲) اور سن وفات ۶۳۷ھ ہے۔

(مفتاح السعادۃ ۱/ ۱۷۹، ابن خلکان ۲/ ۲۱۲، کشف الظنون ۲/ ۲۲۲)

بدیع الزماں ہمدانی

بدیع الزماں ہمدانی کا نام احمد ہے، کنیت ابوالفضل اور لقب بدیع الزماں ہے، آپ کی پیدائش اور پرورش ہمدان میں ہوئی، انھوں نے عربی اور فارسی زبان میں علم حاصل کیا، اور ہمدان کے تمام ادیبوں کا علم سمیٹنے کے بعد صاحب ابن عباد کے پاس گئے اور ان سے علوم و معارف حاصل کئے، ۳۸۲ھ میں نیشاپور گئے، وہاں پر آپ کی شخصیت نکھری اور لوگوں میں آپ کی شہرت ہوئی، وہیں پر آپ نے چارسو مقامے لکھوائے، پھر آپ نے اپنے سے معمر اور مشہور ادیب ابوبکر خوارزمی کو قوت جوانی، زور بیان، جذبۂ شہرت کے بل بوتے پر میدان مناظرہ میں شکست دی، اور رئیسوں اور بادشاہوں کے یہاں آپ کی شہرت و عزت ہوئی، اس کے کچھ دنوں بعد ان کے مدمقابل خوارزمی کا انتقال ہوگیا جس کی وجہ سے

ان کے لئے میدان خالی ہوگیا، پھر فارس کے امراء کی درخواست پر اس علاقے میں جا کر ''ہرات'' میں قیام پذیر ہوئے اور وہاں ایک شریف ومتمول گھرانے میں شادی کر کے عیش وآرام کی زندگی گذارنے لگے، آخرکار ۳۹۸ھ میں وہیں پر آپ کا انتقال ہوا، موصوف بے نظیر حافظہ کے مالک تھے۔

بدیعی کی نثر و نظم

بدیعی کی شعر نما نثر دلوں پر حاوی ہو جاتی ہے اور شعور واحساس پر قبضہ کر لیتی ہے، ان کی نثر میں فن بدیع کا کافی دخل ہے، اس کے باوجود تکلف وابہام سے بالاتر فطری نثر ہے، ان کے کلام میں لفظوں کی متانت، معانی کی عمدگی، تخیل کی بلند پروازی اور باریکی سب موجود ہے، ان کا شعر بھی بلند پایہ ہوتا ہے لیکن نثر کے ہم پلہ نہیں ہے، ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کسی کی نظم اور نثر دونوں عمدہ اور اعلی ہوں۔ (تاریخ الادب العربی، ص۲۴۲ تالیف احمد حسن زیات)

حریری کے مختصر حالات

حریری کا اسم گرامی قاسم بن علی بن محمد بن عثمان ہے اور ابومحمد کنیت ہے، وہ بہت بڑے ادیب تھے، ان کی چند کتابیں یہ ہیں: المقامات الحریریہ، ملحۃ العرب، صدور زمان الفتور وفتور زمان الصدور (تاریخ)، توشیح البیان، دیوان ورسائل۔

حریری کی پیدائش بصرہ کے قریب مشان نامی گاؤں میں ہوئی اور وفات شہر بصرہ میں ہوئی، سن ولادت ۴۴۶ھ مطابق ۱۰۵۴ء، سن وفات ۵۱۶ھ مطابق

۱۱۲۲ء ہے۔

ان کو حریری اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ریشم بناتے تھے یا اس کی تجارت کرتے تھے (قاموس الأعلام، ۱۲/۶)، حریری پستہ قد، بدشکل، بخیل آدمی تھے، میلے کپڑے پہنے رہتے تھے اور غور وفکر کرتے وقت بکثرت داڑھی کے بال اکھاڑتے تھے، لیکن ان عیوب کے ساتھ اللہ تعالی نے انھیں ادب، خوش طبعی وظرافت، خوش اخلاقی، وسعت ظرفی، اعتراف حقیقت کی دولت سے مالامال کردیا تھا۔ (تاریخ الادب العربی، ۲۴۶)

بغداد میں ان کے بعض حاسدین نے الزام لگایا کہ مقامہ ان کا لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ ایک شخص جو حریری کے مہمان تھے اور ان کا حریری کے گھر انتقال ہو گیا تھا، ان کی تصنیف ہے، حریری کا امتحان لینے کے لئے لوگوں نے ان سے ایک دوسرا مقامہ لکھنے کی فرمائش کی، چنانچہ بغداد میں حریری نے چالیس رات مقامہ لکھنے کی کوشش کی، لیکن کاغذ سیاہ کرنے کے علاوہ ان سے کچھ نہیں بن پڑا، اس کے بعد بصرہ لوٹ کر آئے اور دس مقامے لکھ کر دوبارہ بغداد گئے تب لوگوں کو یقین آیا کہ یہ انھیں کی تصنیف ہے۔

(مفتاح السعادۃ ۱/۱۸۱، تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو ''حریری اور ان کی مقامات'')

حریری کی انشاء: حریری اور ان کی مقامات کے بارے میں نقادان سخن کے درمیان بہت زیادہ ردوقدح چلی آرہی ہے، ایک طرف مداحوں کا گروہ ہے،

جنہوں نے ان کی انشاء کو وحی اور الہام کی سرحدوں تک پہونچایا ہے اور حریری کے عیوب کو بھی محاسن میں شمار کیا ہے، دوسری طرف تنقیص میں غلو کرنے والے لوگ ہیں جو حریری کی ادبی اور علمی خوبیوں کو نظر انداز کر جاتے ہیں، ان حالات میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا تبصرہ شاید جانب داری پر محمول کیا جائے، اور درس نظامی کی ایک بنیادی کتاب پر شاہ صاحب کا یہ تبصرہ پڑھ کر شروع میں مجھ کو بھی یک گونہ حیرت ہوئی تھی، لیکن تمام گوشوں پر نگاہ ڈالنے کے بعد ہر انصاف پسند حضرت علامہ کشمیریؒ کی تائید کرے گا۔

حریری کا فن بدیع میں مقام مسلم ہے، یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انھوں نے مقامات کے اندر غریب و نایاب لغات اور امثال و پہیلیاں سب جمع کر دی ہیں، استعارہ، کنایہ، تشبیہ، وغیرہ کی بھر مار کر دی ہے لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود ان کی انشاء کی فصاحت و بلاغت محل نظر ہے، اور اس میں بڑی حد تک اس بات کا دخل ہے کہ حریری نے جہاں تک ہو سکا ہے اپنی تحریروں کو غرائب و نوادر، امثال و احاجی، صنائع بدیعیہ کا خزانہ بنانا چاہا ہے، اس میں خواہ وہ کتنے بھی کامیاب ہوں لیکن اس مقصد کی بنا پر وہ فن معانی و بیان کے اصولوں کی پابندی نہ کر سکے اور معانی پر ان کی توجہ برائے نام ہی رہی، ہم اگر تمام پہلوؤں سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف فصاحت و بلاغت کے نقطہ نظر سے حریری کی تحریرات کا مطالعہ کریں تو علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے سے اتفاق کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں، اس تمہید کے بعد آپ تسکین قلب کے لئے عربی ادب کے دو ماہرین کی

رائے ملاحظہ فرمائیں:

مقامات: احمد حسن زیات اور مولانا حمید الدین فراہی کی نظر میں

تاریخ الادب العربی کے مصنف احمد حسن زیات رقمطراز ہیں: حریری اس اسلوب بیان اور انشاء پردازی کے لئے راستہ ہموار کرنے والوں میں سے ہیں جس کے اندر فن بدیع مقصود ہوتا ہے اور صنعتوں نیز الفاظ پر زیادہ توجہ کی جاتی ہے، اس کے مقابلے میں معانی پر توجہ کم کی جاتی ہے، اس کے نتیجہ میں الفاظ کے درمیان معانی اس طرح بے نور اور مدھم ہو جاتے ہیں، جیسے ٹی بی زدہ دلہن کو قیمتی زیورات اور خوبصورت کپڑوں سے سنوار دیا گیا ہو۔

مقامات کا ایک عیب یہ ہے کہ اس کے ہر مقامہ کا حاصل ایک ہی ہے، دوسرا عیب یہ ہے کہ مصنف نے افراد کی تصویر کشی پر رومیوں اور یونانیوں کی طرح زور نہیں دیا ہے، تیسرا عیب یہ کہ انھوں نے اپنی پوری توجہ لفظوں کی نوک و پلک درست کرنے میں صرف کر دی ہے، جس کی وجہ سے اس میں اتنا تکلف آ گیا ہے کہ عرب بدوی کی طبیعت اس طرز نگارش سے اباء کرتی ہے۔

(تاریخ الادب العربی، ۲۴۶، ۲۴۷)

مولانا حمید الدین فراہی ''جمهرة البلاغة'' میں لکھتے ہیں:

گذشتہ مباحث سے اتنی بات واضح ہوگئی کہ لفظی صنعتیں معانی کے بعد کی

چیزیں ہیں، لہذا جو شخص فصاحت و بلاغت کی تکمیل چاہتا ہو اس کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ پہلے اپنی عقل اور فکر و تمیز کو پختہ کرے، چنانچہ بہت سے ادیبوں کی مثال بلبل اور طوطے جیسی ہے ان کی آواز تو خوب بھلی معلوم ہوتی ہے، لیکن معنی سے خالی ہوتی ہے، یہ بہت مہلک مرض اور بہت بڑی گمراہی ہے، اس کی واضح مثال حریری کا اکثر کلام ہے، اگر آپ اس کا ترجمہ کریں تو اکثر مقاموں کا بودا پن سامنے آجائے۔

جب سے لوگوں نے انشاء کو اپنا نصب العین بنالیا ہے وہ اصلی بلاغت سے دور ہوتے گئے ہیں حتی کہ بعض بے وقوفوں نے یہ کہنے کی جرأت کردی کہ مقامات قرآن سے بھی اچھی ہے حالانکہ مردار اور آب حیات میں کیا نسبت؟

(جمہرۃ البلاغہ ص ۶۰، مکتبہ معارف اعظم گڑھ)

اقتباس:۲

والحافظ شمس الدين الصغاني كان أصله من خراسان رحل الى بلدة لاهور وأقام بها ثم رحل الى بغداد وتوفي هناک وكان من علماء القرن السابع ومن مصنفاته ''المحكم''و''اللباب''والقاموس ماخوذ منهما. (مقدمہ فیض الباری، ۱؍۴۷)

حافظ شمس الدین صغانی اصل میں خراسان کے باشندے ہیں، کوچ کر کے لاہور چلے آئے وہیں قیام کیا، پھر کوچ کر کے بغداد چلے گئے اور وہیں وفات پائی، موصوف ساتویں صدی کے علماء میں سے ہیں ان کی تصنیفات میں سے ''المحکم ''اور ''اللباب'' ہے، قاموس انھیں دونوں سے ماخوذ ہے۔

☆☆☆☆☆

علامہ رضی الدین صاغانی

علامہ صاغانی کا نام حسن ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے: حسن بن محمد بن حسن بن حیدر بن علی عدوی عمری صغانی، رضی الدین لقب ہے۔

موصوف اپنے زمانہ کے سب سے بڑے لغوی ہونے کے ساتھ فقہ اور حدیث میں بھی اچھی مہارت رکھتے تھے، جیسا کہ ان کی تصانیف سے پتہ چلتا

ہے۔(الفوائد البھیہ ،۵۴)

علامہ صغانی ۵۷۷ھ میں غیر منقسم ہندوستان کے شہر لاہور میں پیدا ہوئے، یہ خسرو شاہ غزنوی کے بیٹے خسرو ملک کا عہد تھا، صوبہ سندھ کے شہر غزنا میں ان کی نشو ونما اور تعلیم وتربیت ہوئی، مرو کے ایک گاؤں چاغان (معرب :صاغان) کی طرف نسبت کرتے ہوئے صغانی یا صاغانی کہلاتے ہیں۔

علامہ ذہبی کے بیان کے مطابق صوبہ سندھ کے شہر غزنا میں آپ کی زیادہ تر نشونما ہوئی، انھوں نے اپنے والد صاحب سے تعلیم حاصل کی، اور جوان ہوئے تو سلطان قطب الدین ایبک نے آپ کے لیے شہر لاہور کا منصب قضاء پیش کیا مگر علامہ نے قبول کرنے سے انکار کردیا اور غزنا جاکر تدریس وافادہ کا سلسلہ جاری کیا، کچھ دنوں عراق تشریف لے گئے اور علماء عراق سے علم حاصل کر کے اجازت لی، اس کے بعد حج کی غرض سے مکہ مکرمہ گئے اور وہیں ٹھہر کر مکہ وعدن میں حدیثیں سنیں، پھر ۶۱۵ھ میں بغداد واپس آئے ،ان کے آنے پر خلیفہ ناصرالدین للہ نے بلاکر خلعت سے نوازا اور ۶۱۷ھ میں ایک خط دیکر بادشاہ ہندوستان شمس الدین التمش کے پاس بھیجا، علامہ ہندوستان آنے کے بعد کچھ مدت یہیں ٹھہر گئے، پھر ۶۲۴ھ میں حج کی نیت سے ہندوستان سے نکلے اور حج سے فراغت کے بعد یمن ہوتے ہوئے بغداد واپس آئے ، بغداد میں کچھ دنوں قیام رہا، اس کے بعد مستنصر باللہ عباسی نے قاصد بنا کر سلطانہ رضیہ کے پاس

بھیجا، قاصد کے فرائض انجام دینے کے بعد ۶۳۷ھ میں بغداد واپسی ہوئی اور ۶۵۰ھ میں بغداد کے اندر وفات ہوئی اور حریم ظاہری میں سپرد خاک ہوئے، انھوں نے وصیت کی تھی کہ جو مجھے بعد وفات مکہ منتقل کرے اسے پچاس دینار دئے جائیں، چنانچہ ان کی نعش کو دفن کے بعد مکہ مکرمہ منتقل کردیا گیا۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ لغت کے اندر وہ منتہی ہیں، سنوتی فرماتے ہیں کہ وہ لغت کے جھنڈے کو اٹھائے ہوئے تھے، شیخ شرف الدین رقم طراز ہیں کہ وہ لغت فقہ میں امام تھے، مولانا عبدالحی فرنگی محل فرماتے ہیں حسن صاغانی فقہ اور حدیث کے امام تھے اور دوسرے بہت سے علوم کے اندر بھی انہیں پوری مہارت حاصل تھی۔ (الفوائد البھیہ ص ۵۳)

صاحب نزہۃ الخواطر کا بیان ہے: صغانی نیک آدمی تھے، بے فائدہ کلام نہیں کرتے تھے، ان کو تمام علوم میں درک حاصل تھا، انہوں نے تعلیم وتصنیف کا کام کیا اور حدیثوں کی توثیق اور تضعیف کی، ان کی تصانیف کا بڑا چرچا ہوا اور معاصرین ان کی جلالت شان کے سامنے جھک گئے۔ (نزہۃ الخواطر ص ۱۳۸ ج ۱)

شیخ اگرچہ مسلکا حنفی تھے (شرح دیباجۃ القاموس ۱۴) مگر آپ کے شاگردوں میں ہر مذہب ومشرب کے لوگ ملتے ہیں، ان میں چند نے آگے بڑھ کر بڑی شہرت حاصل کی اور استاذ کی نیک نامی کا ذریعہ بنے بطور نمونہ چند نام درج ہیں:

شیخ شرف الدین دمیاطی ،نظام الدین محمود بن عمرو الہروی،محی الدین ابوالبقاء صالح بن عبداللہ المکوتی (ابن صباغہ کے نام سے مشہور ہیں) شیخ برہان الدین محمود بن ابوالخیر اسعد بلخی ۔(نزہۃ الخواطر ص۱۳۹ ج۱)

موصوف کی بے شمار تصانیف ہیں اور اپنی اپنی جگہ پر خاص اہمیت رکھتی ہیں،ان کی چند مشہور کتابیں یہ ہیں:

مشارق الانوار (یہ کتاب فن حدیث میں ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب سے پہلے ہندوستان میں اسی کا رواج تھا)،مجمع البحرین (یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اس کا موضوع فن لغت ہے، مگر اب تک طبع نہ ہوسکی)، التکملہ: یہ کتاب ۶ جلدوں میں صحاح جوہری کا تکملہ ہے یہ بھی اب تک مخطوطہ ہے، العباب الزاخر: یہ بہت زیادہ مسبوط بیس ۲۰ جلدوں میں لغت کی کتاب ہے، یہ کتاب ''میم'' کے مادہ تک پہنچی تھی کہ صغانی کا انتقال ہوگیا، صاحب قاموس نے اسی العباب اور ایک دوسری کتاب المحکم کی مدد سے قاموس تصنیف کی تھی مگر آج کل نایاب ہے،الأضداد (مجموعہ)،الشوارد فی اللغات (نایاب)، أسماء الفائدہ (نایاب)، أسماء الأسد (نایاب)، أسماء الذئب (نایاب)، دار الصحابة فی مواضع وصیات الحابة (مخطوطہ)،ما تفرد به بعض أئمة اللغة (مخطوطہ)،شرح صحیح بخاری (نایاب)۔

(قاموس الاعلام ص۲۳۲/ ج۲،نزہۃ الخواطر ص۱۳۹/ ج۱)

مولانا عبدالحی صاحب مرحوم الفوائد البھیۃ ص۵۳ میں فرماتے ہیں کہ صغانی کے دو رسالے ہیں کہ جن کے اندر موصوف نے موضوع احادیث کو جمع کیا ہے لیکن ان رسالوں میں انہوں نے بہت سی غیر موضوع (حسن صحیح و ضعیف) روایتوں کو داخل کردیا ہے، جس کی بنا پر صغانی کا شمار ابن جوزی اور صاحب سفر السعادات جیسے محدثین کے ساتھ ہوتا ہے مولانا عبدالحی صاحب سے قبل علامہ سخاوی فتح المغیث میں اس کی صراحت کر چکے ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ۲۳/۲۸۲ تا ۲۸۴، تاریخ اسلام ذہبی ۱۴/ ۶۳۶، فوات الوفیات ۱/ ۳۵۸ تا ۳۶۰، بغیۃ الوعاۃ ۱/ ۵۱۹ تا ۵۲۱، الفوائد البھیۃ ۶۳ و ۶۴، نزہۃ الخواطر ۱/ ۹۱ تا ۹۳)

ایک تاریخی غلطی

قاموس کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ العباب الزاخر اور المحکم سے ماخوذ ہے، جہاں تک العباب الزاخر کا تعلق ہے تو اسکے علامہ صغانی کی تصنیف ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن بعض متأخرین علماء نے المحکم کو بھی صغانی کی تصنیف قرار دیا ہے، چنانچہ اس جگہ فیض الباری کی عبارت سے صاف طور پر یہی معلوم ہوتا ہے، اسی طرح فقہ أهل عراق و حديثهم (ص۷۰) میں علامہ زاہد کوثری مرحوم نے بھی المحکم کو صغانی کی تصنیف قرار دیا ہے، حالانکہ المحکم حافظ علامہ ابن سیدہ لغوی متوفی ۴۵۸ھ کی تصنیف ہے۔

(ملاحظہ فرمائیں شرح دیباجۃ القاموس للشیخ نصر الھورینی ص ۱۴، مفتاح السعادہ ۹۹ ج ۱، کشف الظنون ج ۳)

فیض الباری کی اہمیت تسلیم ہے، لیکن اس کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اس میں بھی فہم و املاء کی غلطیاں ہیں چنانچہ صاحب انوار الباری فرماتے ہیں:

''افسوس ہے کہ آپ کی مطبوعہ تقاریر درس ترمذی و بخاری آپ کی تحقیقات عالیہ کے بہت ہی ناقص نقوش ہیں جن میں جامعین کے اخذ و ضبط و ادا کے نقائص و اغلاط ہیں اور مطبعی تصحیفات و اخطاء بھی''۔ (مقدمہ انوار الباری اول ۷)

اس پر طرہ یہ کہ شائع کرتے وقت جوں کی توں شائع کر دی گئیں اور تحقیق و ایڈٹ نہیں کی گئی، بہر حال فیض الباری میں واقع اس غلطی کے ذمہ دار املاء کرنے والے ہیں اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ انہوں نے العباب کو اللباب لکھا ہے جس سے بے اعتنائی یا ضبط نہ کرنے کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے علامہ زاہد کوثری نے اس دعوی پر (خلاف معمول) کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

اقتباس:۳

وحسنه الحافظ الشيخ أبوعمرو بن الصلاح، وهو شيخ الامام النووی، دقيق النظر واسع الاطلاع، وليس صاحبه النووی مثله فی الحديث.

(فیض الباری،۱/۱)

شیخ ابوعمرو ابن صلاح امام نووی کے استاذ ہیں، باریک بیں، وسیع المطالعہ ہیں، انکے شاگرد نووی حدیث میں اس پایہ کے نہیں ہیں۔

☆☆☆☆☆

ابن صلاح

ابن صلاح کا اسم گرامی عثمان ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: عثمان بن عبدالرحمٰن (صلاح الدین) ابن موسیٰ شہزوری، ابوعمرو اور تقی الدین لقب ہے، آپ متقدمین کی تفسیر وحدیث، فقہ واسماء الرجال کے بڑے ماہر تھے، آپ کی پیدائش ۵۷۷ھ میں شہزور کے قریب واقع ''نشرحان'' نامی گاؤں میں ہوئی، اور آپ وہاں سے موصل اس کے بعد خراسان پھر بیت المقدس کی طرف منتقل ہو گئے، وہاں مدرسہ صلاحیہ میں مسند درس پر رونق افروز ہوئے، اس کے بعد آپ دمشق چلے گئے، اور وہاں ملک اشرف نے آپ کو دارالحکومت میں تدریس کے لئے مقرر فرمایا اور وہیں پر ۶۴۳ھ میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا، ابن صلاح

کی چند کتابیں یہ ہیں: معرفۃ انواع الحدیث (مقدمہ ابن صلاح)، الأمالی (مخطوطہ)، فتاویٰ (مطبوعہ)، شرح الوسیط (یہ کتاب فقہ شافعیہ میں ہے مخطوطہ)، طبقات الفقہاء الشافعیہ (مخطوطہ)۔ (وفیات الاعیان ۲۴۳/۳، قاموس الأعلام ص ۳۶۹/ ج ۴)

امام نوویؒ

امام نووی کا اسم گرامی یحیٰ، لقب محی الدین، کنیت ابوزکریا ہے، آپ ملک شام کے شہر حوران کے قریبی گاؤں نوا میں ۶۳۱ھ میں پیدا ہوئے اسی نسبت سے آپ کو نووی کہتے ہیں، موصوف (اپنے استاذ ابن صلاح کی طرح) شامی تھے، اور آپ کو فقہ وحدیث میں مہارت تامہ حاصل تھی انہوں نے دمشق میں علم حاصل کیا اور عرصہ دراز تک وہیں مقیم رہے، آخرکار اپنے گاؤں نوا میں ۶۷۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا آپ کی چند تصانیف یہ ہیں:

تهذيب الأسماء واللغات ،منهاج الطالبين، روضة الطالبين ، المجموع، الايضاح فى المناسک، شرح المهذب، ارشاد طلاب الحقائق الى معرفة سنن خير الخلائق، تصحيح التنبيه ، منهاج فى شرح صحيح مسلم (پانچ جلدوں میں)، **التقريب والتيسير، رياض الصالحين،الأذكار ، الأربعون النووية، التبيان فى آداب حملة القرآن** ،آپ کی طرف دو کتابیں منسوب کی جاتی ہیں مگر حقیقت میں وہ آپ کی نہیں ہیں ایک **النهاية فى اختصار الغاية** ،دوسری: **اغاليط فى الوسيط**۔ (طبقات سبکی ۳۹۵/۸، قاموس الأعلام، ص ۱۸۴/ ج ۹)

اقتباس:۴

وهكذا قال الصدر الشيرازی، وهو صوفی شیعی ، لایسب الصحابة رضی اللّٰہ عنهم ولكنه یسئ الأدب فی شان الأشعری والرازی.(فیض الباری ۱/۲۱)

صدرالدین شیرازی شیعہ صوفی ہیں، صحابہ کرام کو سب وشتم نہیں کرتے، لیکن شیخ ابوالحسن اشعری اور فخرالدین رازی کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

ملا صدرالدین شیرازی

آپ کا نام محمد، باپ کا نام ابراہیم ہے، صدرالدین لقب ہے موصوف شیراز کے بہت بڑے فلسفی تھے، ان کی مادری زبان فارسی اور تصنیف وتالیف کی زبان عربی ہے، استاذ کے نام سے مشہور ہیں آپ شیراز سے اصفہان گئے اور وہیں تعلیم حاصل کی، حج کی غرض سے مکہ مکرمہ جارہے تھے کہ راستے میں انتقال ہو گیا آپ کی تاریخ پیدائش تو معلوم نہ ہوسکی لیکن وفات ۱۰۵۹ھ مطابق ۱۶۴۹ء میں ہوئی، ان کی چند تصنیفات یہ ہیں:

(۱) أسرار الآیات (یہ رسالہ فن تفسیر میں ہے، مطبوعہ) (۲) الأسفار

الأربعـــه فـی الـحـكـمة (چارجلدوں میں مطبوعہ)(۳)تفسیرسورة فاتحہ (مطبوعہ)(۴)شرح أصول السکاکی (حکمت)(۵)شواهدالربوبية (مطبوعہ)(٦)الـمبـدأ والـمـعـاد (مطبوعہ)(۷)الـمشـاعـر (فلسفہ،مطبوعہ)(۸)مفـاتيـح الغيب (مطبوعہ)(۹)شـمـان رسـائل (مطبوعہ)۔(قاموس الأعلام ص۱۹۳،۱۹۴/ ج٦)

الاسفار الاربعۃ ان کی سب سے زیادہ مشہور کتاب ہے، دارالترجمۃ العثمانیۃ حیدرآباد نے اس کی ابتدائی دوجلدوں کا ترجمہ مولانا مناظراحسن گیلانی سے اورآخری دوجلدوں کا ترجمہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے کرایا تھا۔

اقتباس:۵

واعلم أن المسند للامام أبی حنیفة لم یجمعه هو بنفسه ، بل جمعه بعض الأئمة بعده ویبلغ الی خمسة عشر، وأحدجامعیه هو هذا الحارثی.

(فیض الباری، ۱/۴۱۵)

مسند امام ابو حنیفہ کو خود امام صاحب نے جمع نہیں کیا ہے، بلکہ ان کے بعد کے بعض ائمہ نے جمع کیا ہے،ان مسانید کی تعداد پندرہ تک پہونچتی ہے،ان میں سے ایک کے مرتب کرنے والے یہی محدث حارثی ہیں۔

☆☆☆☆☆

امام ابوحنیفہ کی مسانید

محدث خوارزمی نے امام صاحب کی طرف منسوب پندرہ مسانید سے جامع المسانید کومرتب کیا ہے،جن کی تفصیل یہ ہے: (۱)مسند حافظ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الوراثی البخاری المعروف بعبداللہ الأستاذ (۲)مسند امام ابوالقاسم طلحہ ابن محمد بن جعفر الشاہد (۳)مسند حافظ ابوالحسین محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ بن محمد (۴)مسند حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی (۵)مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی انصاری (۶)مسند امام ابواحمد عبداللہ بن عدی جرجانی (۷)

مسند امام حسن بن زیاد لولؤی (۸) مسند امام حافظ عمر بن الحسن الاشنانی (۹) مسند ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی (۱۰) مسند امام حافظ ابوعبداللہ حسین بن محمد بن خسرو بلخی (۱۱) مسند قاضی ابو یوسف (۱۲) مسند امام محمد بن الحسن الشیبانی (۱۳) مسند حماد بن ابوحنیفہ (۱۴) کتاب الآثار امام محمد (۱۵) مسند حافظ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن ابی العوام۔ (جامع المسانید ج۱/ص ۷۴ ۵ط دار المعارف حیدر آباد)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ امام صاحب کی صرف پندرہ مسانید جمع کی گئی ہیں، بلکہ خوارزمی کی ذکر کردہ مسانید کا تذکرہ مقصود ہے، اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ علامہ مرحوم نے دوسرے مقامات پر ان پندرہ کے علاوہ بعض دیگر مسانید کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

مسانید کا امام اعظم تک اتصال

علامہ زاہد کوثری نے تانیب میں مسانید کی تعداد ۲۱ لکھی ہے، ان سب مسانید کی اسانید متصل ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے "انسان العین فی مشائخ الحرمین" میں اپنے استاذ الاساتذہ محدث عیسیٰ جعفری مغربی متوفی ۱۰۸۰ھ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ایک ایسی مسند تالیف کی ہے جس میں اپنے سے لیکر امام صاحب تک اسناد کا سلسلہ متصل کیا ہے، اور اس سے لوگوں کی یہ بات قطعاً غلط ہو جاتی ہے کہ حدیث کا سلسلہ آپ تک متصل نہیں رہا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے سلسلۂ حدیث کی سند کو متصل ثابت کرنے کے

لئے دلیل ہی امام صاحب کے سلسلہء سند کے اتصال کی دی ہے، جس پر شاہ صاحب کو بڑا اعتماد تھا (مقدمۃ انوار الباری اول ص ۱۲۸) ''امام اعظم اور علم حدیث'' کے مصنف نے امام صاحب کی طرف منسوب مسانید کا بہت تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

مسانید شیخ ابو زہرہؒ کی نظر میں

علامہ شبلی اور مؤلف انوار الباری کے درمیان ان مسانید کے مقام اور حیثیت کے بارے میں جو نظریاتی اختلاف پایا جاتا ہے، اس کا تصفیہ شیخ ابو زہرہ کی تحریر سے بخوبی ہو جاتا ہے، علامہ رقمطراز ہیں:

''فقہ کے اندر ابو حنیفہ کی تصنیف کردہ کسی کتاب کا ہمیں سراغ نہیں لگا، ہاں علماء نے احادیث و آثار کے ایک مسند کو امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے، یہ مسند ابواب فقہ و احکام کی ترتیب پر مرتب ہے، اب ہمیں تحقیق یہ کرنی ہے کہ اس مسند کو امام صاحب نے خود مرتب کیا ہے یا ان کے شاگردوں نے ان کی روایت سن یہ مسند ابواب فقہ پر مرتب کر کے رائج کر دی ہیں؟ جس طرح انہوں نے امام صاحب کے فقہ کو مرتب و منسوب کیا ہے، اس سلسلے میں اتنی بات یقینی ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے امام صاحب کی اچھی خاصی روایات کتاب الآثار کے نام سے جمع کر دی ہیں، اسی بنیاد پر دونوں حضرات کی کتابوں کی بہت ساری روایات متحد ہیں، اب سوال یہ ہے

کہ انہیں روایات کو مسند ابو حنیفہ کہا جاتا ہے، بعض علماء نے اس کا جواب اثبات میں دیا ہے، اور بہتوں نے اسی بات کو ترجیح دی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی ''تعجیل المنفعة'' میں فرماتے ہیں کہ مسند ابو حنیفہ خود امام صاحب کی جمع کی ہوئی نہیں ہے، امام ابو حنیفہ کی احادیث کتاب الآثار میں موجود ہیں، اسی طرح امام محمد اور امام ابو یوسفؒ کی دوسری کتابوں میں بھی کچھ احادیث موجود ہیں، ابو محمد حارثی نے چوتھی صدی ہجری میں اہتمام کے ساتھ امام ابو حنیفہ کی احادیث ایک جلد میں جمع کی اور امام صاحب کے شیوخ کی ہجائی ترتیب پر اس کو مرتب کیا، اسی طرح امام صاحب کی مرفوع روایات کو حافظ ابو بکر بن المقری نے جمع کیا، لیکن ان کی کتاب حارثی کی کتاب سے چھوٹی ہے، حافظ ابوالحسن کی جمع کی ہوئی بھی ایک مسند ابو حنیفہ ہے، اور جس کی مسند کے رجال کی حافظ ابو عبداللہ محمد بن علی حمزہ حسینی نے تخریج کی ہے وہ حسین بن خسرو کی مسند ہے، جو کہ بعد کے ہیں ابن خسرو کی مسند میں حارثی اور ابن المقری کی مسند سے کچھ زیادہ روایتیں ہیں۔

ابن حجر اس عبارت میں صاف طور سے بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب کہ طرف جو مسند منسوب ہے وہ ان کی جمع کی ہوئی نہیں ہے، پھر وہ مختلف علماء کی روایتوں کو ذکر کرتے ہیں ابن حجرؒ نے جن روایتوں کا تذکرہ کیا ہے، ان کے

علاوہ اور بہت سی روایتیں ہیں، مثلاً حصکفی کی روایت ہے، حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں مسند ابو حنیفہ کی مختلف روایتوں اور اس کی جمع و ترتیب، تلخیص کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسند ابو حنیفہ حسن بن زیاد لولوی نے روایت کی، شیخ قاسم ابن قطلو بغا نے اس مسند کو فقہی ابواب کے مطابق ترتیب دی پھر اس پر دو جلدوں میں امالی بھی لکھے، جمال الدین محمد بن احمد قونوی دمشقی متوفی ۷۷۰ھ نے مسند ابو حنیفہ کا المعتمد نام سے اختصار کیا اور اس کی المستند نامی شرح لکھی ابوالموید محمد بن محمود خوارزمی متوفی ۶۶۵ھ نے مسند کی زوائد کو جمع کیا، ان کا بیان ہے کہ "میں نے شام میں بعض جاہلوں کو دیکھا کہ وہ امام صاحب کی تنقید میں سرگرم ہیں اور آپ پر قلت حدیث کا الزام لگاتے ہیں اور امام صاحب کے مقابلے میں دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ دوسرے ائمہ نے مثلاً امام مالک نے موطا لکھی امام شافعیؒ نے مسند لکھی اور امام صاحب نے (ان کے گمان کے مطابق) حدیث میں کوئی چیز تحریر نہیں کی، ان سے صرف چند گنی چنی احادیث مروی ہیں، یہ سن کر مجھے غیرت مذہبی نے جوش دلایا اور میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ امام صاحب کی پندرہ مسانید کو جن جلیل القدر علماء نے جمع کیا ہے، ان کو یکجا کر دوں۔

حاجی خلیفہ اور الموید خوارزمی کے مذکورہ بالا بیان سے اتنی بات ظاہر ہوگئی ہے کہ امام صاحب کی طرف مسند ابو حنیفہ کی نسبت اس درجہ کی نہیں ہے جس درجہ کی نسبت "موطا" کی امام مالکؒ کی طرف ہے، کیونکہ موطا کو امام مالک نے خود مدون کیا ہے اور مدون مرتب شکل میں لوگوں نے اس کی روایت کی ہے اس کے

برخلاف امام ابوحنیفہؒ نے مسند کو خود مرتب اور جمع نہیں کیا، بلکہ بعد کے راویوں نے اس کو مرتب و منسوب کیا ہے لیکن یہ بات امام صاحب کی طرف ان روایات کی نسبت کے صحیح ہونے میں مخل نہیں ہے، البتہ راویوں کے بدل جانے سے نسبت بدل جاتی ہے۔

میرے نزدیک آثار ابو یوسفؒ اور محمدؒ ان مسانید میں قوی تر ہیں بلکہ ان دونوں کتابوں میں جس دقت نظر سے کام لیا گیا ہے اس کو دیکھ کر ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ ان دونوں کتابوں میں جو روایات امام صاحب کی طرف منسوب ہیں ان کی صحت شک و شبہ سے بالاتر ہے اگر چہ ترتیب و تبویب امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی ہے۔ (ابوحنیفہ شیخ ابوزہرہ ص ۱۹۰ تا ۱۹۲)

دو باتیں

اس بحث میں دو باتیں اور قابل ذکر ہیں، اول یہ کہ مولانا شبلی مرحوم نے خوارزمی کی جمع کردہ مسانید کا ذکر کرتے ہوئے صرف تیرہ مسانید کا تذکرہ کیا ہے، حسن بن زیاد لولوی کی مسند اور حسین بن محمد بن خسرو کی مسند کا ذکر نہیں کیا ہے، اس کے بعد وہ فرماتے ہیں ''ابوالموید الخوارزمی نے جن مسندوں کے نام لئے ہیں ان کے سوا اور بھی مسانید ہیں، مثلاً: مسند حافظ ابوعبداللہ حسین بن محمد خسرو بلخی متوفی ۵۲۳ھ، مسند حصکفی جس کی شرح ملا علی قاریؒ نے لکھی ہے۔

(سیرۃ النعمان ص ۸۷/ حصہ دوم)

حالانکہ حسین بن محمد بن خسرو کی مسند کا حافظ خوارزمی نے خود تذکرہ کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ علامہ شبلیؒ نے مسند خوارزمی کی امام صاحب کی طرف نسبت مجازی قرار دی ہے، اور دلیل میں یہ بات پیش کی ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے مسند خوارزمی کو کتب حدیث کے طبقہ رابعہ میں شمار کیا ہے، اس پر رد کرتے ہوئے مؤلف انوار الباری رقم طراز ہیں:

غالبا ان کو مغالطہ شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ سے ہوا جس میں طبقہ رابعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسند خوارزمی بھی تقریبا اسی طبقہ میں داخل ہے، ہمارا خیال ہے کہ یہ جملۃ الحاقی ہے حضرت شاہ صاحب کا نہیں ہے یا جامع المسانید خوارزمی کے مطالعہ کے بغیر لکھا ہوگا، اور اس کا قرینہ یہ بھی ہے کہ بستان المحدثین میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بھی اس کا کچھ ذکر نہیں کیا ہے۔ (مقدمۃ انوار الباری ص ۱۲۸، ج۱)

ہمیں اس موقع پر عرض یہ کرنا ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ میں اس جملہ کے الحاق کا دعویٰ، اسی طرح مسند خوارزمی کے متعارف نہ ہونے کی بات، بلا شبہ مولف انوار الباری کا تسامح ہے، کیونکہ شاہ عبدالعزیز صاحب بستان المحدثین کے ص ۲۷ پر رقم طراز ہیں:

علم حدیث میں آج کل موطا کے علاوہ ائمہ اربعہ کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے اور دوسرے ائمہ کی جو مسانید دنیا میں مشہور ہیں وہ خود ان ائمہ کی تصنیف نہیں ہیں بلکہ دوسرے حضرات نے ان کی روایات جمع کر کے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے، اور ہر عاقل شخص جانتا ہے کہ آدمی کی روایات رطب و یابس ہر ایک کا

مجموعہ ہوتی ہے، جب تک کے خود وہ شخص جس کی بزرگی اور فضیلت کا اعتقاد ہے صحیح اور غلط میں تمیز نہ کردے، اور بار بار غور وفکر سے ان کا مطالعہ کر کے اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم نہ دیدے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس وقت جو مسند امام اعظم مشہور ہے علامہ خوارزمی کی تصنیف ہے، انہوں نے متقدمین علماء کی جمع کی ہوئی مروجہ مسانید کو اس مسند میں جمع کر دیا ہے، اور اپنے علم کی حد تک امام صاحب کی تمام روایات کا احاطہ کرلیا ہے، لہٰذا اس مسند کو امام صاحب کی مسند قرار دینا ایسا ہی ہوگا جیسے مسند احمد کی مسند ابوبکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دی جائے اور انہیں کی تصنیف قرار دی جائے۔ تلخیصا

محدث حارثی

آپ کا نام عبداللہ اور کنیت ابومحمد ہے سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث بن الخلیل الحارثی، سمعانی نے ان کا تذکرہ اس طرح کیا ہے: وہ استاذ کے لقب سے مشہور تھے، حدیث بکثرت روایت کرتے تھے، کوچ کر کے عراق وحجاز گئے، فضل بن محمد شعرانی، حسین بن فضل بجلی، ابوعبداللہ بن مندہ نے ان سے روایت کی ہے۔

ربیع الآخر ۲۵۸ھ میں پیدائش اور شوال ۳۴۰ھ میں وفات ہوئی ثقہ نہیں تھے، ان کی بہت سی احادیث منکر ہیں، امام ابوحنیفہ کے مناقب میں کشف الآثار نامی ان کی ایک کتاب ہے انہوں نے مسند ابوحنیفہ بھی لکھی جب موصوف نے

مناقب ابوحنیفہ املاء کرائی تو چار سو املاء کرنے والے تھے، علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا اس طرح تذکرہ کیا ہے: وہ بخارا کے علاقہ کے رہنے والے فقیہ تھے، ابن مندہ نے ان سے بکثرت روایت کی ہے ان کی چند تصانیف ہیں ابن جوزی نے ابوسعید رواس سے نقل کیا ہے کہ وہ حدیث گڑھنے کے سلسلے میں متہم تھے۔

نیز ذہبی نے موتلف کے اندران کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کو شیخ الحنیفہ کہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ عبداللہ بن محمد، ابوسعید رواس اور ابن جوزی دونوں سے عظیم المرتبت اور جلیل القدر ہیں۔ (الجواہر المضیہ ص ۲۸۹، ۲۹۰/ ج ۱)

اقتباس:٦

والتوربشتي هذا حنفي متقدم علی الرازی رحمه اللّٰه تعالیٰ، وكتابه هذا أجود من شرح المقاصد وغيره. (فیض الباری،۱/۵۴)

حافظ فضل اللہ تور بشتی حنفی ہیں، ان کا زمانہ امام رازی سے پہلے کا ہے، اور عقائد میں ان کی کتاب شرح مقاصد وغیرہ سے عمدہ ہے۔

☆☆☆☆☆

حافظ فضل اللہ تور بشتی

آپ شیراز کے محدث اور فقیہ ہیں، موصوف نے اپنے استاذ علامہ بغوی کی کتاب المصابیح کی المیسر نامی بہت عمدہ شرح لکھی ہے، اسی طرح آپ کی ایک گرانقدر کتاب مطلب الناسک فی علوم المناسک ہے، یہ کتاب چالیس (۴۰) ابواب پر مشتمل ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ تمام مناسک حج میں احادیث سے استدلال کیا گیا ہے، علم عقائد میں بھی آپ کی ایک عمدہ تصنیف ہے اس کا نام ''المعتمد فی المعتقد'' ہے، یہ کتاب فارسی زبان میں ہے، مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب علم کلام کی اکثر مروجہ کتابوں سے بیش قیمت اور وقیع ہے، ۱۲۸۲ھ میں مطبع مظہر العجائب مدراس سے شائع ہوئی تھی، اس کتاب

کے بارے میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ شرح مقاصد سے اچھی ہے۔

علامہ تقی الدین سبکی نے لکھا ہے کہ فتنہ تاتاری کی بنا پر ان کی شہرت نہ ہوسکی اور تاج الدین سبکی فرماتے ہیں ۶۶۰ھ کے لگ بھگ ان کا انتقال ہوا۔

(مقدمہ انوار الباری ص ۱۲۰ ج ۲ کشف الظنون ص ۱۶۹۸، ج ۲، طبقات کبریٰ ۸/ ۳۴۹)

ایک عقدہ

یہ عقدہ اب تک حل نہ ہوسکا کیونکہ رازی سے مراد اگر ابوبکر جصاص رازی ہیں تو توربشتی کے ان سے زمانے یا مرتبہ میں مقدم ہونے کا کوئی معنیٰ نہیں ہے، اس لئے ان کی وفات ۳۷۰ھ میں ہوئی۔ (مقدمہ نصب الرایہ)

اسی طرح علوم وفنون میں بھی انکا پایہ توربشتی سے بڑھا ہوا ہے، اور اگر مشہور متکلم مفسر امام رازی شافعی مراد ہیں تب بھی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کیونکہ ان کا فضل وکمال بیان سے باہر ہے اور ان کی پیدائش ۵۴۳ھ یا ۵۴۴ھ میں اور وفات ۶۰۶ھ میں ہوئی تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "امام رازی" مولفہ عبد السلام ندوی مرحوم"۔

اقتباس: ۷

اعلـم أن نـفی الزيادة والنقصان وان اشتهر عن الامـام الاعظم ،لكنی متردد فيه بعد، وذلك لأنی لم أجـد عليه نقلا صحيحا صريحا، وأما ما نسب اليه فی الفقه الأكبر فالمحدثون علی أنه ليس من تصنيفه، بل مـن تـصنيف تلميذه أبی مطيع البلخی، وقد تكلم فيه الـذهبـی ، وقـال: انــه جهـمـی، أقول: ليـس كمـا قال،ولكنه ليس بحجة فی باب الحديث ، لكونه غير نـاقـد، وقـد رأيـت عـدة نسخ للفقه الأكبر فوجدتها كـلهـا متغا ئر ة ، و هكذا كتاب العالم والمتعلم، و الـوسيـطيـن، الـصـغيـر والـكبيـر، كلها منسوبة الی الامام، لكن الصواب أنها ليست للامام.

أمـا الحافظ ابن تيمية رحمه اللّٰه فانه وان نسب الزيادة و النقصان الی امامنا رحمه اللّٰه تعالیٰ ، لكن فـی طبـعـه سَـورة وحدة، فاذا عطف الی جانب عطف ولايبـالـی، واذا تـصدی الی احد تصدی ولايحاشی، ولايـومـن مثله من الافراط والتفريط، فالتردد فی نقله لهـذا، وان كان حافظا متبحرا و نقل فی شرح عقيدة

الطحاوى بسند أبى مطيع البلخى عن النبى صلى الله عليه وسلم مامعناه: أن الايمان لايزيد ولاينقص، قال ابن كثير: وفى اسناده كلهم مجروحون، ورأيت هذاالحديث فى الميزان فى ترجمة البلخى، فأسقطه الذهبى، ثم رأيت فى طبقات الحنفية تحت ترجمة: ابراهيم بن يوسف تلميذ أبى يوسف، و أحمد بن عمران أنهما كانا يقولان: بزيادة الايمان ونقصانه، مع كونهما من كبار الحنفية، فهذا ايضاً كان يريبنى.

ولما انعدمت النقول الصحيحة عن الامام رضى الله تعالىٰ عنه كدت أن أنفى عنه تلك النسبة، غير أنى رأيت أن أباعمرو المالكى نسبه فى شرح الموطأ الى شيخ امامنا حماد، وهو من المتقنين المتثبتين فى باب النقل، فلا مناص من تسليم تلك النسبة.(فیض الباری،۱/ ۵۹،۶۰)

ایمان کی کمی اورزیادتی کا انکارامام صاحب کے بارے میں اگرچہ مشہور ہے، لیکن مجھ کواس میں اب تک تردد ہے، کیونکہ مجھے اس بارے میں صحیح وصریح نقل نہیں ملی، جہاں تک فقہ اکبر میں اس نسبت کا تعلق ہے تو محدثین اس کوامام صاحب کی تصنیف نہیں

مانتے ، بلکہ امام صاحب کے ایک شاگرد ابو مطیع بلخی کی تصنیف مانتے ہیں، اور ابو مطیع کے بارے میں علاّمہ ذہبی نے کلام کیا ہے اور ان کو فرقہ جہمیہ کی طرف منسوب کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ وہ جہمی نہیں تھے ،لیکن ان کی بات حدیث کے بارے میں حجت نہیں ہے، کیونکہ وہ ناقد حدیث نہیں ہیں ، میں نے فقہ اکبر کے متعدد نسخے دیکھے تو ان کو آپس میں مختلف پایا۔

اسی طرح کتاب العالم والمتعلم اور وسیطین (صغیر وکبیر) سب امام صاحب کی طرف منسوب ہیں،لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہیں۔

ہاں حافظ ابن تیمیہ نے اگر چہ ایمان کی کمی وزیادتی کو امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے،لیکن وہ اپنی طبیعت کی تیزی اور جوش کی وجہ سے جس طرف مائل ہو جاتے ہیں پورے طور پر مائل ہو جاتے ہیں ، دوسری جانب کا خیال نہیں کرتے اور جب کسی کی مخالفت کرتے ہیں تو بلا ادنی رعایت پوری مخالفت کرتے ہیں اور اس طرح کا آدمی افراط وتفریط سے بچ نہیں سکتا، ان کی نقل پر اسی لیے شبہ ہے اگر چہ وہ متبحر حافظ حدیث ہیں۔

جب مجھ کو اس بارے میں صحیح روایات نہیں ملیں تو میں امام صاحب کی طرف اس مسئلہ کی نسبت کو غلط قرار دینے جارہا تھا، مگر

میں نے دیکھا کہ ابوعمرو مالکی نے شرح موطا میں اس مسئلہ کو امام صاحب کے شیخ حماد کی طرف منسوب کیا ہے، چونکہ ابوعمرو مالکی صاحب علم و اتقان اور نقل کے بارے میں محتاط ہیں، لہٰذا اس نسبت کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

تصانیف امام اعظم

مسانید کے علاوہ امام صاحب کی طرف چند اور تصانیف بھی منسوب ہیں، مثلاً: الفقہ الاکبر، العالم والمتعلم، کتاب الرازی، کتاب اختلاف الصحابۃ، رسالۃ الامام الی عثمان البتی وغیرہ۔

لیکن ان بہت ساری کتابوں میں متقدمین کی توجہات کا مرکز صرف الفقہ الاکبر رہی ہے، پھر الفقہ الاکبر کے بارے میں بھی اختاف چلا آ رہا ہے کہ آج کل کی مروجہ الفقہ الاکبر کیا خود امام صاحب کی تصنیف یا املاء ہے، بہت سے محققین نے اثبات میں جواب دیا ہے چنانچہ ''امام اعظم اور علم الحدیث'' کے مصنف نے اپنی کتاب میں ص ۱۲۶ سے ۱۲۹ تک علامہ عبدالقادر قرشی طاش زادہ کبری، علامہ بزازی کی آراء پیش کر کے اس نقطۂ نظر کو ثابت کرنا چاہا ہے، مؤلف انوار الباری نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

مگر دوسری طرف علامہ شبلی نعمانی اور شیخ ابو زہرہ مصری نے کچھ ایسی اندرونی شہادتیں پیش کی ہیں جن سے اتنی بات تقریباً یقینی ہو جاتی ہے کہ موجودہ

الفقہ الاکبر بعینہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے، بلکہ اس کے اندر الحاق اور طرز استدلال میں تبدیلی لائی گئی ہے۔

الفقہ الاکبر؛ علامہ شبلی کی نظر میں

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

فقہ اکبر کو اگرچہ فخر الاسلام بزدوی، عبدالعلی بحرالعلوم اور شارحینِ فقہ اکبر نے امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن ہم اس پر مشکل سے یقین کر سکتے ہیں، یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کی جاتی ہے اس وقت یہ طرز تحریر پیدا نہیں ہوا تھا، وہ بطور ایک متن کے ہے اور اس اختصار ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے جو متاخرین کا خاص انداز ہے، اس میں ایک جگہ جوہر وعرض کا لفظ آیا ہے، حالانکہ یہ فلسفیانہ الفاظ اس وقت تک زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے، یہ بحث تو درایت کی حیثیت سے تھی، اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہیں ہوتا، دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس کتاب کا پتہ نہیں چلتا، قدیم سے قدیم تصنیف جس میں اس رسالہ کا ذکر کیا گیا ہے، فخر الاسلام بزدوی کی کتاب الاصول ہے جو پانچویں صدی کی تصنیف ہے۔

علم عقائد اور اس کے متعلقات پر بڑی بڑی کتابیں مثلاً صحائف، شرح مقاصد، شرح مواقف، ملل ونحلل، وغیرہ تصنیف ہوئیں اس میں کہیں اس کا ذکر نہیں اس کے علاوہ ابو مطیع بلخی جو اس کتاب کے راوی ہیں حدیث کی روایت میں چنداں مستند نہیں ہیں، کتب رجال میں ان کی نسبت محدثین نے سخت ریمارک

کئے ہیں، میں اگر چہ ان کو کلیۃً تسلیم نہیں کرتا، تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جس کا ثبوت صرف ابومطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو محدثانہ اصول پر قابل تسلیم نہیں ہو سکتی۔

میرا خیال ہے کہ ابومطیع بلخی نے ایک رسالہ میں بطور خود عقائد قلمبند کئے تھے، رفتہ رفتہ وہ امام صاحب کی طرف منسوب ہو گیا، میرا یہ بھی خیال ہے کہ فقہ اکبر کی موجودہ ترتیب و عبارت ابومطیع کے زمانے کے بہت بعد کی ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، جامع صغیر جو امام محمد کی تالیف ہے اس کی موجودہ ترتیب امام ابو طاہر دباس کی ہے جو چوتھی صدی کے تھے۔ فرق یہ ہے کہ جامع صغیر کی عبارت وہی اصلی ہے، صرف ترتیب بدل دی گئی ہے، برخلاف اس کے فقہ اکبر کا انداز عبارت بھی زمانہ مابعد کا معلوم ہوتا ہے۔ (سیرۃ النعمان ۸۹، ۹۰، جلد ۲ ملخصا)

فقہ اکبر ابوزہرہ مصری کی نظر میں

ابن ندیم نے الفہرست میں لکھا ہے: امام ابوحنیفہ کی چار کتابیں ہیں: **الفقہ الأکبر، العالم والمتعلم، رسالۃ الی عثمان بن مسلم البتی، الرد علی القدریۃ**، متقدمین نے ان کتابوں میں سے الفقہ الاکبر کے ساتھ زیادہ اعتناء برتا، اس کتاب کی چند روایتیں ہیں، مثلاً حماد بن ابوحنیفہ کی روایت، ابومطیع بلخی کی روایت۔

اس مقام پر یہ بات بتا دینا ضروری ہے کہ امام صاحب کی طرف فقہ اکبر کی نسبت علماء کے درمیان مختلف فیہ رہی ہے، چنانچہ جو لوگ متعصب حنفی ہیں اور ان

کی تصنیفات وآثار میں زیادتی کے طالب ہیں انہوں نے بھی اس نسبت کی صحت پر اتفاق کا دعویٰ نہیں کیا، اسی لئے بزازی مناقب میں الفقہ الاکبراور العالم والمتعلم کے بارے میں فرماتے ہیں:

اگر کوئی اعتراض کرے کہ امام صاحب کی کوئی کتاب نہیں ہے؟ میں جواب دوں گا یہ معتزلہ کا دعویٰ ہے اوراس دعویٰ سے ان کا مقصد یہ ہے کہ الفقہ الاکبراور العالم والمتعلم کے امام صاحب کی تصنیف ہونے کی تردید کریں، کیونکہ ان دونوں کتابوں میں اہل سنت والجماعت کے اکثر عقائد کا بیان ہے، حالانکہ معتزلہ کا دعویٰ یہ ہے کہ امام صاحب معتزلی تھے اور یہ دونوں کتابیں ابوحنیفہ کی تصنیف نہیں ہیں، لیکن یہ دعویٰ سراسر غلط ہے، چنانچہ میں نے علامہ کردری عمادی کی لکھی ہوئی دونوں کتابیں دیکھی ہیں جن کے اندر انہوں نے یہ بھی لکھ رکھا ہے کہ ان دونوں کتابوں کی امام صاحب کی تصنیف ہونے پر تمام مشائخ کا اتفاق نہیں بلکہ اکثر مشائخ کا اتفاق نقل کیا ہے۔

یہ تو روایت کے اعتبار سے نسبت کی صحت اور عدم صحت کی بات ہوئی، لیکن باریک بینی اس بات کی مقتضی ہے کہ ہم اس کتاب کے مضامین پر بھی ایک نگاہ ڈال لیں کہ تمام باتوں کی نسبت امام صاحب کی طرف صحیح ہے یا کوئی اندرونی شہادت موجود ہے جو اس نسبت کی صحت کو مشکوک بنا دیتی ہے؟

جب ہم ہندوستان میں شائع شدہ الفقہ الاکبر کی طرف مراجعت کرتے ہیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انبیاء کے بعد افضل انسانوں کی ترتیب اس طرح سے

بیان کی گئی ہے: سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیقؓ، ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ ان کے بعد علی مرتضیٰ، حالانکہ مناقب کی تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ امام صاحب حضرت عثمان غنیؓ کو حضرت علیؓ پر مقدم نہیں کرتے ہیں اب اس موقع پر مناقب کی روایات جو صحیح سند سے ثابت ہیں، الفقہ الاکبر کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہیں کیونکہ اس کی سند اتنی قوی نہیں ہے۔

اس کے علاوہ ہم الفقہ الاکبر میں چند ایسے مسائل بھی زیر بحث دیکھتے ہیں جن کے بارے میں بحث و کرید کا امام صاحب اور ان سے پہلے کے دور میں رواج نہیں تھا، چنانچہ امام صاحب اور ان سے قبل کے جو مآخذ ہمارے پاس موجود ہیں ان میں ہمیں کسی بھی ایسے شخص کا سراغ نہیں لگتا ہے جس نے معجزہ، کرامات، استدراج کے باہمی فرق کو واضح کیا ہو، لیکن الفقہ الاکبر میں ہے:

''انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات برحق ہیں، ابلیس، فرعون، دجال اور خدا کے دوسرے دشمنوں کے بارے میں اس قسم کی جو چیزیں احادیث میں مذکور ہیں ان کو ہم معجزہ یا کرامت نہیں کہتے بلکہ قضاء حاجت کہتے ہیں، کیونکہ ڈھیل دے کر سزا دینے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کی مرادیں پوری کرتا رہتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ بہتان طرازیاں کرتے ہیں اور کفر و شرک میں ترقی کرتے ہیں اور یہ کوئی خلاف عقل بات نہیں ہے''

بہر حال ہمیں اس دور کے جس قدر مباحثوں اور مناظروں کا پتہ چلا ہے اس میں سے کسی کے اندر بھی اولیاء کی کرامات کفار کے استدراجات اور ان کے باہم فرق کو زیر بحث نہیں لایا گیا ہے، علماء کلام کے درمیان یہ مسئلہ بحث میں اس

وقت آیا جب مسلمانوں میں تصوف کا چرچا ہوا اور علماء خدارسیدہ بزرگوں کے احوال وکرامات اور خوارق عادات میں دلچسپی لینے لگے، یہ صورت حال ہمارے اس گمان کو تقویت بخشتی ہے کہ یا تو بعد کے ادوار میں اس مسئلہ کا اضافہ والحاق کیا گیا ہے یا ماترید یہ اور اشاعرہ کی آراء لے کر بعد میں یہ رسالہ مرتب کیا گیا ہے۔

(ابو حنیفہ ص ۱۸۶ تا ۱۸۹)

ابو مطیع بلخیؒ

آپ کا نام حکم بن عبداللہ اور کنیت ابو مطیع ہے آپ نے امام صاحب سے الفقہ الاکبر کی روایت کی ہے اسکے علاوہ عون ہشام، حسان، مالک بن حسن وغیرہ سے بھی روایت کرتے ہیں، اور ان سے احمد بن منیع، خلاد بن اسلم اور ایک بڑی جماعت نے روایت کی ہے، آپ اپنے وقت کے صاحب بصیرت انسان تھے، علامہ ذہبی کے بیان کے مطابق آپ کی وفات ۱۹۹ھ میں ہوئی۔

میزان الاعتدال میں ہے: موصوف قیاس میں بہت بصیرت رکھتے تھے، بہت بڑے علامہ تھے، لیکن روایت کے سلسلے میں قابل اعتبار آدمی نہیں تھے، ابن مبارک ان کی دینداری اور علم کی وجہ سے ان کی تعظیم کرتے تھے ابوداؤد نے فرمایا کہ محدثین ان سے روایت نہیں کرتے کیونکہ جہمی ہیں، ابن حبان نے کہا کہ وہ مرجیہ کے سرداروں میں سے تھے، موصوف امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں پیش پیش تھے، ۸۴ سال کی عمر پاکر ۱۹۹ھ میں انتقال کر گئے۔

(الفوائد البھیہ ص ۳۲ مجتبائی۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۶۹ مطبعہ السعادۃ)

امام صاحب پر الزام ارجاء اور اس کی حقیقت

مرجیہ میں زیادہ تر لوگ کوفہ کے تھے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد، اور ابراہیم نخعی جیسے لوگ مرجئ نہیں تھے، مرجیہ، خوارج کے بالکل برخلاف یہ کہہ رہے تھے کہ اعمال ایمان کا جز نہیں ہیں، ان کی بدعت اور بدعتوں کے مقابلے میں ہلکی ہے، اس لئے کہ اس سلسلے میں زیادہ تر اختلاف لفظی ہے، حقیقی نہیں، جن فقہاء کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے، مثلاً حمادؒ، امام ابوحنیفہ وغیرہ وہ بھی تمام اہل سنت والجماعت کی طرح اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل کبائر میں سے جس کو چاہے گا عذاب دے گا، پھر شفاعت کی بنا پر ان کو جہنم سے نکالے گا، جیسا کہ صحیح احادیث میں آیا ہے، اس کے علاوہ وہ لوگ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ ایمان کے لئے زبان سے تلفظ بھی ضروری ہے، نیز فرائض کا ادا کرنا بھی ضروری ہے، اس کا تارک مذمت اور عذاب کا مستحق ہے، خلاصہ یہ کہ اعمال کے جز ایمان ہونے نہ ہونے کے بارے میں اور استثناء وغیرہ کے بارے میں عام طور پر لفظی اختلاف ہے اور جن اکابر کو (مثلاً علقمہ بن حبیب، ابراہیم تیمی وغیرہ) ارجاء کے ساتھ متہم کیا جاتا ہے ان کا ارجاء اسی نوعیت کا ہے۔

(مجموعۃ الرسائل الکبری ص ۲۷ تا ۲۹)

ابوعبید قاسم بن سلام نے اپنی کتاب ''الایمان'' میں ان حضرات کا نام درج کیا ہے، جو ایمان کو قول وعمل کا مجموعہ کہتے ہیں اور اس میں کمی زیادتی کے قائل ہیں ان میں زیادہ تر لوگ کوفہ کے ہیں، میرے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے

کہ ارجاء کی ابتداء کوفہ سے ہوئی، چنانچہ ارجاء کے پہلے قائل حماد بن ابوسلیمان ہیں، لہٰذا کوفہ کے علماء کو ضرورت پڑی کہ علی الاعلان اس پر نکیر کریں جس طرح جہمیہ اور معطلہ چونکہ شروع میں خراسان کے اندر پیدا ہوئے، اس لئے دوسرے علاقوں کے مقابلے میں خراسان کے علماء نے جہمیہ پر کثرت کے ساتھ رد کیا۔

(کتاب الایمان لابن تیمیہ ص ۱۶۱، ۱۶۲)

امام تیمیہ: علامہ کشمیری کی نظر میں

علامہ ابن تیمیہ کی پیدائش ۶۶۱ھ اور وفات ۷۲۸ھ میں ہوئی، تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ دعوت وعزیمت جلد دوم مولفہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، امام ابن تیمیہ، مؤلفہ یوسف کوکن عمری، ابن تیمیہ مؤلف شیخ ابوزہرہ۔

علامہ ابن تیمیہ میں جہاں بیسیوں کمالات تھے، یہ کمی بھی تھی کہ وہ اپنی ہی کہتے تھے دوسروں کی نہیں سنتے تھے، ہمارے حضرت شاہ صاحب علامہ کشمیری بھی جو علامہ کے فضل وتبحر علمی کے بیحد مداح تھے اور بڑی تعظیم وتکریم کے ساتھ ان کے اقوال درس بخاری کے وقت نقل کیا کرتے تھے فرماتے تھے کہ علامہ میں یہ کمی تھی کہ اپنی ہی کہتے تھے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری امرتسر سے دیوبند آئے، تو مجھ سے پوچھنے لگے کہ ابن تیمیہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: اپنی خوب کہتے ہیں، دوسرے کی نہیں سنتے، اس پر انہوں نے میری تائید کی اور ہاتھ رکھ کر کہا ''زور زور'' پھر فرمایا جہاں بولتے ہیں، حدیث اور معقول وفلسفہ

کے دریا بہا دیتے ہیں مگر دوسرے کی بالکل نہیں سنتے، ایک دفعہ فرمایا: ابن تیمیہ گو پہاڑ ہیں علم کے مگر عربیت اونچی نہیں ہے، اسی لئے سیبویہ کی سترہ غلطیاں نکالی ہیں، میرا خیال ہے کہ خود ہی غلط سمجھے ہیں، فلسفہ بھی بہت زیادہ جانتے ہیں بلکہ معقولات کا اس قدر مطالعہ واستحضار کم کسی کا ہوا ہوگا، مگر ناقل ہیں حاذق نہیں ہیں، بعض اوقات کچی بات کو اختیار کر لیتے ہیں جو حاذق کی نشانی نہیں۔

(مقدمہ انوار الباری ص ۱۲۷/ ج ۲)

علامہ ابن تیمیہ کی تیز مزاجی کا بہت سے سوانح نگار تذکرہ کرتے ہیں، چنانچہ ابن تیمیہ کے مولف لکھتے ہیں: ہر ایک انکی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے، البتہ ان کا ایک بڑا نقص ان کی حدت طبع تھی، جس کو ان کے حریف کبر وغرور سے تعبیر کرتے تھے۔ (ص ۶۱)

علامہ ابن عبد البر مالکی

آپ کا نام یوسف ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے: یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر اندلسی، ابوعمر کنیت ہے اور آپ ابن عبدالبر کے نام سے مشہور ہیں، آپ کی پیدائش ۳۶۸ھ اور وفات ۴۶۳ھ میں ہوئی موصوف پہلے ظاہری تھے پھر مالکی ہو گئے، لیکن چند مسائل میں فقہ شافعی کی طرف رجحان تھا، یہ رجحان ان کے لئے قابل اعتراض بات نہیں ہیں، کیونکہ وہ قریب قریب درجہ اجتہاد کو پہنچ چکے تھے، انہوں نے موطا مالک کے سلسلے میں چند مفید تصانیف کیں، (۱) کتاب التمهيد مما في الموطأ من المعاني والأسانيد، (۲) الاستذكار

لـمـذهب علماء الأمصار (یہ کتاب التمہید کا اختصار ہے)(۳)التقصی فی اختصار المو طأ، ان کی چند دوسری تصانیف یہ ہیں: کتاب الکافی (فقہ مالکی)، کتـاب الانتـقـاء لـمـذهـب العلماء مالک و أبی حنیفة و الشافعی ، کتاب الکنی والمغازی وغیرہ۔

(مقدمہ اوجز المسالک ص۲۹،۳۰ ط ہند)

اقتباس:۸

وأثبت شئی فی هذاالباب عقیدة الطحاوی، فانه کتب فی أوله أنه یکتب فیه عقائد الامام أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ وأبی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ، وأحسن شروحه شرح القونوی وهو حنفی المذهب تلمیذ ابن کثیر. (فیض الباری،۱/۶۰)

اہل سنت کے عقائد میں صحیح ترین کتاب ''عقیدۂ طحاوی'' ہے، کیونکہ اس کے شروع میں لکھ دیا گیا ہے کہ اس کتاب میں ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے عقائد لکھے جائیں گے، اور اس کی بہترین شرح قونوی کی ہے، جو حنفی المذہب ہیں اور علامہ ابن کثیر کے شاگرد ہیں۔

☆☆☆☆☆

عقائد طحاوی

امام طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے اپنی کتاب کا نام ''بیان السنة و الجماعة'' رکھا ہے، اس کتاب کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: شجاع الدین ھبۃ اللہ بن احمد ترکستانی متوفی ۷۳۶ھ کی شرح، ترکی زبان میں نجم الدین منکوبرس متوفی ۶۵۲ھ کی شرح کا نام ''النور اللامع

والبرهان الساطع ''ہے، صدرالدین علی بن محمد دمشقی حنفی متوفی ۷۴۶ھ کی شرح، محمود بن احمد بن مسعود حنفی قونوی ۷۷۰ھ کی شرح، اس شرح کا نام ''القلائد فی شرح العقائد ''ہے، قاضی سراج الدین عمرو بن اسحاق ہندی حنفی متوفی ۷۷۳ھ کی شرح، ابوعبداللہ محمود بن محمد اسحاق حنفی قسطنطینی کی شرح، مولانا کافی حسن آفندی اقحصاری متوفی ۱۰۲۵ھ کی شرح، اس شرح کا نام ''نور الیقین فی أصول الدین ''ہے۔ (کشف الظنون ص ۲۷ ج ۲)

علامہ قونوی

محمود بن احمد بن مسعود بن عبدالرحمٰن، ابوالثناء اور ابوالمحاسن کنیت ہے، جمال الدین لقب ہے، قونیہ ترکی میں ولادت ہوئی، اس لئے قونوی کہلاتے ہیں، دمشق میں قاضی رہے، اس لئے دمشقی بھی لکھا جاتا ہے، کتب تراجم میں ان کا سن ولادت مذکور نہیں، اندازاً ۶۹۴ھ یا ۶۹۵ھ ہوگی، ان کے احوال بہت تفصیل سے مذکور نہیں، اس لئے اساتذہ و تلامذہ، نیز اسفار و احوال بہت کم دستیاب ہیں، دوبار دمشق میں حنفیہ کے قاضی بنائے گئے، پہلی مرتبہ چند ہی دنوں میں معزول کردئے گئے، دوبارہ تقریباً پانچ سال قاضی رہے، دمشق میں حنفیہ کے مدرسہ ریحانیہ اور خاتونیہ کے مدرس رہے۔

ان کے والد سراج الدین ابوالعباس احمد بھی حنفیہ کے بڑے عالم تھے، بعض کتابوں کے مصنف تھے۔

ان کے ابن کثیر کے شاگرد ہونے کی صراحت تو کہیں نہیں ملی، لیکن ابن

ناصرالدین دمشقی کی کتاب ''الردالوافر'' دیکھنے سے قونوی کی علامہ ابن تیمیہ سے ملاقات کا پتہ چلتا ہے، حافظ ابن کثیر کی وفات ۷۷۴ھ میں ہوئی، اس لحاظ سے قونوی اور ابن کثیر معاصر ہیں، اگرچہ قونوی ابن کثیر سے کچھ بڑے ہیں، لیکن اس کا پورا امکان ہے کہ قونوی ابن کثیر کے شاگرد ہوں، جیسا کہ علامہ کشمیری نے لکھا ہے۔

۷۷۰ھ یا ۷۷۱ھ میں ۷۶ سال کی عمر میں وفات پائی، ۷۷۰ سن وفات دیگر قرائن کے سبب مرجوح معلوم ہوتا ہے، ان کی چند اہم تصانیف یہ ہیں:

خلاصة النهاية في فوائد الهدايه، المنهى فى شرح المغنى (اصول فقہ تین جلدوں میں)، القلائد فى شرح العقائد، (ایک جلد، عقیدۂ طحاویہ کی یہ شرح قازان، روس سے طبع ہو چکی ہے)، التفريد في (شرح أو اختصار) التجريد للقدورى (چار جلدیں)، الزبدة في شرح العمدة، تهذيب أحكام القرآن، المعتمد فى أحاديث المسند الى للإمام الأعظم أبى حنيفة، مشرق الأنوار فى مشكل الآثار، الغنية فى الفتاوىٰ، المنتخب من وقفى هلال و الخصاف۔

(تاج التراجم ۱/ ۱۰۵، الدرر الکامنۃ ۶/ ۸۰، معجم المؤلفین ۱۲/ ۱۴۹ و ۱۵۰، مقدمۃ التحقیق الاعجاز فی الاعتراض د. مسلم الدوسری ۱۳۲ تا ۱۴۱)

مفسر قرآن علامہ ابن کثیرؒ

ابن کثیر کا اسم گرامی اسماعیل بن عمر بن کثیر اور لقب عماد الدین ہے، آپ مسلکا شافعی تھے، پیدائش ۷۰۱ھ میں ہوئی اور سات سال کی عمر میں اپنے بھائی کے ساتھ دمشق آئے، موصوف نے ابتدائی تعلیم دمشق میں حاصل کی، اور علم فقہ برہان فزاری اور کمال الدین بن قاضی شھبہ سے سیکھا، حافظ مزی کے داماد تھے، اور حافظ ابن تیمیہ کی صحبت اختیار کی، علم اصول علامہ اصبہانی سے پڑھا، آپ نے بچپن ہی میں ''احکام التنبیہ'' تصنیف کی۔

علامہ ابن کثیر کو نسیان بہت ہی کم پیش آتا تھا، قوت استحضار بہت عمدہ تھی، ذکاوت وفہم بھی اچھا تھا، عربیت میں دستگاہ حاصل تھی، اوسط درجہ کے اشعار کہہ لیا کرتے تھے۔

حافظ ذہبی نے اپنی معجم میں ان کا اس طرح تذکرہ کیا ہے کہ آپ ممتاز محدث ومفتی ہیں، متون کے حفظ اور کثرت استحضار کے بارے میں حسینی، عراقی اور دوسرے حضرات نے بھی آپ کی تعریف ہے، موصوف نے علم حدیث احمد الحجار المعروف بـ ''ابن شحنہ'' اور بہاء الدین قاسم بن عساکر وغیرہ سے حاصل کیا، پھر حافظ مزی کا دامن پکڑ لیا اور ان کی صاحبزادی سے شادی کی، ان کی اکثر تصانیف سنیں، علاوہ ازیں علامہ تقی الدین ابن تیمیہ سے بھی بہت کافی علم حاصل کیا، ابن رجب نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ موصوف نے تصنیفات کیں، فتاوی لکھے، دور دراز جگہوں تک آپ کے فتاوی پھیلے، ضبط وتحریر کے اندر

آپ کی شہرت ہوئی تفسیر، حدیث، تاریخ میں آپ کو پیشوائی حاصل ہوئی۔

آپ کی چند تصنیفات یہ ہیں: ''البداية والنهاية'' (تاریخ)، ''تفسير ابن كثير''، ''طبقات الشافعية'' (اسماء الرجال)۔

ابن کثیر کے شاگرد ابن حجی ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم نے جن لوگوں کا زمانہ پایا، ان لوگوں میں آپ متون احادیث کے صحت وسقم، رواۃ کی جرح وتعدیل کے سب سے زیادہ واقف کار تھے، ان کے معاصرین وشیوخ بھی ان کی اس خوبی کا اعتراف کرتے ہیں، اپنی ہر وقت کی آمد ورفت کے باوجود جب بھی میں ان کے پاس بیٹھا ہوں، ہر بار میری معلومات میں اضافہ ہوا ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ امام تیمیہ کے خاص شاگرد تھے ان کا دماغ کترتے تھے اور بہت سی آراء میں ان کے متبع تھے، چنانچہ طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں انہیں کی روایت پر فتوی دیتے تھے، جس کی وجہ سے آپ کو سخت اذیتیں دی گئیں، شعبان المعظم ۷۷۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور دمشق کے مقبرہ صوفیہ میں اپنے شیخ ابن تیمیہ کے قریب ان کو دفن کیا گیا۔

(شذرات الذهب ۶/ ۲۳۱، ۲۳۲)

اقتباس:۹

وهو من قضاة طهطها، و معاصر للشاه ولی اللّٰه رحمه اللّٰه تعالی، ولم یتیسر له لقائه غیر أنه حصلت له الاجازة من کتابته، (قلت): ولعله یکون اذ ذلک صغیرا، وکانت عنده ذخیرة من الکتب النادرة ، والأسف علی أنه لم یبق الیوم فی ذریته أحد من العلماء ولم یبق لکتبه حافظ الا دابَّةُ الأرض، فانا للّٰه وانا الیه راجعون.(فیض الباری،۱/۱۰۶)

مخدوم ہاشم سندھی ''طھطھا'' شہر کے قاضی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے معاصر تھے،لیکن ان کو شاہ صاحب سے ملاقات نصیب نہیں ہوئی،ہاں خط کے ذریعہ اجازت حاصل ہوگئی تھی، میں کہتا ہوں کہ مخدوم ہاشم سندھی اس وقت چھوٹے رہے ہوں گے،ان کے پاس نادرونایاب کتابوں کا ذخیرہ تھا،لیکن افسوس کہ آج ان کی اولاد میں کوئی عالم نہیں رہ گیا،اور زمین کے کیڑوں کے علاوہ ان کی کتابوں کا کوئی محافظ نہیں رہا،انّا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆☆☆

حاجی محمد ہاشم

شیخ علامہ محمد ہاشم بن عبدالغفور سندھی حنفی فقہ وحدیث وعربیت کے ممتاز عالم تھے، آپ کی پرورش اور نشو ونما صوبہ سندھ میں ہوئی، انہوں نے مولانا ضیاء الدین سندھی سے علم حاصل کیا، پھر حجاز کا سفر کر کے حج وزیارت کی اور مکہ مکرمہ میں مفتی احناف شیخ عبدالقادر بن ابوبکر قرشی سے استفادہ کیا، فقہ وحدیث پر پورے طور سے متوجہ ہوکر اس میں کمال حاصل کیا، اور اپنے زمانہ کی یگانہ شخصیت بن گئے۔

اور تدریس وافتاء کا کام کرتے کرتے اپنے زمانہ کے شیخ ہو گئے، صاحب دراسات شیخ معین سندھی سے ان کے مباحثے بھی چلتے تھے، آپ کی بہت ساری تصانیف میں سے چند یہ ہیں: " **بذل القوة فی سنی النبوة** "، "**جنة النعيم فی فضائل القرآن الكريم**"، "**فاكهة البستان فی تنقيح الحلال والحرام**" **حياة القلوب فی زيارة المحبوب**"، "**كشف الرين فی مسئلة رفع اليدين**" (اس کتاب میں مصنف نے یہ بات ثابت کی ہے کہ رفع یدین سے منع کرنے کے بارے میں جو روایتیں ہیں صحیح اور مقبول ہیں) آپ کی وفات ۱۱۷۴ھ میں ہوئی۔ (نزهۃ الخواطر ص ۳۶۳ ج ۶)

اقتباس:۱۰

قاله الشيخ تقى الدين بن دقيق العيد، وهو من أعيان القرن الثامن و يقال : انه شافعى ومالكى، قال الشاه عبدالعزيز فى بستان المحدثين: انه لم يخل رجل مثله أجود علما، وأدق نظرا لا فى ا لسلف ولا فى الخلف وله كتاب شهير بين الأنام فى خمس عشرة مجلدا و لم يطبع ، و ليس مفقودا، و قد طالعت نسخته وله شرح يسمى بالامام وقد طبع من املائه احكام الأحكام، وروى أن الحافظ شمس الذهبى ذهب اليه مرة ، وكان الشيخ فى شغل له، فسلم عليه، وفرد عليه السلام وقال: من أنت ؟ وقد كان سمع اسمه، دون لقبه، فأجابه باسمه ولم يذكر لقبه، فسأله الشيخ رحمه اللّٰه تعالىٰ عن أبى محمد الكاهلى من هو؟ فأجاب من ساعته : أنه سفيان بن عيينة ، فنظر اليه الشيخ من القَرن الى القدم، وكأنه تحير من سرعة جوابه.

وكان الشيخ رحمه اللّٰه معاصرا لابن تيمية رحمه اللّٰه تعالىٰ، ولم أر فى التراجم أن الحافظ رحمه

اللّٰه تعالىٰ لقى الشيخ رحمه اللّٰه تعالىٰ أم لا، مع أن الحافظ رحمه اللّٰه تعالىٰ أقام بمصر الى زمان، وكان الشيخ رحمه اللّٰه تعالىٰ أيضا هناك، فان لم يكن لقيه فكانه لم يحسن، وكان الشيخ تقى الدين رحمه اللّٰه تعالىٰ من أهل الطريقة صاحب الكرامات الباهرة، معتدل المزاج، لم يكن يتعصب للمذهب، ويتكلم بغاية الأنصاف، حتى أنه ربما يأتى بكلام يفيد الحنفية ويترشح منه أنه يقصده بخلاف الحافظ ابن حجر رحمه اللّٰه تعالى، فانه لاريب أنه حافظ يتكلم فى غاية المتانة والتيقظ، لكنه لايريد أن ينتفع الحنفية من كلامه ولو بجناح بعوضة، فان حصل فذلك بلا قصد منه.

ونظيره فى العدل والنصفة منا الحافظ الزيلعى رحمه اللّٰه تعالىٰ، وكان أيضا من أهل الطريقة،وقد جربت من أهل الطريقة ذلك العدل والانصاف، ونرجو منهم فوق ذلك فانهم عباد اللّٰه، والشيخ ابن الهمام رحمه اللّٰه تعالىٰ أيضاً من أهل الطريقة وهو منصف أيضا ،غير أنه قد يخرج عن الاعتدال يسيرا

حماية لمذهبه. (فیض الباری، ۱/۱۰۷)

شیخ تقی الدین ابن دقیق العید آٹھویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں، وہ مالکی اور شافعی تھے، شاہ عبدالعزیز نے ان کے بارے میں بستان المحد ثین میں لکھا ہے کہ ان سے زیادہ اچھے علم اور باریک نظر والا شخص نہ تو اسلاف میں گذرا ہے نہ اخلاف میں، ان کی مشہور کتاب ''الالمام'' پندرہ جلدوں میں ہے، اب تک طبع نہیں ہوئی ہے لیکن مفقود بھی نہیں ہے، میں نے اس کے نسخہ کا مطالعہ کیا ہے، اس کی ایک شرح بھی ہے جس کا نام ''الامام'' ہے، ان کی املاء کرائی ہوئی ''احکام الاحکام'' شائع ہو چکی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حافظ شمس الدین ذہبی ان کے پاس گئے، شیخ تقی الدین اپنے کام میں مشغول تھے، علامہ ذہبی نے سلام کیا تو شیخ نے سلام کا جواب دے کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ (شیخ انکا نام سن چکے تھے لقب نہیں جانتے تھے) علامہ ذہبی نے اپنا نام بتایا لقب ذکر نہیں کیا، شیخ نے ان سے پوچھا کہ ابو محمد کا ہلی کون ہیں؟ حافظ ذہبی نے فوراً جواب دیا: وہ سفیان بن عیینہؒ ہیں، شیخ تقی الدین ان کو سر سے پیر تک اس طرح دیکھنے لگے جیسے وہ ان کی حاضر جوابی پر متحیر ہوں۔

شیخ ابن دقیق العید علامہ ابن تیمیہؒ کے معاصر تھے، میں نے

تراجم کی کتابوں میں یہ بات نہیں دیکھی کہ ابن تیمیہؒ شیخ تقی الدین سے ملے یا نہیں، حالانکہ حافظ ابن تیمیہؒ کا مصر میں ایک عرصہ تک قیام رہا اور شیخ تقی الدین بھی وہیں تھے، اگر ملاقات نہیں کی تو گویا ان کے بارے میں اچھا خیال نہیں رکھتے تھے۔

شیخ تقی الدین ابن دقیق العید صاحب کشف و کرامات بزرگ، اصحاب طریقت میں سے ہیں، معتدل المزاج ہیں، مذہب کے بارے میں تعصب سے کام نہیں لیتے، اور انتہائی عدل وانصاف کے ساتھ کلام کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ بسا اوقات ایسا کچھ کہہ گذرتے ہیں جو حنفیہ کے لئے مفید ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا بالقصد کہہ رہے ہیں، اس کے برخلاف علامہ ابن حجر اگرچہ حافظ حدیث ہیں، انتہائی متانت اور بیدار مغزی سے کلام کرتے ہیں، لیکن وہ یہ نہیں چاہتے کہ حنفیہ کو ان سے مکھی کے پر کے برابر بھی فائدہ ہو، اور اگر کہیں فائدہ ہوگیا تو ایسا ان کے ارادہ کے بغیر ہوا۔

عدل وانصاف کے اندر احناف میں تقی الدین ابن دقیق العید کی طرح حافظ زیلعی ہیں، وہ بھی اصحاب طریقت میں سے ہیں، اور مجھ کو اصحاب طریقت سے اسی قسم کے عدل وانصاف کا تجربہ ہوا ہے، اور ہم ان حضرات سے اس سے زائد کی امید کرتے

ہیں کیونکہ وہ اللہ کے مخلص اور نیک بندے ہیں، شیخ ابن ہمام بھی اہل طریقت میں سے ہیں، منصف مزاج ہیں، مگر کبھی کبھی وہ اپنے مذہب کی حمایت میں تھوڑا سا اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

شیخ تقی الدین ابن دقیق العیدؒ

آپ کا نام محمد بن علی بن وھب بن مطیع بن ابی طاعہ، لقب تقی الدین اور کنیت ابوالفتح ہے، ابن دقیق العید کے نام کے ساتھ مشہور ہیں، آپ کا آبائی وطن مصر کا مشہور شہر "منفلوط" ہے، ان کے والد قوص سے مکہ جارہے تھے حج کرنے، اسی درمیان بحر احمر کے ساحل پر شیخ تقی الدین کی ۶۲۵ھ میں پیدائش ہوئی، مکہ پہونچ کر ان کے والد نے اس نومولود کو ہاتھ میں لے کر بیت اللہ کا طواف کیا اور اس کے لئے علم وعمل کی دعائیں کیں۔

قوص میں انتہائی درجہ کی پاک دامنی، انہماک، احتیاط، برے کاموں سے دوری کے ساتھ آپ کی نشو نما ہوئی، آپ بہت بڑے صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے۔

راتوں میں کبھی تو آپ پورا وقت مطالعہ کرنے میں صرف کردیتے، اور کبھی پوری رات ایک ہی آیت کی تلاوت میں گزار دیتے، شیخ خود فرماتے ہیں کہ میں نے جو بھی کام کیا ہے اور جو بات کہی ہے، ہر ایک کا عنداللہ جواب تیار کرلیا ہے، آپ مخاطبوں کے فرق مراتب کا لحاظ کرتے، چنانچہ عام آدمیوں کو خواہ بادشاہ

وقت ہی ہوا نسان کہہ کر پکارتے ،اور اگر مخاطب بہت بڑا فقیہ ہوتا تو اس کوفقیہ کہہ کر پکارتے ، یہ لفظ صرف ابن رفعہ جیسے لوگوں کے لئے استعمال کرتے ، محض شیخ علاء الدین باجی کو امام کہہ کر پکارتے۔

آپ تمام علوم کے جامع تھے اور ہر فن میں ان کو کامل دستگاہ حاصل تھی ، احادیث کے علوم کے جاننے میں تمام معاصرین پر فائق تھے، اور اس فن میں ان کو بصیرت حاصل تھی، اس کے علاوہ احادیث سے احکام فقہیہ مستنبط کرنے میں وہ ساری دنیا کے امام ہیں، ادب میں بھی ماہر تھے حتیٰ کہ مشہور نثر نگار شہاب محمود کہا کرتے تھے کہ میری آنکھوں نے ان سے بڑا ادیب نہیں دیکھا۔

موصوف کے شدید انکار کے باوجود ان کو شافعیہ کا قاضی القضاۃ بنا دیا گیا، وہ متعدد بار اس عہدہ سے الگ ہو گئے ، پھر بھی اصرار کر کے بار بار ان کو اس منصب پر مقرر کیا گیا، آپ اگر چہ کثیر الروایۃ حفاظ حدیث میں سے ہیں لیکن ان کی روایتیں بہت ہی کم موجود ہیں، کیونکہ وہ روایت کرنے میں بڑی احتیاط برتتے تھے، شاہ عبد العزیز صاحب بستان المحدثین میں فرماتے ہیں کہ ''فن حدیث کے اکثر علماء محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحابہ کے دور سے لیکر شیخ ابن دقیق العید کے زمانہ تک کسی نے حدیث کے معانی میں اتنی باریک بینی سے کام نہیں لیا ہے۔

آپ کی چند تصانیف ہیں ''احکام الأحکام '' (مطبوعہ دو جلدیں)، **الالمام فی احادیث الأحکام** (مطبوعہ)، **الامام فی شرح**

الأحكام (مخطوطہ)، الاقتراح فی بیان الاصطلاح (مطبوعہ)، تحفة اللبیب فی شرح التقریب (مطبوعہ)، شرح الأربعین حدیثاللنووی (مخطوطہ)۔

صفر ۷۰۳ھ میں آپ واصل بحق ہوئے آپ کو دمشق میں دفن کر دیا گیا۔

(الطبقات الکبری لابن السبکی ۲ تا ۶/۱۹، قاموس الاعلام ص ۱۷۲۳، ۱۷۴/۷، بستان المحدثین ص ۱۲۸)

حافظ شمس الدین ذہبی

آپ کا اسم گرامی محمد، کنیت ابو عبداللہ لقب شمس الدین ہے، آپ ذہبی کے نام سے مشہور ہیں سلسلۂ نسب اس طرح ہے: محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز بن عبداللہ ترکمان۔

موصوف کا آبائی وطن ''میا فارقین'' ہے، شہر دمشق میں آپ کی پیدائش ہوئی، ۶۹۲ھ میں حدیث سیکھنی شروع کی، رفتہ رفتہ آپ تاریخ، حدیث، اسماء الرجال کے اندر یگانہ روزگار ہو گئے، آپ بہت سے مدارس مثلاً ظاہریہ نفیسیہ وغیرہ میں تدریس کا کام انجام دیتے رہے، متقدمین کی کتابوں کے اختصار کے ساتھ ساتھ آپ نے خود بھی مختلف فنون میں کارآمد تصنیفات کیں، جن کی تعداد سو تک پہنچتی ہے، تصنیفات کا دور دراز شہروں میں چرچا ہونے لگا۔

آپ مذہباً شافعی اور اعتقاداً حنبلی تھے، اس لئے جرح وتعدیل کی کتابوں مثلاً میزان الاعتدال وغیرہ میں اشاعرہ کے ساتھ تعصب سے کام لیتے تھے، ان

کے شاگردِ رشید تقی الدین السبکی فرماتے ہیں: سچ بات تو یہ ہے کہ شیخ اعتقاد میں حنابلہ کی طرف شدت سے مائل تھے اور اشاعرہ کو جن کے سرخیل شیخ ابوالحسن اشعری ہیں متہم کرتے تھے، اسی لئے تراجم میں وہ ان کے ساتھ انصاف نہیں برتتے ہیں اور اشاعرہ کا اچھے الفاظ میں تذکرہ نہیں کرتے ہیں، ذی قعدہ ۷۴۸ھ میں دمشق کے اندر آپ کا انتقال ہوا، اور آپ الباب الصغیر کے مقبرہ میں دفن کر دیئے گئے۔

ان کی چند تصنیفات یہ ہیں: ''**دول الاسلام، تاریخ الاسلام الکبیر، سیر أعلام النبلاء، تذکرة الحفاظ، میزان الاعتدال، الکاشف، العبر فی خبر من غبر، تجرید أسماء الصحابة، الرواة الثقات، الطب النبوی، المسند۔**''

(قاموس الاعلام ص۲۲۲ ج۶، ذیول تذکرة الحفاظ و ہامشہ ص ۳۵، ۳۶، طبقات کبریٰ ص۲۲۰ ج۵)

علامہ ذہبی کا تراجم پر عبور

علامہ ذہبی نے مصر میں ابرقوہی، عیسیٰ بن عبد المنعم، ابومحمد دمیاطی، ابوالعباس بن المظاہری، ابن دقیق العید سے احادیث سنیں، شیخ ابن دقیق العید بہت جانچ پرکھ کر کسی کو حدیث سننے کی اجازت دیتے تھے چنانچہ جب علامہ ذہبی حاضر ہوئے تو ان سے پوچھا آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟ جواب دیا شام سے آیا ہوں، پھر سوال کیا: آپ کس نام سے مشہور ہیں؟ جواب دیا: ذہبی

کے نام سے، اس کے بعد شیخ نے سوال کیا: ابو طاہر ذہبی کا نام کیا ہے؟ عرض کیا مخلص نام ہے، دوسرا سوال کیا: ابو محمد کاہلی کون ہیں؟ جواب دیا: سفیان بن عیینہ، شیخ نے تحسین فرمائی، اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ راویوں کے نام سے واقف ہیں تب ان کو پڑھنے کی اجازت دی۔

(طبقات کبریٰ ص ۲۱۶ ج ۵، شذرات الذہب ص ۱۵۴ ج ٦)

حافظ زیلعی

آپ کا نام عبداللہ ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے: عبداللہ بن یوسف بن محمد بن ایوب بن موسیٰ، حنفی لقب جمال الدین اور کنیت ابو عبداللہ ہے، ساحل حبشہ پر واقع شہر زیلع کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو زیلعی کہتے ہیں، کنزالدقائق کے شارح شیخ فخر الدین زیلعی (حافظ زیلعی کے استاد) اور دوسرے چند حنفی علماء بھی اس شہر کی طرف منسوب ہیں۔

ابن فہد مکی نے تذکرۃ الحفاظ کے ذیل میں موصوف کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ نے فقہ حاصل کی اور اس میں ممتاز ہو گئے، اس کے بعد مطالعہ کرتے رہے اور پوری توجہ سے حدیث سیکھی، احادیث کا انتخاب کیا، تخریج و تالیف کی، نجیب حرانی کے شاگردوں اور دوسرے بہت سے محدثین سے حدیث سنی۔

تقی الدین ابو بکر تمیمی ''الطبقات السنیۃ'' میں فرماتے ہیں: آپ علم حاصل کرنے میں مشغول ہوئے تو نجیب کے شاگردوں سے احادیث سنی، شارح کنز حافظ فخر الدین زیلعی اور قاضی علاء الدین ترکمانی وغیرہ سے استفادہ کیا، اس کے

بعد پابندی سے حدیثوں کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے حتیٰ کہ نہایت استیعاب کے ساتھ ھدایہ اور کشاف کی احادیث کی تخریج کی۔

حافظ ابن حجرؒ ''الدرر الکامنۃ'' میں فرماتے ہیں: مجھ سے میرے شیخ زین الدین عراقی تذکرہ کرتے تھے کہ وہ اور علامہ زیلعی جن کتابوں کی تخریج کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے، اس سلسلہ میں حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کرنے میں ایک دوسرے کی رفاقت کرتے تھے، عراقی احیاء العلوم کی احادیث اور ترمذی کی احادیث کی تخریج کر رہے تھے، ہر ایک دوسرے کی اعانت کرتا تھا، زرکشی نے بہت سے مواقع پر تخریج احادیث الرافعی میں زیلعی کی نصب الرایۃ سے استفادہ کیا ہے۔

ابن الندیم فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ ابن حجر کے قلم سے یہ بھی لکھا ہوا دیکھا کہ زیلعی نے تخریج احادیث الھدایہ میں ان تمام احادیث و آثار کا استیعاب کر لیا ہے جن کو صاحب ھدایہ نے صراحۃً ذکر کیا ہے یا اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے، ساتھ ہی ہر باب میں مخالفین کے دلائل لانے کا التزام کیا ہے، اس بارے میں وہ بہت منصف مزاج واقع ہوئے ہیں، تمام دلائل کو بلا کم و کاست، اعتراض و تعاقب کے بغیر ذکر کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے ہر طبقہ کے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

تخریج احادیث کشاف میں انہوں نے صرف احادیث مرفوعہ کی بالاستیعاب تخریج کی ہے، اور ایسی بہت ساری احادیث مرفوعہ بھی رہ گئی ہیں جن

کو صاحب کشاف نے اشارۃً ذکر کیا ہے، اکثر وہ احادیث موقوفہ سے تعرض نہیں کرتے ہیں، میں نے حافظ ابن حجر کے لکھے ہوئے جستہ جستہ اور فوائد دیکھے۔

محقق کبیر شیخ زاہد کوثریؒ نے ذیل ابن فہد کے حاشیہ میں لکھا ہے کی خود حافظ ابن حجرؒ نے اپنی تخریجات میں ان سے استفادہ کیا ہے، فاضل محقق شیخ عبدالحیؒ ''الفوائد البھیۃ'' میں لکھتے ہیں کہ بعد کے شراح ھدایہ نے نصب الرایہ سے استفادہ کیا ہے، بلکہ خود حافظ ابن حجر نے بھی اپنی تخریجات مثلاً ''تخریج شرح الوجیز للرافعی'' وغیرہ میں بکثرت نصب الرایۃ سے مدد لی ہے۔

استاذ کوثری فرماتے ہیں کہ زیلعی طبقہ میں عراقی سے اونچے تھے، بلند مرتبہ ہونے کے باوجود تخاریج کے سلسلہ میں ان کی عراقی سے رفاقت اس بات کا پتہ دیتی ہے کی موصوف بہت ہی متواضع اور اخلاق مند آدمی تھے، ان کی تخریجات معانی حدیث، رجال، متون، طرق کے بارے میں ان کی وسعت اطلاع کی شاہد عادل ہیں، آپ مذہبی تعصب سے پاک تھے، چنانچہ مخالفین کی روایتوں کو جمع کر دیتے تھے، اور گنجائش کے باوجود اس میں کلام نہیں کرتے تھے۔

امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ حافظ جمال الدین زیلعی اگر ایک طرف علوم کے دریا، بہت بڑے محدث اور حافظ حدیث ہیں تو دوسری طرف وہ مشائخ صوفیہ کے اس زمرے میں بھی شامل ہیں جن کے نفوس مجاہدوں اور خلوتوں کی بنا پر مزکیٰ ہو گئے ہیں اور ان کے قلوب شہوات اور رذائل سے پاک ہو چکے ہیں، اس کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کے لئے تعصب نہیں کرتے ہیں بلکہ

مخالفین کے قدم بہ قدم چلتے ہیں، اوران سے انتہائی انصاف کا معاملہ کرتے ہیں۔

علامہ کشمیریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں مذہب حنفیہ کے جس قدر دلائل فراہم کئے ہیں سب نصب الرایہ سے ماخوذ ہیں، سوائے تین جگہوں کے ان میں سے ایک مہر کی واجب مقدار کا مسئلہ ہے، زیلعی کے تمام تذکرہ نگاروں مثلاً حافظ ابن حجرؒ ابن فہد، سیوطی، تیمی، کفوی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان کی وفات ۷۶۲ھ میں ہوئی، لیکن ان میں سے کسی نے بھی ان کی تاریخ پیدائش ذکر نہیں کی ہے، وفات کے بعد آپ کو شاہرہ میں دفن کیا گیا۔

شیخ ابن ھمامؒ

آپ کا نام محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید بن مسعود ہے، لقب کمال الدین اور کنیت ابن ہمام ہے ۷۹۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے، قاری الہدایہ سے فقہ سیکھی، اور علم اصول سیکھنے کے لئے ان کے ساتھ رہے، قاہرہ آنے کے بعد قاضی محبّ الدین ابن شحنہ کی صحبت اختیار کی، انہیں کے ساتھ حلب واپس آئے اور ابن شحنہ کے انتقال تک انکا ساتھ نہیں چھوڑا، عربیت جمال الدین حمیدی سے سیکھی، اور علم اصول وغیرہ بساطی سے، حدیث جمال الدین حنبلی اور شمس الدین شامی سے سنی، علامہ مراغی اور ابن زہیرہ وغیرہ سے بھی آپ کو اجازت حاصل ہے، آپ اپنے تمام معاصرین سے آگے بڑھ گئے اور علوم میں کمال پیدا کیا، پھر علوم کی اشاعت میں لگ گئے آپ سے خلق خدا نے بہت فائدہ اٹھایا، آپ علم فقہ، اصول فقہ، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، تصوف موسیقی وغیرہ میں علامہ وقت

تھے، جدل اور خلافیات کے بھی محقق تھے، کہا کرتے تھے کہ میں معقولات میں کسی کی تقلید نہیں کرتا۔

ان کے معاصر برہان انباسی نے فرمایا: اگر دین کے دلائل طلب کیے جائیں تو ہمارے شہر میں ابن ہمام کے علاوہ کوئی بھی دلائل قائم نہیں کرسکتا، شیخ صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے، شروع میں بالکل تجرد اختیار کرلیا تھا لیکن خود ان سے اہل تصوف نے کہا کہ لوگوں کو آپ کے علم کی ضرورت ہے لہٰذا اس تجرد کو ترک کردیجئے۔

آپ خوش اخلاق، ملنسار، بلند کردار، شیریں آواز، باوقار، بارعب، انتہا درجہ کے منکسر المزاج، متواضع، محسن، اور خوبیوں والے آدمی تھے، آپ کی چند تصانیف یہ ہیں فتح القدیر شرح ہدایہ، التحریر فی اصول الفقہ، المسایرہ فی اصول الدین، زاد الفقیر، وفات ۷ رمضان المبارک ۸۶۱ھ کی شب میں ہوئی۔

(مفتاح السعادۃ ۳/۱۴۳،۱۴۳)

اقتباس:۱۱

قال الشيخ رحمه اللّٰه تعالىٰ :وكان الدارمی فی طبقة البخاریؒ ، وكان أسن منه ، ولذا تجد الثلاثيات عنده أزيد من البخاری ، وكنيته أبومحمد ، ولم يكن البخاری ينشد شعرا ، فلما توفی الدارمی أنشد شعرا علی وفاته ، وعند محمد بن الحسن توجد الثنائيات أيضاً،وفی تقرير الفاضل عبدالعزيز: أن الثنائيات لمحمد قد جمعها عالم ببلدة الكشمير ، وكانت عند شيخناؒ أيضاً.(فیض الباری،۱/۱۱۸)

علامہ کشمیری نے فرمایا کہ دارمی بخاری کے طبقہ میں تھےاور بخاری سے سن رسیدہ تھے، اسی لئے تم ان کے یہاں ثلاثیات بخاری سے زیادہ پاؤ گے،ان کی کنیت ابومحمد ہے، بخاری کبھی شعر نہیں پڑھتے تھے،لیکن دارمی کے انتقال پر انھوں نے ایک شعر پڑھا۔

امام محمد کے یہاں ثنائیات بھی پائی جاتی ہیں ،فاضل عبدالعزیز کے نوٹس میں ہے کہ امام محمدؒ کی ثنائیات کو ایک کشمیری عالم نے جمع کیا ہےاور وہ مجموعہ ہمارے شیخ کے پاس تھا۔

☆☆☆☆☆

محدث دارمی

آپ کا اسم گرامی عبد اللہ، کنیت ابو محمد، لقب شیخ الاسلام تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے: عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن فضل بن بہرام بن عبد الصمد تمیمی سمرقندی، ابن عساکر کی روایت کے مطابق آپ کی ولادت ۱۸۱ھ میں ہوئی، جس سال کہ عبد اللہ بن مبارک کا انتقال ہوا، آپ کی نشو نما غیر معمولی دیانتداری اور عقلمندی پر ہوئی، بردباری، درایت، حفظ، عبادت، زہد میں آپ ضرب المثل تھے، موصوف حدیث سیکھنے کے سلسلہ میں مصر، شام، عراق وغیرہ گئے، موصوف کامل ترین مفسر اور فقیہ عالم تھے، آپ کے سامنے سمرقند کا منصب قضاء پیش کیا گیا، لیکن آپ نے قبول کرنے سے انکار فرمادیا، مگر بادشاہ کے مستقل اصرار کی بناء پر یہ عہدہ قبول کرلیا، ایک ہی فیصلہ کرنے کے بعد استعفاء پیش کردیا، اور وہ منظور ہوگیا۔

۲۵۵ھ میں ترویہ کے دن آپ کا انتقال ہوا، اور بروز جمعہ عرفہ کے دن آپ کو مرو میں دفن کیا گیا، بعض لوگوں نے آپ کا سن وفات ۲۵۰ھ لکھا ہے لیکن یہ وہم ہے۔

اسحاق بن احمد نے فرمایا کہ ہم محمد بن اسماعیل بخاری کے پاس تھے، اسی دوران ان کے پاس ایک خط آیا جس کے اندر امام دارمی کے انتقال کی خبر تھی، انھوں نے اپنا سر جھکا لیا، پھر سر اٹھا کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، ان کے رخساروں پر آنسو بہنے لگے اس کے بعد یہ شعر پڑھا:

ان تبق تفجع بالأحبة کلهم

وفـنـــاء نـفسک لا أبــا لک أفـجـع

حالانکہ امام بخاری نے درسِ حدیث میں مذکور شعر کے علاوہ کوئی شعر نہیں پڑھا، آپ نے ابومہر، مروان بن محمد، عبدالوہاب بن سعید المغنی، نضر بن شمیل، یزید بن ہارون اوران حضرات کے ہم طبقہ حرمین، خراسان، شام، عراق کے دیگر مشائخ سے حدیث سنی، آپ سے روایت کرنے والوں میں بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، حسن بن صباح وغیرہ اکابر محدثین ہیں۔

اسحاق بن احمد فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن عبداللہ بن الحبر ہ محرمی کو بغداد میں یہ کہتے ہوئے سنا: اے اہل خراسان! جب تک تمہارے اندر عبداللہ بن عبدالرحمان (دارمی) موجود ہیں تم لوگ کسی اور کے پاس مشغول نہ ہو، اسحاق یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے ابوسعید اشج کو کہتے ہوئے سنا کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن ہمارے امام ہیں، عمر بن الحسن فرماتے ہیں کہ میں مصر وشام اور دیگر بہت سے شہروں میں رہا، میں نے دیکھا کہ تمام اہل علم عبداللہ ابن عبدالرحمٰن سے واقف ہیں، حالانکہ نہ تو وہ رجاء بن المرجی کو جانتے ہیں نہ محمد ابن اسماعیل بخاری کو۔

(مقدمہ سنن دارمی، طبع مطبعۃ الاعتدال دمشق، تھذیب التھذیب ۵/۲۹۴ تا ۲۹۶)

ثنائیات وثلاثیات

ثنائی وہ حدیث ہے جس کے اندر نبی اکرم ﷺ اور راوی کے بیچ میں صرف دو آدمیوں کا واسطہ ہو، اور ثلاثی اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے اندر راوی اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان تین آدمیوں کا واسطہ ہو۔

اقتباس:۱۲

واعلم أن البيضاوی لم يصنف کتابه علی طور المحدثين بل أخذ كثيرا من الكشاف وصاحب الكشاف ياتی فی کتابه الفائق بالموضوعات أيضاً، فاعلمه.(فیض الباری،۱/۱۲۴)

جان لو کہ بیضاوی نے اپنی کتاب محدثین کے انداز پر تصنیف نہیں کی، بلکہ بہت سی باتیں کشاف سے لے لی ہیں، اور صاحب کشاف اپنی کتاب ''الفائق''میں بہت سی موضوع روایتیں بھی لے آتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

قاضی بیضاوی

آپ کا نام عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی، کنیت ابوالخیر، لقب ناصرالدین ہے، آپ شیراز کے ایک گاؤں بیضاء کے باشندے تھے، اسی نسبت سے آپ کو بیضاوی کہا جاتا ہے، چونکہ آپ شیراز کے قاضی بھی تھے اس لئے قاضی بیضاوی کے نام سے مشہور رہوئے۔

آپ کو عقائد، فقہ اور دوسرے بہت سے علوم میں دستگاہ حاصل تھی، مختلف علوم وفنون میں تصنیف وتالیف کیں، چند تصنیفات کے نام یہ ہیں: الطوالع،

المصباح فی اصول الدین، الغایة القصوی فی الفقه، المنهاج فی أصول الفقه، مختصر الکشاف، شرح المصابیح فی الحدیث۔

ایک بار آپ تبریز گئے، مجلس درس میں بالکل پیچھے بیٹھ گئے، حتی کہ کسی کو ان کی موجودگی کا علم نہ ہو سکا، درس کے درمیان استاذ نے ایک چیستان بیان کیا اور حاضرین سے کہا: اس کو حل کرو اور اس کا جواب بھی دو اور اگر جواب نہ دے سکو تو صرف اسکے معمہ کو حل ہی کر دو، اگر حل بھی نہ کر سکو تو صرف اس کا اعادہ کر دو، معمہ سنتے ہی فوراً قاضی صاحب نے جواب دینا شروع کر دیا تو ان سے استاذ نے کہا کہ جب تک تم یہ نہ جتاؤ گے کہ معمہ سمجھ بھی گئے ہو اس وقت تک تمہارا جواب نہیں سنوں گا، قاضی صاحب نے پوچھا معمہ کے الفاظ کو دہرا دوں یا دوسرے الفاظ میں مفہوم کو ادا کر دوں، یہ سن کر استاذ مبہوت ہو گئے، اور انہوں نے کہا کہ الفاظ کو دوہرا دو، بیضاوی نے الفاظ کو دوہرا کر معمہ کو حل کر دیا اور ترکیب میں جو خامی تھی اس کی وضاحت کی اور معمہ کا جواب دیا، پھر ہاتھوں ہاتھ استاذ کے سامنے ایک معمہ بیان کر کے استاذ سے اس کے حل کرنے کی فرمائش کی، استاذ لاجواب ہو گئے، اس مجلس میں وزیر بھی موجود تھا، اس نے قاضی کو اپنے قریب بلا کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بیضاوی ہوں اور شیراز کا عہدہ قضاء طلب کرنے آیا ہوں، وزیر نے ان کی تعظیم و تکریم کی اور شاہی خلعت سے نوازا، اور ان کے حسب منشا شیراز کے عہدہ قضا پر آپ کو مقرر کیا۔

بیضاوی کے سن وفات کے بارے میں سوانح نگاروں میں اختلاف ہو گیا

ہے، علامہ سبکی اور علامہ اسنوی نے سن وفات ۶۹۱ھ ذکر کیا ہے، اور علامہ ابن کثیر، کتبی اور ابن رجب نے ۶۸۵ھ ذکر کیا ہے، صاحب شذرات الذہب نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے، علامہ طاش زادہ کبری نے علامہ اسنوی کے حوالہ سے ۶۴۵ھ ذکر کیا ہے، لیکن یہ کھلی ہوئی غلطی ہے یا تو خود مصنف سے نقل کرنے میں چوک ہوئی ہے یا بعد کے نقل کرنے والوں سے فروگذاشت ہوئی ہے۔

(طبقات کبری ص ۶۹/ ج ۵، شذرات الذہب ص ۶۸۶/ ج ۷، مفتاح السعادة ص ۴۳۶/ ج ۱، البدایۃ والنہایۃ ص ۳۰۹/ ج ۱۳)

علامہ جار اللہ زمخشری

آپ کا نام محمد بن عمر بن محمد بن احمد زمخشری ہے، کنیت ابوالقسم اور لقب جار اللہ ہے، موصوف فخر خوارزم کے لقب سے مشہور تھے، بے انتہا فضل وکمال کے مالک، اعلی درجہ کے ذکی وذہین تھے، آپ کو تمام علوم میں مہارت حاصل تھی، خاص طور پر لغت، معانی، بیان، اعراب کے امام تھے، مسلکا حنفی اور اعتقادا معتزلی تھے، اور اپنے معتزلی ہونے پر نازاں تھے، چنانچہ جب کسی کے دروازے پر آتے تو کہتے ''کہو ابوالقاسم معتزلی'' دروازے پر ہے۔

رجب ۴۶۷ھ میں زمخشر گاؤں میں آپ پیدا ہوئے، بار بار بغداد آئے، علی بن منطف نیشاپوری اور ابوالقصر اصفہانی سے ادب سیکھا، شیخ الاسلام ابومنصور جوالیقی اور ابوسعد شغتائی وغیرہ سے حدیث سنی، اپنی بلند ہمتی کی وجہ سے علوم عربیہ میں بے مثال ہو گئے، یہ دونوں زمخشری سے تفسیر پڑھتے تھے، اور

زمخشری ان سے علم اصول سیکھتے، اسی طرح موصوف شیخ سدید خیاطی سے فقہ سیکھتے، آخر کار موصوف نے اپنے اندر تمام علوم کی خوبیوں کو سمیٹ لیا۔

آپ لنگڑا کر چلتے تھے، کیونکہ ایک پیر کٹا ہوا تھا اور جب کبھی باہر جانا ہوتا تھا تو اس پر اپنے لمبے کپڑے ڈال دیا کرتے تھے، اکتالیس سال کی عمر تک آپ بادشاہوں اور وزیروں کے ندیم و ہمنشیں رہے، ان کی تعریف کیا کرتے تھے، لیکن اللہ تعالی نے ایک خواب دکھایا جس کے نتیجہ میں وہ ان لوگوں سے کٹ گئے، اور دین کی طرف پورے طور پر متوجہ ہو گئے، موصوف تقوی، شب بیداری، تدریس کے اونچے درجہ پر فائز تھے، پانچ سال تک مکہ مکرمہ میں ان کا قیام رہا۔

علامہ زمخشری کی چند تصانیف یہ ہیں: الکشاف عن حقائق التنزیل (تفسیر)، الفائق فی غریب الحدیث (لغت)، أساس البلاغة، المفصل (نحو)، المقامات المستقصی (امثال)، شرح أبیات الکتاب، القسطاط فی العروض، ربیع الأبرار (محاضرات)، مکہ مکرمہ سے واپسی کے بعد قصبہ جرجانیہ کے اندر ۵۳۸ھ میں عرفہ کی رات کو آپ کا انتقال ہوا۔ (مفتاح السعادۃ ص ۴۳۱ تا ۴۳۴/ ج ۱)

اقتباس: ۱۳۰

واعلم أن الشوكاني الذى ينكر على تقليد الأئمة ثم هو يريد هو أن يدعو الناس الى تقليده، قد صنف تفسيراً سماه فتح القدير ، فجاء نواب صديق حسن خان بعده وألحق به مقدمة من قِبَله وزاد و نقص فيه وسماه فتح البيان. (فیض الباری،۱/۱۵۱)

جان لو کہ شوکانی جو ائمہ کی تقلید پر اعتراض کرتے ہیں، پھر چاہتے ہیں کہ لوگوں کو اپنی تقلید کی طرف دعوت دیں، انھوں نے ''فتح القدیر'' نامی ایک تفسیر تصنیف کی ہے،ان کے بعد نواب صدیق حسن خاں آئے اور اپنی طرف سے ایک مقدمہ ملا کر اور کچھ کمی زیادتی کر کے اس کا نام ''فتح البیان'' رکھا۔

☆☆☆☆☆

علامہ شوکانی

آپ کا اسم گرامی محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ ہے، یمن کے شہر شوکان میں آپ کی پیدائش ہوئی، اسی نسبت سے آپ کو شوکانی کہا جاتا ہے، سن پیدائش ۱۱۷۲ھ یا ۱۱۷۳ھ ہے، صنعاء میں آپ کی نشو ونما ہوئی ، طہارت اور پاکدامنی اسی وقت سے آپ کا شیوہ تھی ، ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی ، فقہ سیکھنے کے

لئے اپنے دور کے امام الفقہ احمد بن محمد حرازی کا دامن تھاما، علامہ حسین بن محمد، علامہ عبداللہ بن اسمٰعیل، علامہ قاسم بن محمد خولانی سے نحو صرف سیکھی، معانی و بیان، منطق وغیرہ علامہ حسین بن محمد مغربی اور علی بن ہادی عرہب سے سیکھی، اسی طرح دوسرے بہت سے علوم کے لئے عبدالقادر بن احمد کو کبانی کا دامن تھامے رکھا، حافظ علی بن ابراہیم وغیرہ سے علم حدیث سیکھا، جس کے نتیجہ میں آپ تمام علوم میں کامل ہو گئے، موصوف تقلید کو حرام قرار دیتے ہیں، علم و تقوی میں کمال کے ساتھ اعلان حق کے اندر بھی آپ ممتاز حیثیت کے مالک تھے، جس بات کو حق سمجھتے برملا اس بات کا اظہار کرتے، مصلحت پرستی آپ کے یہاں کوئی چیز نہیں تھی، ۱۲۲۹ھ میں موصوف صنعاء کے قاضی بنا دئے گئے، اور اس عہدے پر آخر تک برقرار رہے، ۱۲۵۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

آپ کی تصنیفات کی تعداد ایک سو چودہ ہے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: نیل الأوطار (آٹھ جلدوں میں)، البدر الطالع (دو جلدوں میں)، اتحاف الأکابر، الفوائد المجموعة فی الأحادیث الموضوعة، التعقبات علی الموضوعات، الدر البهیة فی المسئلة الفقهیة، فتح القدیر (تفسیر آٹھ جلدوں میں)، ارشاد الفحول (اصول فقہ)، السیل لجرار فی نقد کتاب الأزهار۔

(قاموس الأعلام ص ۱۹۰، ۱۹۱، التاج المکلل ج ۷/ص ۴۵۱)

نواب صدیق حسن قنوجی

صدیق حسن بن اولاد حسن بن اولاد علی، حسینی، بخاری، قنوجی، جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ میں بانس بریلی میں اپنی ننہیال میں پیدا ہوئے، والدہ کے ساتھ دادھیال قنوج آئے، چھ سال کے تھے کہ والد داغ مفارقت دے گئے، یتیمی و غربت کی حالت میں والدہ نے پرورش کی، قنوج میں اپنے بھائی احمد حسن سے ابتدائی کتب پڑھیں، فرخ آباد و کانپور میں بھی حصول علم کے لئے گئے، دہلی میں صدر الصدور مفتی صدر الدین سے علوم کی تکمیل کی، رزق کی تلاش میں بھوپال گئے، یہاں وزیر نے اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کیا، کچھ عرصہ بعد شہر بدر کر دیا، ٹونک پہنچے تو وہاں حکام و نواب نے ہاتھوں ہاتھ لیا، بھوپال واپس طلب کئے گئے، یہاں مزید عہدوں سے نوازے گئے، جن بچوں کو پڑھاتے تھے ان کی والدہ جو بیوہ تھیں، ان سے نکاح ہو گیا، ۱۲۸۰ھ میں حج سے واپس آئے تو مزید عہدوں کی ذمہ داری سپرد ہوئی، خان کا لقب عطا ہوا۔

منصبی امور کی ادائیگی کے سلسلہ میں ملکہ بھوپال شاہجہاں بیگم کے یہاں مستقل آنا جانا رہتا تھا، علم و اخلاق سے اپنے دل میں گھر کر گئے، ملکہ پر انگریزوں کی طرف سے دباؤ تھا کہ نکاح کر لیں تاکہ شوہر نوابی و سرکاری امور میں ان کے معاون بن سکیں، نکاح ہوا، کچھ عرصہ بعد یہ الزام لگا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد

پر آمادہ کرنے کی سعی کی ہے، اس کی پاداش میں اعزازات سلب کر لئے گئے، نوبت قید وبند کو پہنچ گئی، اس الزام کو ثابت نہیں کیا جاسکا تب رہائی ملی، عہدے واپس ہوئے، لیکن حالات و لوگوں کے معاملات بدل چکے تھے، استسقاء کے مرض نے آدبوچا، ۲۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۰۷ھ میں ۵۹ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

مولانا عبدالحئی حسنی صاحب فرماتے ہیں: اوصاف حمیدہ و عادات عالیہ کے حامل تھے، خط سریع وعمدہ تھا، ان کی تصنیفات میں تلخیص، تجرید اور ترجمہ ہی کا غلبہ ہے، شوکانی، ابن قیم، اور ابن تیمیہ سے خوب نقل کرتے ہیں، ان کی آراء کے دلدادہ تھے، ائمہ فقہ وتصوف سے بدگمانی کا شکار تھے۔

علماء سے محبت وتعلق بھی بے پناہ تھی، حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے قلبی محبت وعقیدت تھی، انھیں بھوپال دعوت دی، ارادہ تھا کہ بیعت کی درخواست کریں گے، لیکن شاہ صاحب نے منع فرمادیا، اور اپنا عمامہ ارسال فرمایا برکت وحسن خاتمہ کی دعا دی، کثرت استغفار کی تلقین فرمائی، پھر کیا تھا، استغفار کو ایسا مضبوطی سے تھاما کہ تسبیح مستقل ہاتھ میں رہتی تھی اور اس پر مواظبت کی برکت سے احوال قلبیہ غیر معمولی طور پر بدل گئے، حتی کہ اپنی فکری حالت خصوصا ائمہ فقہ وتصوف سے متعلق فکر سے بھی توبہ کی، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب فتوح الغیب کا ترجمہ ''مقالات الاحسان ومقامات العرفان'' ان

کی آخری کتاب تھی۔

ان کی تصنیفات کی تعداد ۲۲۲ ہے، مختصر رسائل کو شمار کر لیا جائے تو ۳۰۰ تک تعداد پہنچ جاتی ہے، بعض اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:

فتح البیان ، عون الباری، التاج المکلل، حصول المأمول، نزل الأبرار، بدور الأھلة،رسالہ ذم الکلام، المعتقد المنتقد، رسالة الاحتواء، اتحاف النبلاء، أبجدالعلوم۔

(نزھة الخواطر ۸/ ۲۴۷اتا ۲۵۰ا، اعلام زرکلی ۶/ ۱۶۷و۱۶۸)

تفسیر فتح البیان

نواب صدیق حسن خاں مرحوم خود ہی شوکانی کی تفسیر کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ’’اس تفسیر کا میں نے اختصار کیا ہے اور بہت سے مقامات پر معتبر تفاسیر سے لے کر بہت سی چیزیں بڑھائی ہیں اور اس کا نام فتح البیان فی مقاصد القرآن رکھا ہے‘‘۔ (التاج المکلل ص ۴۴۵)

واقعہ یہ ہے کہ اختصار وحذف اور معمولی ترمیم کا کام زیادہ ہے، اضافے بہت کم ہیں۔

اقتباس:۱۴

هـذا الشـافـعى لـمـا كان فقيه النفس أثنى على مـحـمـد بـن الحسن رحمهما اللّٰه تعالىٰ بما هو أهله، فتـار ة قال : انه كان يملأ القلب و العين ، لأنه كان جميلا ويملا القلب من العلم، وقال اخرىٰ: اذا تكلم مـحـمـد رحـمه اللّٰه تعالىٰ فكأنما ينزل الوحى ، ومرة قال: انى حملت عنه وِقرى بعير من العلم .

وأمـا الـمـحـدثون فـمن لم يكن منهم فقيها لم يعرف قدره ورتبته ، ولم تنقل عنهم كلمات التبجيل فـى شانه رحمه اللّٰه تعالىٰ، ووجه نكارتهم أنه أول من جـر د الـفـقـه مـن الحديث، وكانت شاكلة التصنيف قبـل ذلـك ذكـر الآثـار والـفقه مختلطاً ، فلما خالف دأبهـم طعنوا عليه فى ذلك ، مع أنه لم يبق الآن أحد مـن الـمذاهب الأربعة الا وقد فعل فعله وسار سيرته، فرحم اللّٰه من أنصف و لم يتعسف.

(فیض الباری،۱/۱۵۲،۱۵۳)

امام شافعی چونکہ فقیہ النفس تھے،اس لئے انھوں نے امام محمد کی کما حقہ تعریف کی ہے،کبھی فرماتے ہیں کہ امام محمد دل اور آنکھ

دونوں کو بھر دیتے ہیں (کیونکہ خوبصورت تھے اور علم بھی اچھا تھا)، کبھی فرماتے ہیں کہ جب امام محمد گفتگو کرتے تھے معلوم ہوتا تھا کہ وحی نازل ہو رہی ہے، ایک بار فرمایا: میں نے ان سے دو اونٹوں کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا۔

جہاں تک محدثین کی بات ہے تو ان میں جو لوگ فقیہ نہیں ہیں ان کو امام محمد کی قدر و منزلت معلوم نہیں، اس لئے ان لوگوں سے تعریفی کلمات منقول نہیں ہیں، محدثین کی ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ امام محمدؒ پہلے شخص ہیں جنھوں نے فقہ کو حدیث سے الگ کیا، ان سے پہلے تصنیف کا انداز یہ تھا کہ حدیث کو فقہ کے ساتھ مخلوط کر کے ذکر کرتے تھے، بہرحال چونکہ انھوں نے محدثین کے انداز کے خلاف کیا اس لئے ان لوگوں نے اس بارے میں ان کو مطعون کیا، حالانکہ آخر کار تمام مذاہب والوں کو ان کی اتباع کرنی پڑی اور سب نے ان کا طریقہ اختیار کیا۔

☆☆☆☆☆

امام محمدؒ امام شافعی کی نظر میں

امام شافعی فرماتے ہیں ''مجھ پر فقہ میں سب سے زیادہ احسان محمد بن الحسن کا ہے، سمعانی امام شافعی سے نقل کرتے ہیں ''اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کے ذریعہ مدد کی حدیث میں ابن عیینہ اور فقہ میں محمد بن الحسن کے ذریعہ، امام شافعی کے

شاگرد ربیع نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا: علم اور دنیاوی اسباب کے بارے میں مجھ پر جس قدر احسان امام محمدؒ کا ہے اتنا کسی اور کا نہیں ہے، علامہ ذہبی نے اپنے رسالہ میں امام شافعی کا یہ قول ذکر کیا ہے: میں نے قرآن کا محمد بن الحسن سے زیادہ کسی کو واقف کار نہیں دیکھا۔

صیمری صیمری اپنی سند سے امام شافعی کا یہ قول نقل کرتے ہیں: ''میں نے کسی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا جو حلال وحرام، علل، ناسخ ومنسوخ کو امام محمد سے زیادہ جانتا ہو''۔

یہ قول بھی ذکر کیا ہے ''اگر لوگ فقہاء کے ساتھ انصاف سے کام لیتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ انہوں نے محمد بن الحسن جیسا آدمی نہیں دیکھا، مجھ کو کبھی امام محمدؒ سے بڑے فقیہ کی ہم نشینی کا شرف حاصل نہیں ہوا، وہ فقہ کے ان اسباب ووسائل سے اچھی طرح واقف تھے جن سے دوسرے اکابر اہل علم عاجز تھے۔

خطیب نے اپنی سند سے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''امام محمد آنکھ اور قلب دونوں کو بھر دیتے تھے، میں نے کسی لحیم شحیم آدمی کو امام محمد سے زیادہ زیرک اور ذہین نہیں دیکھا''، ایک دفعہ فرمایا: میں نے کسی کو امام محمد سے زیادہ عقل مند، فقیہ، زاہد، پاکباز، فصیح وبلیغ نہیں دیکھا۔ (کتاب الآثار لابی الوفا الافغانی ص ۱۷، ۱۸/ ج ۱، کتاب الانتقاء لابن عبد البر ص ۱۷۴، مقدمۃ انوار الباری ص ۲۵۵/ ج ۱)

فقہ میں امام محمد کی تصنیفات کا مقام اور ان کے امتیازات

فقہ اسلامی کی تاریخ گواہ ہے کہ ائمہ متبوعین کے مذاہب میں جو کتابیں لکھی گئیں مثلاً ''المدونة'' ''کتاب الأم'' وغیرہ سب کی سب امام محمد کی کتابوں کی روشنی میں لکھی گئی ہیں، اور خالص تقلید کا دور آنے سے پہلے امام محمد کی کتابیں تمام مذاہب کے فقہاء کے ہاتھوں میں ہوتی تھیں، سب اس سے استفادہ کرتے تھے کیونکہ ان کی کتابیں قدیم دور کی تصنیف ہونے کے ساتھ اپنے اندر بہت سی دوسری خوبیاں بھی رکھتی ہیں، مثلاً طرز بیان سنجیدہ ومحتاط ہے، عبارت میں گنجلک نہیں ہوتی، اصولوں میں مضبوطی ہوتی ہے، تفریع میں باریک بینی سے کام لیتے ہیں، علاوہ ازیں ایسے ایسے مسائل کے دلائل قائم کرتے ہیں جن کے دلائل ان کے ہم طبقہ بہت سے علماء کو بھی معلوم نہیں ہوتے چہ جائے کہ متاخرین کو معلوم ہوں۔

ان کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ ابواب کے تحت مختلف نئے نئے مسائل پیدا کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کو عربیت کے اسرار ورموز پر دسترس حاصل ہے، ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ جب وہ مختلف فقہاء کی آراء کا موازنہ کرتے ہیں تو ان کے کلام سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ وہ انفرادیت پسند ہیں، اپنی منفرد آراء کو بیان کرتے اور ترجیح دیتے وقت وہ حیلہ بازی اور دھاندلی سے کام نہیں لیتے ہیں، اس کے بجائے وہ اپنے شیوخ کی افضلیت کا تذکرہ کرتے ہیں، اور ان کی خوبیوں کی قدر کرتے ہوئے اپنی تصنیفات میں ان کے

اقوال ذکر کرتے ہیں، خلاصہ یہ کہ علم کی زیادتی اور وسعت نے ان کو مغرور بنانے کے بجائے ان کے اخلاص میں اضافہ کیا، جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے علم میں برکت دی اور بلا مبالغہ ان کی کتابیں تمام مذاہب کی مدون کتابوں کے لئے اساس بن گئیں اور اب تک ان کی کتابوں سے انتفاع جاری ہے۔

(بلوغ الامانی ص ۴۳)

امام محمد کے طبقہ کے کسی عالم کی اس قدر کتابیں ہم تک نہیں پہونچیں، بلکہ انہیں کی کتابیں تمام مذاہب کی مدون شدہ کتابوں کے لئے بنیاد بنیں، اسی لئے ہم نے مسلم ججوں کے علاوہ بہت سے محقق وکیلوں کو دیکھا کہ ان کے اندر امام محمد کی تصنیفات شائع کرنے کی سچی رغبت ہے، اس بات کا اعتراف کرنے کی وجہ سے کہ ان کی تصنیفات تمام مدون کتابوں کی اساس ہیں، دوسرے مذاہب فقہ کی کتابوں میں امام محمد کی تصنیفات سے کس قدر مدد لی گئی ہے؟ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، ''اسدیہ'' جو فقہ مالکی میں المدونہ کی اصل ہے، امام محمد کی کتابوں کو سامنے رکھ کر لکھی گئی، اور امام شافعی نے اپنا قدیم وجدید مذہب امام محمد سے فقہ سیکھنے کے بعد مدون کیا، امام احمد بن حنبلؒ امام محمدؒ کی کتابوں سے مسائل کا جواب دیا کرتے تھے، ایسے ہی بعد کے فقہاء کا حال ہے۔ (بلوغ الامانی ص ۵۰، ۶۱)

اقتباس:۱۵

قال الحافظ ابن تيمية رحمه اللّٰه تعالىٰ: انه لم يقل أحد من الفلاسفة بقدم العالم وكان أفلاطون أيضاً قائلا بحدوثه، حتى جاء أرسطاطاليس المخذول فاعقتد بقدمه، وهو باطل قطعاً و قائله كافر، واتفقت الأديان السماوية على حدوث العالم ، نعم نسب الى بعض الصوفية قدم بعض الأشياء كالشيخ الأكبر وقال الشعرانى الشافعى رحمها اللّٰه تعالىٰ : ان هذه العبارات كلها مدسوسة.

أقول :وقد تفرد الشيخ الأكبر رحمه اللّٰه ببعض المسائل أيضا، فانه قد اعتبر ايمان فرعون وان لم يكن توبة، فيعاقب بما فعل، لكنه لا يخلد فى النار عنده، ونسب بحرالعلوم الى الشيخ الأكبر رحمه اللّٰه قدم بعض الأشياء وظنى أن تلك النبسة صحيحة ، وأما ما نسب الدوانى الى ابن تيمية رحمه اللّٰه تعالىٰ من قدم العرش ، فليس بصحيح عندى.

(فیض الباری،۱/ ۱۶۵و۱۶۶)

حافظ ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ فلاسفہ میں سے کوئی بھی عالم

کے قدیم ہونے کا قائل نہیں تھا، افلاطون بھی عالم کو حادث کہتا تھا، یہاں تک کہ رسوائے زمانہ ارسطو آیا اس سے عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد قائم ہوا، لیکن یہ اعتقاد بالکل غلط ہے اس کا قائل کافر ہے۔

تمام آسمانی مذاہب بھی عالم کے حادث ہونے پر متفق ہیں، ہاں بعض صوفیاء کی طرف منسوب ہے کہ انھوں نے بعض چیزوں کو قدیم مانا ہے مثلاً شیخ اکبر۔

علامہ شعرانی شافعی نے فرمایا ہے کہ یہ عبارتیں بعد کی ملائی ہوئی ہیں، میرا خیال ہے کہ شیخ اکبر بعض مسائل میں متفرد ہیں، چنانچہ انھوں نے فرعون کے ایمان کا اعتبار کرلیا ہے، اگرچہ اس نے توبہ نہ کی ہوگی تو اس کو اس کے اعمال کی سزا ملے گی، مگر شیخ اکبر کے نزدیک وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا، بحر العلوم نے شیخ اکبر کی طرف بعض اشیاء کے قدیم ہونے کو منسوب کیا ہے، میرا خیال ہے کہ یہ نسبت صحیح ہے، لیکن دوانی نے ابن تیمیہ ؒ کی طرف عرش کے قدیم ہونے کی جو نسبت کی ہے یہ درست نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

ارسطو

اسلام کے ظہور سے پہلے ارسطو کی شخصیت قصہ کہانیوں میں مشہور تھی اور

کہانیوں میں لوگ اسی انداز سے جانتے تھے کہ وہ ذوالقرنین کے استاذ ہیں، انہوں نے ذوالقرنین کو ادب سکھایا، نصیحتیں کیں، ہاں! پہلوی اور سریانی زبانوں میں ان کے اجمالی حالات ملتے تھے، اسلامی مؤرخین نے تحقیق و چھان بین سے اس فلسفی کے حالات نہیں لکھے، بلکہ زیادہ تر عوامی قصوں اور کہانیوں پر اعتماد کیا۔

ابن اسحاق متوفی ۳۷۸ھ اور دینوری متوفی ۸۹۵ھ کے ذکر کردہ زیادہ تر حالات اسی قبیل کے ہیں، تاریخی اعتبار سے زیادہ قابل اعتبار ندیم مبشر، ابن قفطی، ابن ابی اصبیعہ کے بیانات ہیں، ارسطو کے باپ کا نام نیقوفاخس اور دادا کا نام ماخادن تھا، یہ لوگ اسقلبیا زس کی اولاد میں ہیں، جس نے یونانی طب ایجاد کی، اس کی ماں کا نام افسیطیا تھا، اس نے افلاطون سے تعلیم حاصل کی اور جب افلاطون صقلیہ چلا گیا تو ارسطو نے دارالتعلیم میں اس کی نیابت کی، وہ یونانی زبان کا بہت بڑا فصیح و بلیغ تھا اور افلاطون کے بعد یونان کا بلند پایہ عالم ہوا، اسکندر بادشاہ اس کی تعظیم کرتا تھا، اور اس کے مشورہ سے احکام جاری کرتا تھا، چنانچہ اسکندر کے نام ملکی سیاست وغیرہ کے بارے میں اس کے بہت سے خطوط و رسائل ہیں، ۶۷ سال کی عمر پاکر اس نے وفات پائی۔

ارسطو کا فلسفہ چونکہ چند بنیادی مسائل (مثلاً قدم عالم) میں اسلامی عقائد سے متصادم تھا اس لئے مسلمان فلاسفہ اس پر نکیر کرتے تھے، ارسطو پر سب سے زیادہ جاندار اور طویل تنقید غزالی نے اپنی کتاب تہافتہ الفلاسفہ میں کی۔

(دائرۃ المعارف الاسلامیۃ ۱/ عددتاسع ۶۱۲، تا ۶۱۵، الفہرست لابن ندیم ص ۳۴۵ تا ۳۴۷)

علامہ شعرانی

آپ کا نام عبدالوہاب ابن احمد کنیت ابو محمد ہے، آپ چونکہ محمد بن الحنفیہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اسی بنیاد پر آپ کو حنفی کہا جاتا ہے، آپ مسلکاً شافعی ہیں، ۸۹۸ھ ۱۴۹۳ء میں آپ کی پیدائش ہوئی ابھی آپ طفلی کے دور سے گزر رہے تھے کے آپ کے والد ماجد اللہ کے پیارے ہو گئے لیکن بچپنے کے اندر ہی آپ پر شرافت ونجابت، ولایت وریاست کے آثار نمایاں تھے، انہوں نے آٹھ نو سال کی عمر میں قرآن پاک اور چند دوسری کتابیں یاد کر لیں، اس کے بعد ۹۱۱ھ میں مصر چلے آئے، وہاں جا کے آپ نے محنت وجفاکشی کے ساتھ تعلیم حاصل کی، حتی کہ منہاج، الفیہ، التوضیح تلخیص، شاطبیہ، قواعد ابن ہشام اور دیگر چند متون حفظ کر لئے اس کے بعد شعرانی نے حدیث پڑھنی شروع کی، جامع مسجد عمری کے امام شیخ امیرالدین سے بہت ساری کتابیں پڑھیں، صحاح ستہ انہیں سے پڑھیں، اس کے علاوہ شمس الدین داخلی، نورالدین محلی، نورالدین جارمی، علی قسطلانی، اشمونی قاضی زکریا، شہاب الدین علی سے بھی بہت سی کتابیں پڑھیں۔

۹۷۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا آپ نے بہت سی تصنیفات کیں، چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں: "الأجوبة المرضية عن الفقهاء و الصوفيه"، "أدب القضاة"، "ارشاد الطالبين الىٰ مراتب العلماء العاملين"، "الأنوار القدسية فی معرفة آداب العبودية" (مطبوعہ)، "البحر المودود فی معرفة المواثيق والعهود، (مطبوعہ)،

البدر الخبیر (مطبوعہ)، المیزان الکبریٰ، تنبیہ المغترین فی آداب الدین (مطبوعہ)، موصوف اپنے زمانہ کے بہت بڑے زاہد، فقیہ، محدث، اصولی، صوفی تھے۔ (شذرات الذہب ۱/۲/۳۷۲، قاموس الاعلام ۴/ ۳۳۱، ۳۳۲)

زندیقوں کے سیاہ کارنامے

علامہ شعرانیؒ لکھتے ہیں: عارف باللہ شیخ ابو طاہر مزنی شاذلی نے مجھے خبر دی کہ شیخ محی الدین بن عربی کی کتابوں میں جو باتیں خلاف شریعت ملتی ہیں وہ سب کی سب ان کی طرف غلط طور پر منسوب ہیں کیونکہ محققین کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ کاملین میں ہیں اور کسی کامل کے بارے میں یہ بات صحیح نہیں کہ وہ ظاہر کتاب وسنت کے خلاف بات کہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شریعت کا امین بنایا ہے۔

شیخ ابن عربی کی جو باتیں شریعت اور جمہور علماء کے خلاف ہیں وہ (خود شیخ کی باتیں نہیں ہیں بلکہ) شیخ کی طرف غلط طریقہ سے منسوب کر دی گئی ہیں، جیسا کہ مجھ کو شیخ ابو طاہر مزنی نے خبر دی، پھر انہوں نے فتوحات مکیہ کا ایک نسخہ نکالا جس کا مقابلہ خود شیخ ابن عربی کے لکھے ہوئے نسخہ سے کیا تھا جو شہر قونیہ میں موجود ہے، مجھ کو فتوحات مکیہ کی جن باتوں میں توقف ہوا تھا اس نسخہ میں مجھے ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں ملی اسی لئے میں نے جب فتوحات مکیہ کا اختصار کیا تو اس سے وہ قابل اعتراض باتیں نکال دیں۔

زندیقوں نے امام احمد بن حنبل کے تکیہ کے نیچے ان کے مرض الموت میں

گمراہ کن عقائد لکھ کر رکھ دیئے تھے، اگر ان کے شاگردوں کو ان کے عقائد کا صحیح علم نہ ہوتا تو وہ امام صاحب کے تکیہ کے نیچے سے نکلواتے اور وہ فتنہ میں پڑ جاتے۔

اسی طرح زندیقوں نے امام ابو حنیفہؒ پر رد اور ان کی تکفیر کے سلسلہ میں ایک کتاب لکھ کر صاحب قاموس شیخ الاسلام مجد الدین فیروز آبادی کی طرف منسوب کر دی تھی، وہ کتاب ابو بکر خیاطی عینی کو دی انہوں نے علامہ فیروز آبادی کے پاس کتاب کی بنا پر ایک ملامت آمیز خط بھیجا اس کے جواب میں شیخ مجد الدین نے خط لکھا کہ اگر آپ کے پاس ایسی کتاب ہو تو اس کو آگ میں جلا دیجئے، وہ کتاب میرے اوپر ایک بہتان ہے، میں تو امام ابو حنیفہؒ کا بڑا معتقد ہوں، اور امام صاحب کے مناقب بھی میں نے ایک جلد میں لکھے ہیں۔

اسی طرح زندیقوں نے احیاء العلوم میں چند مسائل بڑھا کر امام غزالی کی طرف منسوب کر دئے ہیں، چنانچہ قاضی عیاض کو اس قسم کا ایک نسخہ ملا تو انہوں نے اسے جلانے کا حکم دیا، اسی طرح میری کتاب البحر المورد میں چند گمراہ کن عقائد کا اضافہ کر کے ان لوگوں نے مصر میں ان عقائد کی تین سال تک اشاعت کی، چنانچہ میں نے جب اس کتاب میں تبدیلی کی تو خطبہ میں اسی واقعہ کو بیان کیا جب آپ کو زنادقہ کے یہ سیاہ کارنامے معلوم ہو گئے تو کیا بعید ہے کہ حاسدین نے شیخ کی کتابوں میں اضافہ کیا ہو جیسا کہ انہوں نے میری کتابوں میں کیا۔

(الیواقیت والجواھر للشعرانی ص ۳ تا ۷)

شیخ محی الدین ابن عربی

آپ کا نام احمد بن علی بن محمد کنیت ابوبکر اور لقب محی الدین ہے ۵۶۰ھ میں مرسیہ میں آپ کی پیدائش ہوئی وہیں نشو ونما ہوئی، کچھ دن کے بعد اشبیلیہ منتقل ہوگئے، پھر وہاں سے بھی کوچ کر گئے اور مختلف شہروں میں گشت کرنے لگے، شام، مشرق کے بہت سے شہروں میں سیاحی کرتے ہوئے وہ بغداد گئے، اور وہاں پر اپنی چند تصنیفات کی تعلیم دی، علامہ زرقی اور دیگر بہت سے علماء نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ وہ تمام فنون کو اہل فن سے زیادہ جانتے تھے۔

محدث عبدالرؤف مناوی طبقات الأولیاء میں فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر اگرچہ ابن عربی سے بدظن تھے اس کے باوجود انہوں نے لسان المیز ان میں ان کے بارے میں لکھا کہ وہ سنن وآثار کے جاننے والے تھے، تمام علوم میں آپ کو دستگاہ حاصل تھی، انہوں نے ایک بڑی جماعت سے حدیث سنی، پہلے وہ اندلس میں ایک بادشاہ کے یہاں انشاء پرداز تھے مگر بعد میں زاہد ہوگئے سیاحی کرنے لگے حرمین اور شام گئے ۶۳۸ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(شذرات الذھب س۱۹ تا ۲۰۲)

(تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو ''امام ابن تیمیہ'' مصنف محمد یوسف کوکن عمری ایم اے)

ابن عربی پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں ان کا علامہ شعرانی نے تفصیلی جواب ''الیواقیت والجواھر'' میں دے دیا ہے، اس کا معمولی نمونہ اوپر میں گزر چکا ہے، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے پاس ایک سائل نے

ایک مخطوطہ کتاب کے چند صفحات بھیجے جس کے اندر ابن عربی پر رد تھا، اور دریافت کیا کہ کیا اس کو شائع کر دیا جائے، حضرت نے بہت ہی معتدل جواب دیا، وہ لکھتے ہیں: ''واقعی مصالح کے ایک پہلو کا تقاضاء یہی ہے کہ ایسے رسالہ کی اشاعت ہو، مگر دوسرا پہلو اس سے مانع ہے وہ یہ کہ بعض اکابر نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ یہ شیخ پر افتراء ہے، بعض نے ان کلمات کو مؤول فرمایا ہے، پس ان احتمالوں کے ہوتے ہوئے کسی مدعی اسلام کی تکفیر یا تضلیل شرعاً ناجائز ہے۔

(امداد الفتاوی ص ۴۰۰ ج ۴ طبع ادارہ اشرف العلوم کراچی)

فرعون ابن عربی کی نگاہ میں

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: ان لوگوں (ابن عربی، قونوی، تلمسانی) کے کفر کا یقین کرنے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ ان کا خفیف ترین قول یہ ہے کہ ''فرعون ایمان کی حالت میں گناہوں سے پاک ہو کر مرا چنانچہ وہ لکھتے ہیں: موسیٰ فرعون کی آنکھ کی ٹھنڈک ہوئے کیونکہ ڈوبتے وقت اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان کی توفیق دی، اللہ تعالیٰ نے پاک صاف کر کے اس کی روح قبض کی، اس لئے کہ ایمان لانے کے بعد کسی گناہ کے ارتکاب کرنے سے قبل اس کا انتقال ہو گیا، اور اسلام ماقبل کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ جدید ص ۱۲۵ ج ۲)

اقتباس:١٦

واعلم أن الحدوث الذاتی لم یقل به أحد من الفلاسفة ، حتی جاء ابن سیناء ، فاخترعه من عنده ، یبتغی بذلک أن یتخذ بین الاسلام و الفلسفة سبیلاً، وکان فلاسفة الیونان قائلین بقدم الأفلاک والعناصر بالشخص وبقدم الموالید الثلاثة : الجمادات والنباتات، والحیوانات بالنوع، وقد بینت بطلانه فی رسالتی، وقد صنف ابن رشد کتابا سماه "تهافت التهافت" وتعقب فیه علی الغزالی ، وعلقتُ علیه رسالة لدحض ما أورد علی الغزالی، الاأنه لم یتفق طبعه، وابن رشد هذا احذق عندی من ابن سیناء، ویفهم کلام أرسطو أزید منه.(فیض الباری١/١٦٦)

جان لوکہ فلاسفہ میں کوئی حدوث ذاتی کا قائل نہیں تھا،ابن سینا نے آکر یہ اصطلاح ایجاد کی،اس کا مقصد یہ تھا کہ اسلام اور فلسفہ کے درمیان بیچ کا راستہ نکال لے،فلاسفہ یونان افلاک و عناصر کو شخصی طور پر قدیم مان رہے تھے،اورموالید ثلاثہ (جمادات، نباتات،حیوانات)کونوعی اعتبار سے قدیم مانتے تھے،میں نے اپنے رسالہ میں اس عقیدہ کے بطلان کوواضح کیا ہے۔

ابن رشد نے ''تہافت التہافت'' نامی ایک کتاب لکھی ہے جس کے اندر امام غزالی پر اعتراضات کئے ہیں، میں نے غزالی پر کئے گئے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ایک رسالہ لکھا ہے، مگر اب تک اس کے طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی، میرے خیال میں ابن رشد ابن سینا سے زیادہ ماہر ہیں اور ارسطو کا کلام ابن سینا سے زیادہ سمجھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

ابن رشد الحفید

محمد بن ابوالقاسم احمد بن ابوالولید احمد بن احمد بن رشد، دادا کی طرح ان کا نام وکنیت بھی ابوالولید احمد ہے، فرق کرنے کے لئے ان کے ساتھ الحفید یعنی پوتا لکھتے ہیں، ان کے دادا اور والد دونوں ہی بڑے علماء میں سے ہیں، دادا کی وفات ۵۲۰ھ میں ہوئی، ان کی وفات سے ایک ماہ قبل حفید کی ولادت ہے، موطا مالک اپنے والد سے پڑھی، فقہ، کلام، فلسفہ، علوم الاوائل میں ضرب المثل تھے۔

اُبّار کہتے ہیں: اندلس میں علم، کمال اور فضل میں ان کا کوئی مثل پیدا نہیں ہوا، نہایت متواضع اور علم دوست شخصیت تھے، کہتے ہیں دو راتوں کے سوا کبھی پڑھنے لکھنے کا ناغہ نہ ہوا، ایک والد کی وفات کی رات، دوسری شب زفاف، عربیت میں بھی باکمال تھے، ابوتمام اور متنبّی کے دیوان کے حافظ تھے، طب وفلسفہ

سے گہری مناسبت تھی، اس پر خوب پڑھا بھی اور خوب لکھا بھی، قرطبہ کے قاضی بنائے جانے کے بعد ان کی قدر و منزلت میں ترقی ہوگئی، بادشاہ بھی ان کا ادب واحترام کرتے تھے، اخیر عمر میں حاسدین نے ان کے بارے میں بادشاہ کو الحاد وزندقہ کی چغلی کردی تو مراکش کی طرف شہر بدر کردئے گئے اور گھر میں نظر بند رہے، ادھر بادشاہ کا ذہن صاف ہوا مگر کچھ ہی عرصہ میں راہی ملک عدم ہوئے، ۵۹۵ھ میں وفات ہوئی، بادشاہ نے نعش مراکش سے اندلس منتقل کرنے کا حکم دیا، چنانچہ کردی گئی۔

فلسفہ میں انہماک کی وجہ سے محدثین میں مقام نہیں بنا پائے، ان کے طب وفلسفہ پر مغربی دنیا میں بھی خوب کام کیا گیا ہے، ابن رشد کا فلسفہ ان کے نزدیک ایک مستقل موضوع تحقیق ہے۔

فلسفۂ قدیم کے رد میں امام غزالیؒ کی مشہور تصنیف ''تهافت الفلاسفة '' ہے، جس نے فلسفۂ قدیم کو تہ و بالا کردیا، اور اس کتاب کا علمی دنیا میں بڑا چرچا ہوا، ابن رشد حفید نے امام غزالی کی کتاب کا ناقدانہ جائزہ لیا، اور ''تهافت التهافت '' لکھی، جس میں فلسفہ قدیم کا بھرپور دفاع کیا، علامہ کشمیری نے اپنی مذکورہ بالا گفتگو میں اسی کا ذکر فرمایا ہے۔

مختلف علوم وفنون پر ان کی چند تصنیفات یہ ہیں: بداية المجتهد ونهاية المقتصد، المقدمات، شرح أرجوذة ابن سيناء، ، كتاب

الـحيـوان، كتـاب المنطق، كتاب الحميات، كتاب حيلة البرء، ، مقالة فى العقل، مقالة فى القياس، مناهج الأدلة،فصل المقال فيما بيـن الشريعة والحكمة من الاتصال، مقالة فيما يعتقده المشاؤون ومـايـعتـقـده الـمتـكـلـمون فى كيفية وجود العالم، مقالة فى نظر الـفارابى فى المنطق ونظر أرسطو، مقالة فى وجود المادة الأولىٰ، مـقـالة فـى الـرد عـلى ابن سيناء، مسائل حكمية، مقالة فى حركة الفلک، کتاب ما خالف فيه الفارابىُ ارسطو ،وغیرہ۔

(سیر اعلام النبلاء ۲۱/ ۳۰۷، تاریخ الاسلام ۱۰/ ۱۰۳۹، الوافی بالوفیات ۲/ ۸۱، تاریخ قضاۃ اندلس ۱/ ۱۱۱، اعلام زرکلی ۵/ ۳۱۸)

اقتباس:۱۷

أوثق كتاب فی النحو "الرضی"، وأما باعتبار جمع المسائل فالأشمونی وأما كتاب سيبويه فهو الكتاب الا أنه عسير جدا، وعلق عليه السيرافی حاشية ، وهو امام النحو، فما يذكر يكون صحيحا الا أن ادراك مدارك سيبويه بعيد من شانه.

(فیض الباری،۱/ ۱۶۹)

فن نحو میں معتبر کتاب ''رضی'' ہے اور مسائل کو جمع کرنے میں ''الاشمونی'' ہے، اور صحیح معنی میں کتاب تو سیبویہ کی ''الکتاب'' ہے، مگر وہ بہت دشوار ہے، سیرافی نے اس کے اوپر حاشیہ چڑھایا ہے، سیرافی خود بھی نحو کا امام ہے، لہذا اس کی ذکر کردہ باتیں صحیح ہیں، مگر سیبویہ کے مطالب کو جان لینا اس کے بس سے باہر ہے۔

☆☆☆☆☆

شیخ رضی الدین استرآبادی

آپ کا اسم گرامی محمد بن الحسن ،لقب نجم الائمہ اور رضی الدین ہے، آپ اپنے زمانہ کے مشہور نحوی ہوئے ہیں ،موصوف نے ابن حاجب کی کتاب ''کافیہ'' کی ایک بے نظیر شرح لکھی ہے، علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ کافیہ کی کوئی

شرح بلکہ نحو کی اکثر کتابیں جامعیت، تحقیق، عمدگی تعلیل میں اس کی ٹکر کی نہیں ہیں، لوگوں نے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا، موجودہ نیز گذشتہ مشائخ نے اپنی تصنیفات واسباق میں اس پر اعتماد کیا، اس کتاب میں مصنف نے عمدہ بحثیں کی ہیں، بہت سے مختلف فیہ مسائل میں کسی ایک پہلو کو ترجیح دی ہے، بہت سے مواقع پر تفرد بھی کیا ہے، ۶۸۳ھ میں مصنف اس شرح کی تصنیف سے فارغ ہوئے، اور مؤرخ شمس الدین بن عزم کے بیان کے مطابق ۶۸۴ھ یا ۶۸۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

علامہ طاش زادہ کبریٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اس شرح کے متعلق سنا ہے کہ ایک بار شیخ سعد الدین تفتازانی نے ایک طالب علم سے پوچھا کہ سید شریف جرجانی آج کل کس کام میں مشغول ہیں؟ طالبعلم نے جواب دیا کہ شیخ رضی الدین کی شرح کافیہ میں منہمک رہتے ہیں، اس پر علامہ تفتازانی نے فرمایا کہ شاید وہ مفتاح العلوم للسکا کی کی شرح لکھ رہے ہیں۔

محقق سید شریف جرجانی نے شرح رضی پر ایک حاشیہ لکھا ہے، کہا جاتا ہے کہ سیبویہ کی ''الکتاب'' کی باریکیوں پر جتنی نگاہ شیخ رضی کی تھی متاخرین میں کسی اور کی نہیں تھی۔ (بغیۃ الوعاۃ ۲۴۸، مفتاح السعادۃ، ۱/ ۱۴۸، کشف الظنون، ۲/ ۱۳۷)

علامہ اشمونی

آپ کا نام علی بن محمد ہے، نور الدین لقب اور ابو الحسن کنیت ہے، آپ مشہور نحوی تھے، شافعی فقہاء میں آپ کا بھی شمار ہے، ۸۳۴ھ مطابق ۱۴۳۵ء

میں آپ کی ولادت ہوئی، موصوف کا آبائی وطن اشمون ہے، جائے پیدائش قاہرہ ہے، آپ دمیاط کے قاضی تھے ۹۰۰ھ کے لگ بھگ آپ کی وفات ہوئی۔

علامہ اشمونی نے منہج السالک نامی الفیہ بن مالک کی ایک شرح لکھی، جو آج کل جامع ازہر میں داخل درس ہے، اس کے علاوہ موصوف کی حسب ذیل تصنیفات ہیں: نظم المنہاج (فقہ) نظم جمع الجوامع، نظم ایساغوجی (منطق)۔

(قاموس الاعلام ۱۶۳/۵)

سیبویہ اور ان کی کتاب

آپ کا نام عمرو بن عثمان، کنیت ابو بشر اور لقب سیبویہ ہے، آپ کو سیبویہ کے ساتھ ملقب کرنے کے مختلف اسباب بیان کئے جاتے ہیں، ایک یہ کہ موصوف چونکہ سیب کی طرح سرخ تھے اس لئے اس لقب سے مشہور ہوئے، دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ چونکہ آپ کو سیب کی خوشبو بہت پسند تھی اور اکثر اوقات اسے سونگھتے رہتے تھے اس لئے آپ کو سیبویہ کہا جاتا تھا۔

سیبویہ تمام متقدمین و متأخرین نحویوں کے امام ہیں، فن نحو میں ان کی کتاب کے ہم پایہ کوئی دوسری کتاب نہیں لکھی گئی، جاحظ فرماتے ہیں کہ میں نے معتصم باللہ کے وزیر محمد بن عبد الملک کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو میں نے سوچا کہ ان کے لئے کون سی مفید اور بیش قیمت چیز ہدیہ کے طور پر لے جاؤں، بہت فکر اور جستجو کے بعد میری نظر انتخاب سیبویہ کی کتاب پر پڑی جو میں نے فراء نحوی کی میراث سے خریدی تھی۔

سیبویہ نے نحو خلیل بن احمد ،عیسیٰ بن عمرو، یونس بن حبیب وغیرہ سے سیکھی ،ابن النطاح فرماتے ہیں کہ خلیل بن احمد نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ ایسے زیارت کرنے والے کو خوش آمدید جس سے طبیعت نہیں اکتاتی ،ابوعمرو مخزومی (جو اکثر اوقات خلیل کے پاس رہتے تھے) فرماتے ہیں کہ میں نے سیبویہ کے علاوہ کسی اور کے لئے خلیل سے یہ جملہ نہیں سنا۔

معاویہ بن بکر علیمی کے پاس جب سیبویہ کا تذکرہ کیا گیا تو انھوں نے فرمایا ''میں نے سیبویہ کو نوعمری کی حالت میں دیکھا ،ان کے بارے میں اس زمانہ میں سنا تھا کہ خلیل کے شاگردوں میں وہ سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں، میں نے سیبویہ کو نحو کے مسائل میں گفتگو اور مناظرہ کرتے ہوئے سنا، ان کی زبان میں کچھ لکنت تھی ان کی کتاب کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان کے قلم میں زبان سے زیادہ روانی ہے''۔

ایک بار سیبویہ بصرہ سے بغداد آئے ان ایام میں کسائی ہارون رشید کے صاحبزادے امین کا اتالیق تھا، کسائی اور سیبویہ ایک مجلس میں اکٹھا ہوئے ،ان دونوں میں کافی طویل مناظرہ ہوا، دونوں کے درمیان ایک عربی مثل کے بارہ میں اختلاف ہوگیا، کسائی نے کہا مثل اس طرح ہے ''**كنت أظن أن الزنبور أشد لسعامن النحلة فاذا هو اياها**'' سیبویہ نے کہا: مثل اس طرح نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے ''**كنت أظن أن الزنبور أشد لسعامن النحلة فاذا هو هي**'' بحث ومباحثہ ہونے کے بعد اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ ایک خالص

عربی کو فیصل بنایا جائے، جس کی زبان میں شہر سے خلط ملط کا شائبہ نہ ہو، کسائی چونکہ امین کا استاد تھا، اس لئے امین کسائی کا طرفدار اور اس کی کامیابی کا متمنی ہوگیا، چنانچہ اس نے ایک بدوی کو بلایا اور اس سے اس محاورہ کے بارہ میں معلوم کیا، بدوی نے سیبویہ کی تصویب کی، امین نے کہا میری منشا کسائی کی تائید کرانا ہے، بدوی نے جواب دیا کہ کسائی والے الفاظ میری زبان سے ادا نہیں ہوں گے بلکہ صحیح الفاظ ہی زبان پر آئیں گے، تب یہ بات طے پائی کہ مجلس کے اندر ایک آدمی پوچھے گا کہ سیبویہ اس طرح کہتے ہیں اور کسائی اس طرح، ان دونوں میں کس کی بات درست ہے؟ چنانچہ ایک مجلس منعقد کی گئی اور اس کے اندر اس فن کے ائمہ جمع ہوئے، بدوی بھی حاضر ہوا، اس سے طۓ شدہ طریقہ پر پوچھا گیا، اس نے جواب دیا کہ کسائی کی بات درست ہے اور عرب کا کلام اسی طرح ہے، جب سیبویہ کو بات معلوم ہوئی کہ لوگ کسائی کے لئے تعصب سے کام لے رہے ہیں تو وہ بغداد سے نکل گئے، ان کا دل بغداد والے سانحہ کی وجہ سے غمگین تھا، فارس کی طرف گئے، اور شیراز کے بیضاء نامی گاؤں میں ۱۸۸ھ یا ۱۷۷ھ میں چالیس سال سے کچھ زائد عمر پا کر انتقال کر گئے۔

ابن قانع کہتے ہیں کہ ۱۶۱ھ میں بصرہ کے اندر انتقال ہوا، ایک روایت کے اعتبار سے ۱۸۸ھ میں انتقال ہوا، حافظ ابو الفرج ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ سیبویہ ''ساوہ'' شہر میں ۳۲ سال کی عمر پا کر ۱۹۴ھ میں انتقال کر گئے۔

سیبویہ نے اپنی کتاب میں فصل وغیرہ کی جگہ ''ھذا باب کذا'' کے

عنوان سے مسائل بیان کیے ہیں خاص ترتیب کا لحاظ نہیں کیا ہے، نہ اس میں ابتدائی خطبہ ہے نہ خاتمہ۔

ایک روایت میں ہے کہ سیبویہ نے عیسی بن عمر ثقفی کی کتاب الجامع لے کر اس کی وضاحت کردی ہے، نیز خلیل کے کلام سے اس پر حاشیہ آرائی کی ہے، جس کی وجہ سے یہ کتاب ضخیم ہوگئی ہے، سیبویہ کی کتاب کو اتنی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی کہ مطلقا کتاب بولنے سے انہی کی کتاب مراد ہوتی ہے، ارباب نحو ہمیشہ اس کتاب کو فضیلت دیتے ہیں، مبرد نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس جیسی کتاب نہیں لکھی گئی، یہ بات زبان زد ہے کہ علوم وفنون میں جتنی کتابیں ہیں سب ایک دوسرے کی محتاج ہیں، لیکن سیبویہ کی کتاب کسی اور کی محتاج نہیں۔

(دائرۃ المعارف لفرید وجدی ۳۴۳ تا ۳۴۵، طبقات النحویین واللغویین ۶۹ تا ۷۴، کشف الظنون ۱۵۱/۲، اخبار نحاۃ ۳۱ تا ۳۷)

سیرافی نحوی

آپ کا نام حسن بن عبداللہ، کنیت ابوسعید ہے، قاضی کے لقب سے مشہور ہوئے، آپ کا آبائی وطن فارس کا شہر سیراف ہے، وہیں پر آپ کی پیدائش ہوئی، کچھ دنوں وہیں آپ نے علم بھی حاصل کیا، بیس سال کی عمر ہونے سے پہلے سیراف سے نکل کر عمان گئے، وہاں فقہ حاصل کیا پھر لوٹ کر سیراف آئے اور مشہور متکلم ابومحمد بن عمر کے پاس قیام کیا، وہ ان کی ہمت افزائی کرتے اور اپنے تمام شاگردوں پر ان کو فضیلت دیتے، اس کے بعد بغداد میں آباد ہوگئے، اور

وہاں قاضی ابو محمد بن معروف کے نائب مقرر ہوئے۔

موصوف پاکباز، با اخلاق آدمی تھے، معتزلی تھے لیکن ان کی تحریروں میں اعتزال کا اظہار نہیں ہوا، اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے اور اسی پر گذر بسر کرتے، ان کے باپ مجوسی تھے جن کا نام بہزاد تھا، جب بہزاد اسلام لائے تو ان کے بیٹے نے ان کا اسلامی نام عبد اللہ رکھا، موصوف بصریوں کے نحو کے سب سے بڑے واقف کار تھے، انھوں نے سیبویہ کی کتاب کی ایک عمدہ شرح لکھی جن کو ان کے معاصرین نے پسند کیا، حتی کہ ابو علی فارسی ان سے حسد کرنے لگے، کیونکہ سیرافی کی شرح ابو علی کی لکھی ہوئی "تعلیق" پر بہت سی خوبیوں کی وجہ سے فائق تھی، ۳۶۸ھ میں بغداد کے اندر ان کا انتقال ہوا۔

موصوف کی چند تصنیفات یہ ہیں: "الاقناع" (یہ کتاب فن نحو کے اندر ہے، کتاب ادھوری رہ گئی تھی، ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے یوسف نے اس کی تکمیل کی)، "أخبار النحويين البصريين" (مطبوعہ) "صنعة الشعر"، "البلاغة"، "شرح المقصورة الدريديه"، "شرح كتاب سيبويه" (مخطوطہ)۔

(قاموس الأعلام ۲۱۰، دائرۃ المعارف لفرید وجدی ۵/ ۳۴۶، ۳۴۷، کشف الظنون ۲/ ۱۵۱)

اقتباس:١٨

(يحيىٰ بن سعيد) هذا هو القطان امام الجرح والتعديل ، وأول من صنف فيه، قاله الذهبى، وكان يفتى بمذهب أبى حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ ، وتلميذه وكيع ابن الجراح تلميذ للثورى، وهو ايضاً حنفى، ونقل ابن معين :ان القطان سئل عن ابى حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ،فقال: مارأينا أحسن منه رأيا وهو ثقة، ونقل عنه : أنى لم أسمع أحدا يجرح على أبى حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ، فعلم أن الامام الهمام رحمه اللّٰه تعالىٰ لم يكن مجروحا الى زمن ابن معين رحمه اللّٰه تعالىٰ.

ثم وقعت وقعة الامام أحمد رحمه اللّٰه تعالىٰ ، وشاع ما شاع وصارت جماعة المحدثين فيه فرقا، والا فقبل تلك الوقعة توجد فى السلف جماعة تفتى بمذهبه ، ويحيىٰ بن معين ايضاً حنفى ، وعندى رسالة الذهبى وهو حنبلى الاعتقاد وشافعى المذهب ، وفيها: انه كان حنفيا متعصبا، ولعل وجهه أن ابن معين جرح على ابن ادريس الشهير بالامام الشافعى رحمه اللّٰه تعالىٰ ، وما قيل انه غير الشافعى رحمه اللّٰه

تعالیٰ فليس بشئی، والحق عندی أنه وان جرح عليه لكنه غير مناسب له، فان الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ له شان لايدركه ابن معين رحمه اللّٰه تعالیٰ، ثم ان الدارقطنی قد أقر أن أباحنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ أسن منهم ، وانه لقی انسا رضی اللّٰه تعالیٰ عنه ، وانما الخلاف فی روايته عنه، وجمع ابن جرير فی كتابه "اختلاف الفقهاء" فقه أبی حنيفة ، والاوزاعی، والشافعی رحمهم الله تعالی، ولم يأت بفقه أحمد رحمه اللّٰه تعالیٰ، ولا بمناقبه فسئل عن وجهه، فقال: انی جمعت فيه مذاهب الفقهاء ومناقبهم ، وأذكر مناقبه حين أذكر مناقب المحدثين، وأصر علی ذلک حتی استشهد بسببه، وكذا أبوعمرو المالكی أيضاً ذكر مناقب هؤلاء الأئمة الثلاثة ولم يذكر مناقب أحمد رحمه اللّٰه تعالیٰ، والبيهقی أيضا لم يقدح فی أبی حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ مع كونه معتصبا كما ذكره الشيخ شمس الدين فی الغاية: انی سمعت من مشائخی انه متعصب، ومر عليه ابن السبكی فقال: انی سمعت أن لحوم العلماء مسمومة ،من ياكله يموت.(فیض الباری،۱/۱٦۹)

یحییٰ ابن سعید القطان، جرح وتعدیل کے امام اور اس فن کے پہلے مصنف ہیں، جیسا کہ ذہبی نے فرمایا ہے، سفیان ثوری کے مشہور شاگرد وکیع بن الجراح، یحییٰ بن سعید کے بھی شاگرد ہیں، وہ بھی حنفی ہیں۔

ابن معین نے نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان سے امام ابوحنیفہ کے بارے میں دریافت کیا گیا، انھوں نے جواب دیا: میں نے ان سے زیادہ اچھی رائے والا نہیں دیکھا، امام صاحب ثقہ ہیں۔

ابن معین سے یہ بھی منقول ہے کہ میں نے کسی کو امام ابوحنیفہؒ پر جرح کرتے ہوئے نہیں سنا ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امام ابوحنیفہؒ ابن معین کے دور تک مجروح نہیں تھے، اس کے بعد امام احمد بن حنبلؒ کے ابتلاء کا واقعہ پیش آیا، اس دوران مختلف قسم کی افواہیں پھیلیں، جس کے نتیجہ میں محدثین کی جماعت کئی گروہوں میں بٹ گئی، ورنہ اس زمانہ سے قبل ایک جماعت اسلاف میں ایسی پائی جارہی تھی جو امام صاحب کے مذہب کے مطابق فتویٰ دے رہی تھی، نیز یحییٰ بن معین خود بھی حنفی تھے، چنانچہ میرے پاس حافظ ذہبی کا رسالہ ہے (جو اعتقاداً حنبلی اور مذہباً شافعی ہیں) جس کے اندر انھوں نے لکھا ہے کہ ابن معین متعصب

قسم کے حنفی ہیں، غالباً یہ بات لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ ابن معین نے ابن ادریس پر جرح کی ہے، جو شافعی کے نام سے مشہور ہیں، اور یہ تاویل کرنا کہ ابن ادریس امام شافعیؒ کے علاوہ دوسرے ہیں درست نہیں ہے، میرے خیال میں حق بات یہ ہے کہ ابن معین نے اگرچہ امام شافعیؒ پر جرح کی ہے، مگر یہ غیر مناسب بات ہے، کیونکہ ان کے مرتبہ تک پہونچنا ابن معین کے بس سے باہر ہے۔

دارقطنی نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ بقیہ ائمہ سے سن رسیدہ ہیں، اور انھوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے ملاقات بھی کی ہے، ہاں روایت کے بارے میں اختلاف ہے۔

☆☆☆☆☆

امام جرح وتعدیل یحییٰ بن سعید القطان

آپ کا نام یحییٰ ابن سعید ہے، کنیت ابوسعید اور لقب سید الحفاظ ہے، آپ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے، موصوف نے ھشام بن عروہ، عطاء بن السائب، حسین المعلم، خیثمۃ بن عراک، حمید الطّویل، سلیمان التیمی، یحیی بن سعید الانصاری، اعمش اور ان کے ہم طبقہ دوسرے بہت سے حضرات سے حدیث سنی، اور خود یحیی بن سعید قطان سے بہت سارے حضرات نے احادیث سنیں، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں، ابن مہدی، عفان، مسدد، احمد، اسحٰق، یحییٰ، علی، فلاس، بندار، اسحٰق الکوسج وغیرہ۔

امام احمدؒ نے فرمایا کہ میری آنکھوں نے یحییٰ بن سعید جیسا محدث نہیں دیکھا، ابن معین نے عبدالرحمٰن بن مہدی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ تم یحییٰ بن سعید القطان جیسا آدمی نہیں دیکھ سکتے، ابن مدینی نے فرمایا کہ میں نے کسی کو رجال حدیث کا ان سے زیادہ واقف کار نہیں دیکھا، بندار کا قول ہے کہ یحییٰ ابن سعید اپنے زمانہ کے امام ہیں، صفر ۱۹۸ھ میں موصوف کا انتقال ہوا۔

(تذکرۃ الحفاظ للذھبی ۱/۲۷۲ تا ۲۷۴)

امیر المؤمنین فی الحدیث سفیان ثوری

آپ کا اسم گرامی سفیان بن سعید بن مسروق ہے، کنیت ابوعبداللہ اور لقب امیر المؤمنین فی الحدیث ہے، آپ کا خاندانی تعلق ثور ہمدان سے نہیں بلکہ ثور مضر سے ہے، ۹۷ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی، بچپن سے ہی آپ علم حاصل کرنے لگے، کیونکہ آپ کے والد کوفہ کے علماء میں سے تھے، آپ نے اپنے والد کے علاوہ ان حضرات سے بھی حدیث سنی، زبید بن الحرث، حبیب بن ابی ثابت، اسود بن قیس، زیاد بن علاقہ، محارث بن دثار اور ان کے ہم طبقہ دیگر محدثین۔

سفیان ثوری کے چند ممتاز شاگردوں کے نام یہ ہیں، ابن مبارک، یحییٰ بن سعید القطان، ابن وھب، وکیع، فریابی، قبیصہ، ابونعیم، محمد بن کثیر، احمد بن یونس یربوعی وغیرہ۔

شعبہ، یحییٰ بن معین اور دوسرے بہت سے محدثین نے آپ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کا لقب دیا ہے، ابن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے گیارہ سو

مشائخ سے حدیث لکھی، ان میں کوئی بھی سفیان سے افضل نہیں ہے۔

شعبہ فرمایا کرتے تھے کہ سفیان کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں، ورقاء نے کہا کہ سفیان نے اپنے جیسا آدمی نہیں دیکھا، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں سفیان سے زیادہ کسی اور کی وقعت نہیں ہے، یحییٰ بن سعید قطان فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری سے بڑا حافظ حدیث نہیں دیکھا، جب میں ان سے کسی ایسی حدیث کے بارے میں سوال کرتا جو ان کے پاس نہ ہوتی تو ان پر بہت گراں گذرتا، محدث عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری نے ارشاد فرمایا: کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اپنے دل میں کوئی ودیعت رکھی ہو اور اس نے اس میں خیانت کردی ہو، امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری کے علاوہ کوئی ایسا آدمی نہیں رہا جس سے پوری امت خوش ہو، اور اس کی بات کو درست مانتی ہو۔

وکیع ابن الجراح نے فرمایا کہ سفیان ایک سمندر تھے، یحییٰ القطان نے فرمایا کہ سفیان، مالکؒ سے ہر چیز میں بڑھے ہوئے ہیں، ابن ابی ذئب نے فرمایا کہ میں نے عراق کے اندر سفیان ثوری جیسا آدمی نہیں دیکھا، آپ کی پیدائش ۹۷ھ میں ہوئی اور ۱۶۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا، اپنی جرأت اور حق گوئی کے پاداش میں خلیفہ مہدی کی نگاہوں سے بچنے کے لئے بصرہ میں روپوش تھے، اسی دوران آپ کا انتقال ہوا۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۸۴ تا ۱۸۶)

محدث عراق وکیع بن الجراح بن الملیح

آپ کا نام نامی وکیع، کنیت ابوسفیان، لقب محدث عراق ہے، موصوف کوفہ کے باشندے تھے، ۱۲۹ھ میں ان کی پیدائش ہوئی، آپ نے ھشام بن عروہ، اعمش، اسمٰعیل بن أبی خالد، ابن عون، ابن جریج، سفیان ثوری، اودی اور بہت سے حضرات سے حدیث سنی۔

ابن مبارک نے اپنی کبرسنی کے باوجود ان سے حدیث سنی، اسی طرح احمد، ابن مدینی، یحییٰ، اسحاق، زہیر، ابوکریب، عبید اللہ بن ہاشم، ابراہیم بن عبداللہ قصار، ابوشیبہ کے دونوں صاحبزادے اور دوسرے بہت سے لوگ آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

ان کے باپ دادا بیت المال کے نگراں تھے، ہارون رشید نے چاہا کہ وکیع کو کوفہ کا قاضی بنادیں لیکن وہ تیار نہیں ہوئے، یحیٰ بن یمان فرماتے ہیں کہ جب سفیان ثوری کا انتقال ہوا تو وکیع بن الجراح ان کے جانشیں ہوئے، قعنبی فرماتے ہیں: ہم لوگ حماد بن زید کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اسی دوران وکیع کا اس طرف گزر ہوا، لوگوں نے کہا کہ یہ سفیان ثوری کے سب سے بڑے راوی ہیں اس پر حماد نے فرمایا کہ تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ سفیان ثوری سے بڑے ہیں، یحیٰ بن ایوب مقابری فرماتے ہیں کہ وکیع کو اپنی ماں کی وراثت میں ایک لاکھ درہم ملے، فضل بن محمد شعرانی فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن اکثمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں سفر اور حضر میں وکیع بن الجراح کے ساتھ رہا، وہ ہمیشہ روزے رکھتے تھے اور

ہر رات قرآن ختم کرتے۔

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ وکیع اپنے زمانہ میں اسی پائے کے تھے جس پائے کے امام اوزاعی اپنے زمانے میں تھے، امام احمد فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو وکیع سے زیادہ علم کا یاد رکھنے والا نہیں دیکھا، یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ میں نے وکیع سے زیادہ اچھا آدمی نہیں دیکھا، وہ رات کو عبادت کرتے مسلسل روزے رکھتے، امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے، اسی طرح یحییٰ بن سعید قطان بھی امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

ابراہیم بن شماس نے فرمایا کہ اگر میں کسی چیز کی تمنا کرتا تو ابن مبارک کی عقل وورع، فضیل بن عیاض کی زہد ورقت اور وکیع کی عبادت و یادداشت، یحییٰ بن یونس کے خشوع، حسین جعفی کے صبر کی تمنا کرتا، اس کے بعد فرمایا کہ وکیع لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ ہیں، سعید بن منصور فرماتے ہیں کہ ایک بار وکیع مکہ آئے ان کے مٹاپے کو دیکھ کر فضیل بن عیاض نے پوچھا آپ تو عراق کے راہب ہیں پھر یہ مٹاپا کیسا؟ انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ دولت اسلام کی خوشی میں یہ مٹاپا ہے فضیل ابن عیاض لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ میری آنکھوں نے کبھی وکیع جیسا آدمی نہیں دیکھا، وہ حدیث کو یاد کر لیتے ہیں، فقہ کا بھی اچھی طرح مذاکرہ کرتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ ورع اور اجتہاد میں بھی کامل ہیں، کسی کی غیبت نہیں کرتے، حج سے لوٹتے ہوئے مقام ''فید'' میں عاشوراء کے دن ۱۹۷ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

سید الحفاظ یحییٰ بن معین

آپ کا نام یحییٰ اور کنیت ابوزکریا ہے، ۱۵۸ھ میں آپ پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد ممتاز کاتبوں میں سے تھے۔ آپ نے ہمیشہ ابن مبارک، اسمٰعیل بن مجالد، یحییٰ بن اَبی زائدہ، معتمر بن سلیمان اور اسی طبقہ کے دوسرے محدثین سے حدیث سنی، وران سے حدیث سننے والوں میں یہ لوگ ہیں امام احمد، ہناد، بخاری، مسلم، اَبوداؤد، اَبوزرعہ، اَبویعلی، احمد بن الحسن صوفی وغیرہ۔

امام نسائی نے فرمایا کہ ابوزکریا ثقہ اور مامون ہیں، وہ حدیث کے ایک امام ہیں، ابن مدینی نے فرمایا از آدم تا ایں دم ہم کسی ایسے آدمی سے واقف نہیں ہیں جس نے یحییٰ بن معین کی برابر احادیث لکھی ہوں، یحییٰ القطان نے فرمایا کہ ہمارے پاس ان دونوں (احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین) جیسے شاگرد نہیں آئے، امام احمد نے فرمایا کہ ابن معین ہم لوگوں میں رجال حدیث کے سب سے واقف کار تھے۔

علامہ زاہد کوثری تحریر فرماتے ہیں: ''انہوں نے امام محمد سے الجامع الصغیر سنی، اوران سے فقہ سیکھا، اور امام ابو یوسفؒ سے حدیث سنی، عیون التواریخ میں ہے کہ ابن مدینی، احمد بن حنبل، ابن ابی شیبہ ان کا ادب کرتے، اوران کی فضیلت کا احترام کرتے تھے، انہوں نے اپنے باپ سے وراثت میں دس لاکھ درہم

پائے، اور سب کا سب حدیث پر خرچ کر دیا، امام احمد فرماتے ہیں کہ جس حدیث سے یحییٰ بن معین واقف نہ ہوں وہ حدیث نہیں ہے، علامہ ذہبی نے جو رسالہ ثقات پر کلام کے بارے میں تالیف کیا، اس میں ابن معین کو کٹر حنفی بلکہ متعصب حنفی کہا ہے۔ (انتھی)

ذی قعدہ ۲۳۳ھ میں مسافرت کی حالت میں مدینہ منورہ کے اندر آپ کا انتقال ہوا۔ رحمہ اللہ (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸/ ج ۲، مقدمہ نصب الرایہ ص ۴۲)

امام ابوحنیفہ یحییٰ بن معین کی نگاہ میں

جہاں تک امام ابوحنیفہ کے حدیث و روایت میں قابل اعتبار اور سچا ہونے کا مسئلہ ہے اس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے تہذیب میں ذکر کیا ہے کہ محمد بن سعد عوفی نے فرمایا: ''میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے ہوئے سنا کہ امام ابوحنیفہ ثقہ ہیں، وہی چیز بیان کرتے ہیں جو انہیں یاد ہوتی ہے، جو چیز یاد نہیں ہوتی اس کو بیان نہیں کرتے''، اور صالح بن محمد اسدی ابن معین سے روایت کرتے کہ امام ابو حنیفہ حدیث کے اندر ثقہ ہیں۔ (ص ۴۵/ ج ۱۰)

علامہ ابن عبدالبر نے الانتقاء کے اندر لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین سے امام ابو حنیفہ کے بارے میں سوال کیا گیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ امام ابوحنیفہ ثقہ ہیں، میں نے کسی کو ان کی تضعیف کرتے ہوئے نہیں سنا۔ نیز علامہ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں ابن معین کا قول نقل کیا ہے کہ ''میں نے کوئی ایسا آدمی

نہیں دیکھا جسے وکیع پر ترجیح دے سکوں'' اور وہ امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوی دیتے تھے، ان کو امام ابوحنیفہ کی ساری حدیثیں بھی یاد تھیں۔

(انجاء الوطن ص ۱۷، الانتقاء ص ۱۳۶، جامع بیان العلم ص ۱۴۹/ ج ۲)

امام احمدؒ کی ابتلاء وآزمائش کے کیا کیا اثرات فن اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل پر پڑے ہیں ان کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بلوغ الامانی ص ۳۶ تا ۳۹۔

امام شافعی پر ابن معین کا نقد

علامہ ذہبی نے ابن معین کے نقد کو ذکر کیا ہے، ابن سبکی نے بھی نقد کی روایت ذکر کی ہے، مگر ان کا رجحان اس طرف ہے کہ ابن معین کا نشانہ وہدف امام شافعی نہیں، بلکہ ابراہیم بن محمد شافعی ہیں، علامہ ابن عبدالبر نقد کی مختلف روایتوں کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ابن معین کا نشانہ وہدف امام شافعی کے بجائے ابراہیم بن محمد شافعی کو قرار دینا اٹکل کا تیر اور بے کار کی تاویل ہے، ایک روایت میں ہے کہ ابن معین نے امام شافعی کے بارے مین فرمایا کہ وہ ثقہ نہیں ہیں، میں کہتا ہوں کہ استاذ ابومنصور بغدادی کے حالات میں یہ بات آچکی ہے کہ ابن معین نے امام شافعی کا ارادہ نہیں کیا تھا، تب تو سرے سے یہ مسئلہ ہی اٹھ گیا۔

(طبقات کبریٰ ج ۵/ص ۲۲۰)

یحیٰی بن معین سے سوال کیا گیا کہ اے ابوزکریا! کیا ابوحنیفہ حدیث میں سچے تھے؟ جواب دیا ہاں! وہ بہت سچے تھے، پھر ان سے پوچھا گیا کہ امام شافعی

حدیث میں جھوٹے ہیں؟ فرمایا: نہ تو میں ان کی حدیث کو پسند کرتا ہوں اور نہ ان کا تذکرہ پسند کرتا ہوں، اسی طرح ابن معین سے پوچھا گیا کہ ابوحنیفہ، شافعی، ابویوسف میں کون آپ کو زیادہ پسند ہیں؟ جواب دیا کہ میں شافعی کی حدیث کو پسند نہیں کرتا، ابوحنیفہ سے بہت سے نیک لوگوں نے روایت کی ہے، وہ جھوٹے نہیں تھے۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲/ص ۱۴۹)

ابن معین۔ اللہ ان کو معاف کرے۔ بہتیرے ائمہ ثقات کے بارے میں زبان درازی کرتے تھے، جن چیزوں کی بنا پر ابن معین پر یہ الزام آتا ہے اور دھبہ لگتا ہے، ایک بات یہ بھی ہے کہ انھوں نے امام شافعی کو غیر ثقہ کہا ہے، ابن حنبل سے کہا گیا کہ ابن معین امام شافعی پر جرح کرتے ہیں، انھوں جواب دیا: کہ ابن معین امام شافعی کو کیا جانیں...... نہ تو وہ امام شافعی کا مرتبہ جانتے ہیں، اور نہ ان کا فن جانتے ہیں، اور آدمی جس چیز سے ناواقف ہوتا ہے اس کا دشمن ہوتا ہے۔

ابن عبدالبر نے فرمایا کہ ابن حنبل نے بالکل صحیح کہا، ابن معین کو امام شافعی کا فن نہیں معلوم، عبداللہ امیر بن عبدالرحمٰن بن محمد ناصر فرماتے ہیں کہ ابن وضاح نے ابن معین کی طرف منسوب کر کے جو یہ قول نقل کیا ہے کہ امام شافعی غیر ثقہ ہیں، یہ ابن معین پر جھوٹا الزام ہے، غرضیکہ عبداللہ امیر اس روایت کا ذمہ دار ابن وضاح کو قرار دیتے ہیں، اور خالد بن سعد فرمایا کرتے تھے کہ ابن وضاح نے ابن معین سے ابراہیم بن محمد شافعی کے بارے میں پوچھا تھا، امام شافعی کے بارے میں نہیں پوچھا تھا، لیکن یہ سب کی سب باتیں میرے نزدیک اٹکل پچو ہیں، اور

خواہش نفس کی اتباع، کیونکہ امام شافعی پر ابن معین کا جرح کرنا مختلف طریق سے ثابت ہے، حتیٰ کہ ان کو ابن حنبل نے منع فرمایا اور کہا تمہاری آنکھوں نے کبھی امام شافعی جیسا آدمی نہیں دیکھا ہوگا۔

امام مالک وشافعی اور دیگر جلیل القدر ائمہ کے اوپر جرح کرنے والے کی حالت اس پہاڑی بکرے کی سی ہے، جو فلک بوس پہاڑ کو سینگیں مار رہا ہے، ظاہر ہے کہ اس حرکت سے اس بلند و بالا پہاڑ کا کچھ نقصان تو ہوگا نہیں، ہاں اس بکرے کی سینگیں کمزور ہو کر ٹوٹ جائیں گی۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲/ص ۱۵۹ تا ۱۶۱)

اس کے بعد صحابۂ کرام کی ایک دوسرے کے بارے میں جرح نقل کر کے ایک بہت اچھی بات لکھتے ہیں کہ جو لوگ ائمہ ثقات کی ایک دوسرے پر جرح قبول کرنا چاہتے ہیں، انھیں چاہئے کہ پہلے صحابہ کرام - رضوان اللہ علیہم اجمعین - کا ایک دوسرے پر نقد قبول کریں، جس کو ہم نقل کر آئے ہیں، اگر کسی نے یہ جراتِ بے جا کی تو وہ بالکل گمراہ اور نا کام ہو جائے گا، اسی طرح اس وقت بھی گمراہی اور خسران یقینی ہے، جب کوئی شخص سعید بن المسیب کے بارے میں عکرمہ کا قول قبول کرے گا، اور شعبی، نخعی، اہل حجاز، اہل کوفہ، اہل شام، مالک شافعی وغیرہ کے بارے میں ایک دوسرے کی جرح قبول کرے گا، اگر وہ ایسا کرنے پر تیار نہیں ہے - خدا نے اگر اس کی رہنمائی کی اور اس کو رشد وہدایت دی تو وہ کبھی ایسا تصور نہیں کر سکتا - تو چاہئے کہ ہماری شرط کی پابندی کرے، یعنی جس کے بارے میں

معلوم ہو کہ وہ عادل ہے اور اپنی توجہ علم میں صرف کئے ہوئے ہے، کبائر سے محفوظ ہے، مروت اور تعاون کو اپنائے ہوئے ہے، اس پر خیر کا غلبہ ہے، ایسے شخص کے بارے میں کسی کی بے دلیل بات قبول نہ کرے، یہی بات حق ہے، اس کی مخالف کوئی بات درست نہیں۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ج۲/ص۱۶۲)

امام ابوحنیفہ تابعی تھے

علامہ ابن حجر مکی شافعی نے شرح مشکوۃ شریف میں تشریح کی ہے کہ امام صاحب نے آٹھ صحابہ کا زمانہ پایا ہے، اور حضرت انس بن مالک وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے تھذیب التھذیب (ج ۱۰، ص۴۴۹) میں تصریح کی ہے کہ امام صاحب نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے۔

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت انسؓ کو جب وہ کوفہ میں تشریف لائے تو امام صاحب نے ان کو کئی بار دیکھا ہے، نواب صدیق حسن خانصاحب پیشوائے غیر مقلدین نے باوجود تعصب ومخالفت کے التاج المکلل میں رؤیت حضرت انس کا اقرار کیا ہے، اور خطیب کی تاریخ بغداد سے اس کو نقل کیا ہے۔

غرض حافظ ذہبی، امام نووی، ابن سعد، خطیب بغدادی، دارقطنی، حافظ ابن حجر، ابن الجوزی، حافظ جلال الدین سیوطی، حافظ ابن حجر مکی، حافظ زین الدین عراقی، حافظ سخاوی، ابن مقری شافعی، امام یافعی، امام جزری، ابونعیم

اصفہانی ، ابن عبد البر، سمعانی، عبد الغنی مقدسی، سبط ابن الجوزی، فضل اللہ تور بشتی ، ولی عراقی ، ابن الوزیر، حافظ بدر الدین عینی، قسطلانی وغیرہ محدثین کبار نے رؤیت انسؓ کو تسلیم کیا ہے، جو حدیث صحیح کے مطابق اور محققین محدثین کے اصول پر تابعی ہونے کے لئے کافی ہے، اس لئے حافظ ذہبی نے امام صاحب کو تذکرۃ الحفاظ میں طبقہ خامسہ میں ذکر کیا ہے اور تقریب میں طبقہ سادسہ میں ذکر کرنے کو لغزش قلم قرار دیا گیا ہے۔

تاریخ خطیب (۴/ ۲۰۸) میں امام دار قطنی کی طرف بروایت حمزہ سہمی یہ بھی منسوب کیا گیا ہے کہ جب دار قطنی سے دریافت کیا گیا کہ امام صاحب کا سماع حضرت انس سے صحیح ہے یا نہیں ؟ تو کہا کہ ''نہیں اور نہ ہی رویت ہی صحیح ہے'' حالانکہ دار قطنی نے کہا یہ تھا کہ ''نہیں، مگر رؤیت صحیح ہے'' شاطر مصحح نے ''لا الا رؤیتہ'' کو ''لا ولا رؤیتہ'' بنا دیا، چنانچہ امام سیوطی کی تبییض الصحیفہ میں حمزہ سہمی سے ہی دار قطنی کا جواب تفصیل سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب نے حضرت انسؓ کو یقیناً اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر روایت نہیں سنی۔

(مقدمہ انوار الباری ۱/ ۵۱، ۵۲)

اقتباس:١٩

قلت: هو كذلك، لكن من الطرفين ثم لم أر محدثا فقيهاً أو فقيهافقط يقدح في أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ، نعم من كان منهم محدثا فقط فانه جرح عليه، ثم انه نقل عن أبي داؤد ما يدل على أنه من معتقدي أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ حيث قال: رحمه اللّٰه أباحنيفة كان اماما، وأما البخاري فانه يهجوه، وأما النسائي فقد ضعفه، وشدَّد في حسن بن زياد، وقال: انه كذاب وهو خلاف الواقع، وأما مسلم فلا يدري حاله، غير أن الجارود رفيق سفره حنفي، وأدبه العربي أعلى من مسلم، وكان مسلم يستعين منه في أشياء، وأما الترمذي فهو ساكت، وأما ابن سيد الناس والدمياطي فانهما في ثلج الصدر عن الامام و يوقرانه ويبجلانه، حتى أنه مر على اسناد فيه الامام الأعظم فصححه، وأما العراقي فلا يدري حاله، الا أن سلسلة تلمذته انتهت على المارديني، وهو حنفي، فاللّٰه أعلم أنه هل تادب لهذ التلمذة أم لا؟ بقي الحافظ ابن حجر، وهو ضر الحنفية بما

استطاعه، حتى انه جمع مثالب الامام الطحاوى والطعون فيه، مع أن أباجعفر الطحاوى امام عظيم لم يبلغ الى أحد من أئمة الحديث خبره الا حضر عنده بمصر وجلس فى حلقة أصحابه وتلمذ عليه.

(فیض الباری، ۱/ ۱۶۹، ۱۷۰)

میں نے کسی ایسے شخص کو جو محدث وفقیہ دونوں ہو یا صرف فقیہ ہو امام صاحب (امام ابوحنیفہ) پر جرح کرتے ہوئے نہیں دیکھا، ہاں جو لوگ صرف محدث ہیں ان سے جرح منقول ہے۔

محدثین میں سے ابو داؤد سے ایسا جملہ منقول ہے جو ان کے امام صاحب کے معتقد ہونے پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ انھوں نے فرمایا ہے ”خدا تعالیٰ امام ابوحنیفہؒ پر رحم کرے، وہ بڑے امام تھے“ اور امام بخاریؒ تو ہجو کرتے ہیں، نسائی نے امام صاحب کو ضعیف قرار دیا ہے، اور امام صاحب کے شاگرد حسن بن زیاد لولوئی کو کذاب تک کہہ دیا ہے، حالانکہ یہ بات خلاف واقعہ ہے، امام مسلمؒ کا حال معلوم نہیں، ہاں اتنی بات معلوم ہے کہ ان کے رفیق سفر جارود حنفی تھے، اور ان کا عربی ادب مسلم سے اعلیٰ تھا، بہت سی چیزوں میں امام مسلم جارود سے تعاون حاصل کرتے تھے، ترمذی بھی خاموش ہیں، ابن سید الناس اور دمیاطی امام صاحب سے

مطمئن ہیں، امام صاحبؒ کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں، حتی کہ ابن سید الناس ایک ایسے سلسلہ سند پر گذرے جس کے ایک راوی امام صاحب بھی ہیں تو انھوں نے اس سند کی تصحیح کردی، عراقی کا حال معلوم نہیں ہے مگر ان کا سلسلہ سند ماردینی تک پہونچتا ہے جو کہ حنفی ہیں، خدا جانے شاگردی کا ادب ملحوظ رکھا یا نہیں؟

☆☆☆☆☆

امام ابوحنیفہؒ

۸۰ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی، ابن سعد سیف بن جابر سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے امام ابوحنیفہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انس بن مالک کے کوفہ آنے کے موقع پر میں نے انھیں کئی بار دیکھا، آپ نے عطاء، نافع، عبد الرحمٰن بن هرمز اعرج اور دوسرے بہت سے لوگوں سے حدیث سنی، زفر بن ہذیل، داؤد طائی، قاضی ابو یوسف، محمد بن الحسن، اسد بن عمر، حسن بن زیاد لؤلؤی، نوح جامع، ابو مطیع بلخی اور دیگر بہت سے حضرات آپ کی فیض صحبت سے فقیہ بنے، خود امام صاحب نے حماد بن ابی سلیمان سے فقہ سیکھا، موصوف پرہیز گار امام، عالم باعمل، عظیم الشان عبادت گذار تھے، بادشاہ کے انعامات قبول نہیں فرماتے تھے بلکہ تجارت کر کے کماتے تھے۔

ضرار بن سرد نے فرمایا کہ یزید بن ہارون سے پوچھا گیا کہ سفیان ثوری

اور امام ابوحنیفہ میں سے کون بڑا فقیہ ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ امام ابوحنیفہ بڑے فقیہ ہیں اور سفیان ثوری بڑے حافظ حدیث ہیں، ابن مبارک نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ ہیں، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔

یزید بن ہارون نے فرمایا کہ میں نے کسی کو ابوحنیفہ سے بڑا پرہیزگار اور عقلمند نہیں دیکھا، احمد بن محمد بن قسم یحییٰ بن معین کا قول نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب میں کوئی خرابی نہیں ہے، اور وہ متہم بھی نہیں ہیں، ابوداؤد نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ امام تھے، بشر بن الولید امام ابویوسف سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک بار امام صاحب کے ساتھ چل رہا تھا، اسی دوران ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے کہا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں جو راتوں کو نہیں سوتے ہیں، یہ بات سن کر امام صاحب نے فرمایا کہ لوگ میرے بارے میں خلاف واقعہ بات نہیں کہہ رہے ہیں، غرضیکہ امام صاحب نماز، دعاء، تضرع میں رات گذارتے تھے (علامہ ذہبی فرماتے ہیں) میں نے امام صاحب کے حالات مستقل ایک کتاب میں لکھے ہیں، رجب ۱۵۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۱۵۱، ۱۵۲)

امام بخاری اور نسائی کا ریمارک

امام بخاریؒ اور امام نسائیؒ نے غلط فہمی یا تعصب مذہبی کی بنیاد پر امام ابوحنیفہؒ کے اوپر جو رد وقدح کی ہے وہ ان کے شان سے فروتر چیز ہے، بلکہ بقول ابن

عبدالبر اس تنقید بلکہ تنقیص سے امام صاحب کے علو مرتبت میں کوئی کمی نہیں آئی، ہاں بخاری اور نسائی کی شخصیت البتہ قدرے مجروح ہوگئی، ناقدین ابوحنیفہ کے اعتراضات کے جوابات احناف بہت پہلے دے چکے ہیں، لیکن آخر دور میں علامہ زاہد کوثری مرحوم نے جس محققانہ انداز میں جوابات دئے ہیں وہ اپنی نظیر آپ ہے، موصوف کی تانیب الخطیب اس موضوع پر حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے، اردو داں طبقہ اس سلسلہ میں مقدمہ انوار الباری کا مطالعہ کرے ہم طوالت کے خوف سے صرف بخاری ونسائی کا ریمارک نقل کرتے ہیں۔

امام بخاری تاریخ صغیر میں فرماتے ہیں کہ میں نے اسماعیل بن عروہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہ نے فرمایا کہ قبیلۂ جہم کی ایک عورت ہمارے پاس آئی اور اس نے ہماری عورتوں کو تعلیم وتربیت دی، میں نے امام حمیدی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہ نے کہا کہ میں مکہ آیا تو حجام سے تین سنتیں سیکھیں، جب میں اس کے سامنے بیٹھا تو اس نے کہا کہ کعبہ کی طرف چہرہ کیجئے، پھر اس نے میرے سر کے دائیں جانب سے بال بنانا شروع کیا اور بناتے ہوئے دونوں ہڈیوں تک پہونچ گیا۔

حمیدی نے یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ جس آدمی کے پاس مسائل حج وغیرہ کے سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کی سنتیں نہ ہوں، نماز، روزہ، زکوٰۃ، میراث وفرائض وغیرہ اسلامی امور کے اندر اس کی تقلید کس طرح کی جائے۔ (التاریخ الصغیر للبخاری، ۱۵۸، ۱۵۹)

تاریخ صغیر میں دوسری جگہ لکھتے ہیں: نعمان بن ثابت کا ۱۵۰ھ میں انتقال ہوا، انتقال کے وقت ان کی عمر ۷۰ سال تھی، مجھ سے نعیم بن حماد نے بیان کیا، ان سے فزاری نے بیان کیا کہ میں سفیان ثوری کے پاس تھا، اسی دوران نعمان بن ثابت کے انتقال کی خبر آئی، خبر سن کر سفیان ثوری نے فرمایا ''الحمدللہ'' وہ شخص اسلام کی ہر ہر کڑی کو توڑ رہا تھا، اسلام میں اس سے بڑا منحوس آدمی نہیں پیدا ہوا۔ (بحوالہ سابق ۱۷۴)

امام نسائی اپنی کتاب ''الضعفاء والمتروکین'' میں لکھتے ہیں: نعمان بن ثابت کوفی جن کی کنیت ابو حنیفہ ہے قوی نہیں ہیں (ص ۲۹)، حضرت حسن بن زیاد (شاگرد امام اعظم) کے بارے میں لکھتے ہیں: وہ ثقہ اور مأمون نہیں ہیں۔

حافظ محمد بن نصر بن سلمہ بن جارود حنفی

آپ کے باپ، دادا، پردادا سب حنفی تھے، آپ بھی حنفی تھے، موصوف نے اسحاق بن راہویہ، سوید بن سعید، محمد بن عبدالملک، اسماعیل بن بنت السدی، ابوکریب اوران کے ہم طبقہ دیگر محدثین سے احادیث سنیں، اوران سے ابن خزیمہ، ابو حامد بن الشرقی، محمد بن ابراھیم وغیرہ نے حدیث سنی، ابن ابی حاتم نے انھیں حافظ حدیث اور صدوق کہا ہے، حاکم نے فرمایا کہ وہ حفظ وکمال وریاست میں اپنے زمانہ کے امام تھے، امام حاکم نے یہ بھی فرمایا کہ محمد بن یحییٰ ذہلی، ابوبکر جارودی کی عربیت سے اپنی تصنیفات میں مدد لیتے تھے، اوران کو اپنے پاس رات

میں ٹھہراتے تھے، ربیع الاول ۲۹۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(تذکرۃ الحفاظ ۲/۲۴۴، ۲۴۵، الجواہر المضیئۃ ۲/۱۳)

علامہ ابن سید الناس

آپ کا اسم گرامی محمد اور کنیت ابوالفتح اور لقب فتح الدین ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد بن محمد بن محمد بن احمد بن عبداللہ بن یحییٰ بن سید الناس۔

ذی الحجہ ۶۷۱ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی، موصوف نے قطب الدین بن القسطلانی، غازی حلاوی، ابن الخطیب المزۃ وغیرہ سے حدیث سنی، علامہ ذہبی ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ حدیث میں صدوق تھے، ان کی نقل حجت تھی، فن پر ان کی تنقیدی نگاہ تھی، نیز انھیں رجال حدیث اور ان کے طبقات کی اچھی طرح واقفیت تھی، شیخ علم الدین برزالی فرماتے ہیں کہ وہ حدیث کی معرفت واتقان، حفظ وصحت کے سلسلہ میں چوٹی کے آدمی تھے، اسی طرح حدیث کی خرابیوں اور سندوں کے اچھے واقف کار تھے، صحیح وسقیم حدیث کے جاننے والے تھے، سیرت نبوی ان کو بالکل مستحضر تھی، عربیت میں ان کو اچھی خاصی مہارت تھی، ان کے اشعار سلیس اور رواں ہیں، اور ان کی نثر بلند پایہ ہے۔

آپ ایک معزز علمی خاندان میں پیدا ہوئے، ام ولد باندیوں کی فروختگی کے عدم جواز کے بارے میں ان کے دادا کی ایک جلد میں ضخیم کتاب ہے، جو ان کے وفور علم پر دلالت کرتی ہے، خود علامہ ابن سید الناس نے مغازی وسیرت میں ''عیون الاثر'' نامی ایک کتاب لکھی ہے، اسی طرح ترمذی کے کچھ حصے کی بھی

آپ نے شرح لکھی ہے، اس کے علاوہ آپ کی دوسری بہت ساری کتابیں ہیں، ۱۱ر شعبان المعظم ۷۳۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (طبقات کبریٰ ۶/ ۲۹، ۳۰)

حافظ دمیاطی

آپ کا نام نامی اسم گرامی عبدالمؤمن، لقب شرف الدین اور کنیت ابومحمد ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے، عبدالمؤمن بن خلف بن اُبی الحسن بن شرف بن الحضر بن موسیٰ دمیاطی۔

۶۱۳ھ میں اسکندریہ کے اندر آپ کی پیدائش ہوئی، آپ اپنے زمانے میں فن حدیث ولغت کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے، انھوں نے بہتیرے مشائخ سے حدیث سنی، علم کے لئے اسفار کئے، شہروں کے چکر لگائے، اس طریقہ سے انھوں نے بہت سارا علم جمع کر لیا اور محفوظ کر لیا، لیکن علم کے بارے میں بخل سے کام نہیں لیا بلکہ خوب علم پھیلایا اور تصنیفات کیں، علامہ ذہبی فرماتے ہیں: آپ خوبصورت، با اخلاق، متبسم اور فصیح لغوی آدمی تھے، عبارت عمدہ تھی، حافظ مزی نے فرمایا کہ میں نے ان سے بڑا حافظ حدیث نہیں دیکھا، آپ دیار مصر میں مختلف عہدوں پر فائز ہوئے اور لوگوں کو ان سے بڑا فائدہ پہونچا، آپ اکابر شافعیہ میں سے تھے، آپ نے ایک مبسوط معجم تصنیف کی، جس کے اندر تیرہ سو سے زائد ان مشائخ کا ذکر ہے، جن سے شام، حجاز، جزیرہ، عراق، دیار مصر وغیرہ میں ملاقات ہوتی، آپ کی چند تصانیف یہ ہیں: ''کشف المغطیٰ فی تبیین الصلوٰۃ الوسطیٰ'' (مطبوعہ)، ''المتجر الرابح فی ثواب العمل الصالح''

(مخطوطہ)،''قبائل الخزرج''،''المختصر فی سیرة البشر (مخطوطہ)،
''التسلی والاغتباط بثواب من تقدم من الافراط''(مخطوطہ)۔

آپ آخر تک حدیث سنانے میں مشغول رہے، آخری عمر میں ایک بار روزہ کی حالت میں املاء کرا رہے تھے، اسی حالت میں آپ پر غشی طاری ہوئی، پھر آپ کو گھر لے جایا گیا، لیکن فوراً ہی انتقال ہوگیا، اور یہ واقعہ بروز اتوار دس ذی قعدہ ۷۰۵ھ میں قاہرہ کے اندر پیش آیا آپ کی نماز جنازہ میں بہت مخلوق شریک تھی۔ (قاموس الأعلام ۴/ ۳۱۸، البدایہ والنہایہ ۴/ ۴۱)

حافظ زین الدین عراقی

عبدالرحیم نام ابوالفضل کنیت اور زین الدین لقب تھا، پورا نسب نامہ یہ ہے: عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن ابی بکر بن ابراہیم، اصلاً عراقی وطناً مصری مشہور ہوئے۔

۲، جمادی الاولیٰ ۷۲۵ھ کو آپ کی پیدائش ہوئی، ان کے والد محترم ان کو اپنے شیخ تقی الدین القنائی کی خدمت میں برابر لاتے رہے، شیخ ان پر اپنا دست برکت پھیر کر درازی عمر اور سعادت مندی کی دعاء کرتے تھے، ابھی آپ تین سال کے تھے کہ والد ماجد نے داغ مفارقت دے دیا، ان کے بعد شیخ تقی الدین القنائی نے آپ کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا، خداداد ذکاوت کی بناء پر بہت جلد حفظ قرآن اور ابتدائی تعلیم سے فارغ ہوگئے، شروع میں آپ کو قرأت سے غیر

معمولی شغف تھا، لیکن عزالدین بن جماعہ کے توجہ دلانے سے حدیث کی طرف متوجہ ہوئے، پھر تو حدیث کے ایسے عاشق ہو گئے کہ طلب حدیث کی خاطر اکثر بلاد اسلامیہ کی خاک چھانی، موصوف بہت جلد فن حدیث میں ممتاز ہو گئے، اور اتنا اونچا مقام حاصل کرلیا کہ ان کے شیوخ واساتذہ مثلاً سبکی، علائی، ابن جماعہ، ابن کثیر وغیرہ ان کی بہت تعریف کرنے لگے۔

امام عراقی کا چشمۂ فیض بڑا وسیع تھا، انہوں نے مختلف جگہوں پر درس و تدریس کی مجلسیں آراستہ کیں، دارالحدیث الکاملیہ، مدرسہ ظاہریہ، جامع بن طولون وغیرہ میں مدت دراز تک حدیث وفقہ کا درس دیا، ان کے علمی کمالات کا شہرہ سن کر ایک مخلوق استفادہ کے لئے ٹوٹ پڑی، جن میں مختلف ملکوں اور طبقوں کے لوگ تھے، حافظ بن حجر عسقلانی، نورالدین ہیثمی، ابوزرعہ ان کی علمی یادگار ہیں۔

آپ کی تصانیف بہت ہیں، چند کے نام یہ ہیں: "الفیہ" "شرح الفیہ" "نظم الاقتراح"، "تخریج أحادیث الأحیاء"، "تکملة شرح الترمذی لا بن سید الناس" وغیرہ، ۸ شعبان المعظم ۸۵۶ھ میں آپ کا قاہرہ کے اندر انتقال ہوا اور وہیں باب البرقیہ کے آگے مدفون ہوئے۔

(حسن المحاضرہ ۱/ ۱۶۸، معارف اپریل ۱۹۷۱ء)

علامہ ماردینی حنفی

آپ کا نام علی بن عثمان بن ابراہیم اور لقب علاء الدین تھا، موصوف ترکمانی کے نام سے مشہور ہوئے، سیوطیؒ کے بقول آپ کی پیدائش ۶۸۳ھ میں ہوئی، آپ فقہ، اصول فقہ، حدیث کے بہت بڑے امام تھے، اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ پہونچاتے رہے، ایک ممتاز عالم اور محقق و مدقق تھے، خصوصاً حدیث و تفسیر، فرائض وحساب، شعروتاریخ میں آپ کو پوری دسترس حاصل تھی، آپ دیار مصر کے قاضی رہے۔

صاحب الجواہر المضیۃ فرماتے ہیں کہ میں نے علامہ ترکمانی سے ھدایہ کا ایک حصہ پڑھا اور حدیث کے بارے میں ان کا دامن تھام لیا، انھوں نے کفایہ کے نام سے ھدایہ کا اختصار کیا اور اس کی شرح لکھنی شروع کی، لیکن اس کو پورا نہ کر سکے، آپ کی وفات دس محرم الحرام ۷۵۰ھ میں ہوئی، لیکن سیوطی نے سن وفات ۷۴۵ھ لکھا ہے۔

موصوف کی بہت ساری تصانیف ہیں، چند کے نام یہ ہیں: **بهجة الأعاريب بما في القرآن من الغريب، كتاب الضعفاء والمتروكين، الجوهر النقي في الرد على البيهقي، مختصر المحصل في الكلام، المعدن في أصول الفقه۔**

(الفوائد البہیہ ۵۱، ۵۲)

اقتباس:۲۰

وفي محق الرسومات كتاب للشاه اسماعيل رحمه الله تعالىٰ، سماه: "ايضاح الحق الصريح" وهو أجود من كتابه "تقوية الايمان"، فانه يحتوى على مضامين علمية، وكتابه تقوية الايمان فيه شدة فقل نفعه، حتى أن بعض الجهلة رموه بالكفر من أجل هذا الكتاب، قلت: وجميع مافيه موجود فى كتاب الاعتصام، للشاطبى رحمه الله تعالىٰ، والله الهادى الى الصواب، اما محمد بن عبدالوهاب النجدى فانه كان رجلا بليدا قليل العلم، فكان يتسارع الى الحكم بالكفر، ولا ينبغى ان يقتحم فى هذا الوادى الا من يكون متيقظاً متقنا عارفا بوجوه الكفر وأسبابه.

(فیض الباری،۱/۱۷۲)

رسم ورواج کی رد میں شاہ اسماعیلؒ کی کتاب "ایضاح الحق الصریح"، علمی مضامین پر مشتمل ہے، یہ کتاب ان کی کتاب تقویۃ الایمان سے زیادہ عمدہ ہے،تقویۃ الایمان کا انداز سخت ہے، جس کی بنیاد پر اسکا نفع کم ہوگیا،حتیٰ کہ بعض جاہلوں نے "تقویۃ الایمان" کی وجہ سے شاہ صاحب موصوف پر کفر کا الزام لگا دیا،

میں کہتا ہوں کہ ''تقویۃ الایمان'' کے تمام مضامین شاطبی کی کتاب الاعتصام میں موجود ہیں۔

اور محمد بن عبد الوھاب نجدی کم عقل وکم علم آدمی تھے، کفر کا حکم لگانے میں جلدی کرتے تھے، حالانکہ اس وادی میں اترنا اس شخص کے لئے مناسب ہے جو بیدار مغز اور ماہر ہو اور کفر کے اسباب ووجوہ کو اچھی طرح جانتا ہو۔

☆☆☆☆☆

شاہ اسماعیل شہید اور ان کی کتاب ایضاح الحق الصریح

شاہ صاحب کے حالات اردو زبان میں بکثرت لکھے جا چکے ہیں، اور ان کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' محتاج تعارف نہیں ہے، مولانا علی میاںؒ نے ''رسالۃ التوحید'' کے نام سے اس کا عربی ترجمہ کر کے عرب ممالک کے لئے ایک انمول ہدیہ پیش کیا ہے، لیکن ایضاح الحق الصریح کو کم ہی لوگ جانتے ہیں، اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ایضاح الحق الصریح کمیاب ہے، یہ کتاب فارسی زبان میں ہے، مقدمہ کے اندر وجہ تصنیف لکھتے ہوئے شاہ صاحب رقم طراز ہیں: ''یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، اہل بدعت کی شورش وسرکشی اس زمانہ میں اس حد تک پہونچ چکی ہے کہ عبادات، عادات، معاشرات، معاملات کے اکثر مسائل میں ان لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ قسم قسم کی بدعات منکرات ملا دی ہیں، اور اگر چہ اکثر عبادات وعادات میں یہ قبیح خلط ملط ہو گیا

ہے، لیکن اموات کے سلسلہ میں مختلف قسم کی شرک و بدعات اس طرح تہہ بہ تہہ جم گئی ہیں کہ سنت کا محض نام رہ گیا ہے، اس صورت حال کو دیکھ کر فضائل مآب مشفقی مکرمی مولوی تفضّل علی صاحب کو مردوں سے متعلق رسوم کے اندر سنت و بدعت میں تمیز کرنے کی خواہش ہوئی، انھوں نے اس بندہ ناچیز احقر محمد اسماعیل سے اس بارہ میں استفسار کیا، احقر نے دریافت کردہ سوالات کے جوابات چند اوراق میں مفصل و مدلل طور پر لکھ کر اس کا نام ''ایضاح الحق الصریح فی أحکام المیت والضریح'' رکھا، اور اس کو ایک مقدمہ دو باب ایک خاتمہ پر مرتب کیا''۔

حضرت تھانوی ایک استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں:

''تقویۃ الایمان میں بعض الفاظ جو سخت واقع ہوگئے ہیں تو اس زمانہ کی جہالت کا علاج تھا، جس طرح قرآن مجید میں عیسیٰؑ کو اللہ ماننے والوں کے مقابلہ میں ''قل فمن یملک من اللہ شیئاً ان أراد أن یھلک المسیح بن مریم '' فرمایا ہے، لیکن مطلب ان الفاظ کا برا نہیں ہے، جو غور سے یا سمجھانے سے سمجھ میں آسکتا ہے، لیکن اب جو بعضوں کی عادت ہے کہ ان الفاظ کو بلا ضرورت بھی استعمال کرتے ہیں، یہ بے شک بے ادبی اور گستاخی ہے۔

(امداد الفتاویٰ ۳۸۲/۵، ۳۸۳)

علامہ شاطبی

آپ کا اسم گرامی ابراہیم، کنیت ابو اسحاق ہے، شاطبی نام سے مشہور ہوئے، آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: ابراہیم بن موسیٰ بن محمد لخمی غرناطی،

موصوف علم کے ساتھ پرہیز گاری، اصلاح، اتباع سنت کے بڑے مرتبہ پر فائز تھے، شاطبیؒ بدعت کے کٹر مخالف اور اہل بدعت سے مکمل طور پر کنارہ کش تھے، بدعات کی بیخ و بن کھودنے کے لئے آپ نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا، بدعت کے سلسلہ میں اپنے بعض مشائخ سے بھی گفتگو اور بحث کی۔

امام حفید بن مرزوق نے آپ کو فقیہ، محدث، علامہ صالح جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے، کیونکہ فضل والوں کو فضل والے ہی جانتے ہیں، آپ نے متعدد ائمہ عربیت سے عربی زبان سیکھی، شاطبی نے تاحیات ان کا دامن تھامے رکھا، دوسرے امام ابوعبد اللہ تلمسانی ہیں، تیسرے استاذ مقصورہ حازم کے شارح ابو القاسم سبطی ہیں۔

علامہ شاطبی اجتہاد کر کے ممتاز ہو گئے، اور اکابر سے آگے بڑھ کر ائمہ کبار کی صف میں پہونچ گئے، آپ نے مختلف علوم میں چند تصانیف بھی کی ہیں، جو تحقیقات عالیہ اور فوائد پر مشتمل ہیں۔

''شرح الخلاصہ'' یہ کتاب فن نحو میں ہے، چار ضخیم جلدوں میں مکمل ہوئی، اپنے موضوع پر لاثانی کتاب ہے ''الموافقات''، اس کتاب کا اصل نام و عنوان ''التعریف بأصول التکلیف'' ہے، یہ کتاب اصول فقہ میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاطبیؒ کا علوم میں کتنا اونچا مقام تھا، ''الاعتصام'' یہ کتاب سنت و بدعت کی تحقیق میں ایک بے نظیر کتاب ہے ''کتاب المجالس'' اس کتاب میں مصنف نے بخاری کتاب

البیوع کی شرح کی ہے، علامہ شاطبیؒ کا انتقال بروز منگل ۸، شعبان ۷۹۰ھ کو ہوا۔ (ترجمہ شاطبیؒ ملحقہ بأول کتاب الاعتصام)

محمد بن عبدالوہاب نجدی

محمد بن عبدالوہاب نجدی کی پیدائش ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۷۰۳ء میں ہوئی، اور انتقال ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۷۹۲ء میں ہوا، موصوف کے حالات میں اردو کے اندر بھی متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں، مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کی کتاب مبسوط و مدلل ہے، محمد بن عبدالوہاب نجدی کی شخصیت شروع سے متنازع رہی ہے، ایک گروہ نے مذمت میں غلو کیا یہاں تک کہ کافر کہہ دیا، دوسرے گروہ نے تعریف میں غلو کیا اور محمد بن عبدالوہاب کی بعض خامیوں کو بھی خوبیوں کے روپ میں پیش کیا، مولانا محمد میاں مرحوم نے آپ کے بارے میں ''شاندار ماضی'' کے جلد دوم میں صفحہ ۲۵۹ میں تحریر کیا ہے: ''نجد کا ایک عالم تھا، ان کے اخلاص میں شک کرنا مشکل ہے، البتہ ان کی دعوت میں شدت تھی اور اسی بناء پر جادۂ اعتدال سے کسی قدر ہٹ گئے''۔

علامہ انور شاہ کشمیری کے ریمارک کے بارے میں اس وقت تک کچھ عرض کرنا مشکل ہے، جب تک کہ براہ راست محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تصنیفات کا غور سے مطالعہ نہ کرلیا جائے، مولانا مسعود عالم ندوی نے علامہ کے اس ریمارک کو غلط فہمی یا حقیقت سے عدم واقفیت پر محمول کیا ہے۔

اقتباس:۲۱

واعلم ان الشيخ جلال السيوطي رحمه الله صنف كتابافي المعاني والبيان ، وسماه"عقود الجمان" وهو وان كان كتابا حسنا الا أنه لم يستوعب المسائل وهكذا المطول.

وأقول بعد التجربة كالعيان: ان كثيرا من المسائل من تلك الأبواب تستنبط من الكشاف، ما شممت رائحة منها في أحد من الكتب في هذا الفن، وأظن أنها تبلغ الى نصف ما في كتب القوم فعلى المتبصر أن يتفحص كتابه طلبا لتلك المسائل.

(فیض الباری،۱/۱۷۲)

شیخ جلال الدین سیوطی نے فن معانی و بیان میں ''عقود الجمان'' نام کی ایک کتاب لکھی ہے، یہ کتاب اگر چہ فی نفسہ عمدہ ہے مگر تمام مسائل کے لئے جامع نہیں ہے، اسی طرح مطول بھی جامع نہیں ہے۔

میں برسوں کے تجربہ کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں کہ اس فن کے

بہت سارے مسائل جو ''کشاف'' سے معلوم ہوتے ہیں فن کی کتابوں میں ذرہ برابر بھی ان کا تذکرہ نہیں آتا ہے، میرے خیال میں فن معانی و بیان کے تقریبا آدھے مسائل اسی قسم کے ہیں، لہذا اس فن میں بصیرت پیدا کرنے والے پر ضروری ہے کہ کشاف کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کرے۔

☆☆☆☆☆

جلال الدین سیوطی

لقب جلال الدین، نام عبدالرحمٰن بن کمال الدین ابوبکر بن محمد بن سابق، خضیری سیوطی، سیوط یا اسیوط مصر کا ایک شہر ہے، رجب کی چاندرات کو ۸۴۹ھ میں ولادت ہوئی، سیوطی نے اپنے حالات اپنی کتاب ''**حسن المحاضرہ فی تاریخ مصر والقاهرة**'' میں خود ہی تحریر فرمائے ہیں۔

پانچ سال کی عمر میں یتیم ہوگئے تھے، والدہ نے پرورش کی، مختلف علوم کے لئے وقت کے کبار علماء سے کسب فیض کیا، حصول علم وحدیث کے لئے بیسیوں شہروں کی خاک چھانی، حدیث میں ان کے شیوخ کی تعداد ۱۵۰ سے متجاوز ہے، پہلے پڑھنے پڑھانے میں رہے، چالیس سال کی عمر میں یکسو ہوکر تصنیفات کا سلسلہ شروع کیا، انھوں نے خود اپنی کتابیں تقریبا ۳۰۰ شمار کرائی ہیں، بعد والوں

نے ۶۰۰ کے قریب بیان کی ہیں۔

امراء واغنیاء آپ کے پاس عقیدتمندانہ حاضری دیا کرتے تھے، ہدایا وتحائف لاتے، لیکن وہ کسی سے کچھ قبول نہ کرتے، ان کو ''ابن الکتب'' بھی کہا جاتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جب یہ شکم مادر میں تھے تو شیخ کے والد نے ان کی والدہ سے کوئی کتاب لانے کو کہا، وہ کتاب لینے گئیں تو انھیں کتابوں کے درمیان انھیں دردزہ شروع ہوا اور وہیں ولادت ہوئی، اس لئے انھیں ابن الکتب بھی کہا جاتا ہے، وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی۔

ان کی بعض اہم تصانیف یہ ہیں:

تفسیر الجلالین، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، الاتقان فی علوم القرآن، لباب النقول فی أسباب النزول، جمع الجوامع، الجامع الصغیر، اللآلی المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة، الألفیة فی مصطلح الحدیث، الأشباہ النظائر، الأحادیث المنیفة، تاریخ الخلفاء، بغیة الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ، حسن المحاضرۃ فی أخبار مصر والقاھرۃ، وغیرہ۔

(حسن المحاضرۃ ۱/ ۳۳۵ تا ۳۴۴، اعلام زرکلی ۳/ ۳۰۰ تا ۳۰۲)

کشاف کی ادبی حیثیت

علامہ جار اللہ زمخشری کی تفسیر کشاف پر ایک بھرپور مقالہ پروفیسر فضل الرحمٰن گنوری سابق صدر شعبۂ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا ہے، جو دینیات فیکلٹی سے ۱۹۸۲ء میں چھپ چکا ہے، مقالہ کا عنوان ہے ''زمخشری کی تفسیر الکشاف - ایک تحلیلی جائزہ''۔

اس مقالہ پر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی، مقالہ جتنا اہم اور قیمتی ہے اس کے اعتبار سے اس کی پذیرائی نہیں ہوئی، اور گوشۂ گمنامی میں چلا گیا، تفسیر الکشاف کے علمی و ادبی تحلیل و تجزیہ پر اس سے اچھی کتاب مجھے عربی زبان میں بھی نہیں ملی۔

علامہ انور شاہ کشمیری نے اعجاز قرآن، ادب و بلاغت کے پہلو سے تفسیر کشاف کی جو تعریف و تحسین بار بار فرمائی ہے، اس کی بھرپور تائید گنوری صاحب کی مذکورہ بالا کتاب سے ہوتی ہے۔

فن بلاغت میں زمخشری نے جو طبعزاد اضافے کئے ہیں، ان پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے بعد پروفیسر فضل الرحمٰن گنوری نے خلاصہ کلام کے طور پر لکھا ہے:

زمخشری اور اس کے کام کی اہمیت

فن معانی و بیان میں زمخشری نے عبد القاہر الجرجانی کے کام پر

جو طبعزاد اضافے کیئے ہیں ان کا یہ سرسری جائزہ بھی اس امر کا کافی ثبوت پیش کرتا ہے کہ زمخشری کے بعد میں آنے والے علماء بلاغت نے زمخشری کے کام پر فن معانی کے سلسلہ میں کوئی بہت بڑا اضافہ نہیں کیا، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ خود زمخشری کے اضافوں کا بھی پورے طور پر احاطہ نہیں کیا گیا، حالانکہ اس فن کے مختلف شعبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے، فن معانی کی طرح فن بیان میں بھی انہوں نے اپنے پیشرو کے کام پر جو قابل قدر اضافہ کیا ہے اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا، انھوں نے کنایے، استعارے، مجاز مرسل اور مجاز عقلی کی مختلف صورتوں کو نہ صرف تکمیلی شکل دی، بلکہ ان کے قواعد و اصول بھی مدون کیئے۔

مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ زمخشری نے علم بلاغت کی ان دونوں شاخوں کے اصول و فروع کو جرجانی کے اصولوں کے انطباق اور اپنے اضافوں کے ذریعے ایک آخری شکل دی، اور ان سب کو آیات قرآنی کی تفسیر پر عملاً منطبق کر کے بھی دکھا دیا، اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے انھوں نے صرف یہ کام چھوڑا کہ وہ عبدالقاہر جرجانی کی کتابوں اور کشاف کو پیش نظر رکھ کر ان میں پیش کردہ قواعد و اصول کو مرتب و منظّم شکل دے دیں اور ان بکھرے ہوئے

موتیوں کو ایک لڑی میں پرودیں، تاہم یہ امتیاز زمخشری کو اس سلسلہ میں پھر بھی حاصل رہا کہ انھوں نے چونکہ ان اصول وفروع پر آیات قرآنی کی تشریحات کے ضمن میں گفتگو کی ہے، اس لئے ان کی تمام بحثیں ان مثالوں سے لبریز ہیں، جو ان اصولوں کے نکات اور رموز کی پوری پردہ کشائی کر دیتی ہے اور یہ ایسی چیز ہے جس کی شریک و سہیم فن بلاغت میں کوئی کتاب نہیں۔

(زمخشری کی تفسیر الکشاف-ایک تحلیلی جائزہ ص ۴۲۹ و ۴۳۰)

اقتباس:۲۲

واعلم أنی لم أجد أتقن فی باب النقل من المحدثین ، ثم الفقهاء، ثم أهل اللغة فانهم لایأتون بحدیث لایکون له أصل فی کتب الحدیث، وأما الذین أشربت قلوبهم فن المعقول فانه تبین بعد الاستقراء أنهم لاعلم لهم بأن الحدیث ماهو؟ وان البحث عن الأسانید ماذا؟ ولکنهم اذا سمعوا الناس قالوا فی کلام انه حدیث، جعلوا یقولون: انه حدیث وان کان موضوعا.(فیض الباری،۱/۲۰۲)

میں نقل و روایت کے معاملہ میں سب سے زیادہ محتاط و قابل اعتبار محدثین کو پاتا ہوں ،اس کے بعد فقہاء کو،اس کے بعد اہل لغت کو، کیونکہ اہل لغت بھی بالکل بے بنیاد حدیث نہیں لاتے ہیں، ہاں جن لوگوں کے رگ وریشہ میں فن معقول گھس گیا ہے ان کے بارے میں تحقیق واستقراء کے بعد معلوم ہو چکا ہے کہ ان کو نہ حدیث کی حقیقت کا علم ہے اور نہ ہی اس بات کا علم ہے کہ سندوں کی بحث کیا چیز ہے؟ بلکہ انکا طرز عمل یہ ہے کہ جس کلام کے بارے میں لوگوں کو کہتے ہوئے سن لیں گے کہ یہ حدیث ہے اس کو حدیث کہنے لگیں گے خواہ وہ موضوع ہی کیوں نہ ہو۔

اقتباس:۲۳

مـکـی بـن ابـراهـیـم هـو حنفی من أصحاب أبی حـنـیـفة رحـمــه الـلّــه تـعـالـیٰ، وهذا أول الثلاثیـات عندالبخاری،وهو أزید عندالدارمی منه، فان الدارمی أکبـر سنا منه ، وشئی منها عندابن ماجة ایضاً ولیست عـند أحد من الصحاح غیرهما، وفی مسند الامام أبی حنیفة" الثنائیات" ایضاً، وقد مر أنه تابعی رویة ، وتبع التابعی روایةً، فانه ثبت رویته انسا رضی اللّٰه عنه عند الـکـل، وادعـیٰ الـعیـنـی أنـه رأی سبعة من الصحابة، وردهـا العلامة قاسم بن قطلوبغا وقال: انه لم یثبت له غیـر رویة انـس رضــی الـلّٰه عنه، وقال الحافظ رحمه الـلّٰــه تـعــالــیٰ: ان الـعـلامة قــاسـم متقن، وهو فـی اصـطـلاحهــم مـن لا یـغـلـط فی أسماء الرواة والفاظ الـحـدیـث، قـلـت : بـل هــو حــافظ وان لم یکن مثل الحافظ ابن حجر رحمه اللّٰه تعالیٰ.(فیض الباری،۱/۲۰۲)

مکی بن ابراہیم امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سے ہیں، یہ حدیث بخاری کی پہلی ثلاثی حدیث ہے ،دارمی کے یہاں ثلاثیات بخاری سے زیادہ ہیں، کیونکہ دارمی بخاری سے معمر تھے،

کچھ ثلاثیات ابن ماجہ کے پاس بھی ہیں، صحاح ستہ میں اس کے علاوہ کسی اور میں ثلاثی روایت نہیں ہے، مسند امام ابو حنیفہؒ میں ثنائیات بھی ہیں، اور یہ بات پہلے آچکی ہے کہ امام صاحب زیارت کے اعتبار سے تابعی اور روایت کے اعتبار سے تبع تابعی ہیں، کیونکہ تقریباً تمام محدثین کے یہاں یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے حضرت انس کو دیکھا ہے، عینی نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحب نے سات صحابہ کو دیکھا ہے، لیکن علامہ قاسم بن قطلو بغا نے اس بات کو رد کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ حضرت انسؓ کے علاوہ کسی اور صحابی کو دیکھنا ثابت نہیں ہے، حافظ ابن حجرؒ نے علامہ قاسم کو ''متقن'' کہا ہے، متقن ان کی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جو راویوں کے ناموں اور حدیث کے الفاظ میں غلطی نہ کرتا ہو، میں کہتا ہوں کہ علامہ قاسم بھی حافظ حدیث ہیں، اگر چہ ابن حجر سے کم درجہ کے ہوں۔

☆☆☆☆☆

مکی بن ابراہیم

آپ کا اسم گرامی مکی بن ابراہیم ہے، کنیت ابو السکن اور شیخ خراسانی لقب ہے، آپ خود اپنے بیان کے مطابق ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے، اور سترہ سال کی عمر سے حدیث سیکھنی شروع کی، موصوف نے یزید بن ابو عبید، جعفر صادق، بہز بن

حکیم، ابوحنیفہ، ہشام بن حسان، ابن جریج وغیرہ سے روایت کی، اور آپ سے بخاری، ابن معین، ذہلی، عباس دوری، کدیمی، وغیرہ نے حدیث روایت کی، ابن سعد نے فرمایا کہ مکی ابن ابراہیم ثقہ و ثبت ہیں، دارقطنی نے ثقہ و مامون کہا ہے، ابن سعد کے بیان کے مطابق شعبان ۲۱۵ھ میں بلخ کے اندر آپ کا انتقال ہوا۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۳۳۵)

حافظ قاسم بن قطلو بغا

آپ کا نام قاسم بن قطلو بغا، کنیت ابوالعدل، لقب زین الدین ہے، ان کے بیان کے مطابق ان کی پیدائش ۸۰۲ھ میں بماہ محرم ہوئی، آپ کی جائے پیدائش مصر کا مشہور شہر قاہرہ ہے، ابھی آپ چھوٹے ہی تھے کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا، یتیمی کی حالت میں آپ کی نشونما ہوئی، آپ نے قرآن کریم اور چند کتابیں حفظ کرلیں، بعض کتابیں علامہ عز بن جماعہ کی خدمت میں پڑھیں، ایک زمانہ تک سلائی کر کے روزی کمائی اور سلائی کے فن میں ممتاز ہوگئے، مجھے معلوم ہے کہ انھوں نے سلائی کے اندر اتنی مہارت حاصل کرلی تھی کہ سیاہ دھاگے سے بغدادی کپڑا سلتے لیکن سلائی ظاہر نہیں ہوتی تھی، اس کے بعد وہ علم طب حاصل کرنے پر متوجہ ہوئے، ذراتینی سے تجوید قرآن سیکھی، تفسیر کا بعض حصہ علاء الدین نجاری سے سنا اور قاضی بغداد تاج الدین احمد فرغانی نعمانی حافظ ابن حجر عسقلانی سے فنون سیکھے، سراج الدین قاری الھدایہ، محمد امین رومی، نظام الدین سیرامی وغیرہ سے فقہ سیکھی، آپ نے خاص طور سے ابن ہمام کا دامن تھام رکھا تھا،

مذکورہ علوم اور دیگر علوم کی جو کتابیں ابن ہمام کے یہاں پڑھائی جاتی تھیں ان میں سے اکثر کو پڑھا، ۸۲۵ھ سے ابن ہمام کے انتقال کے وقت تک ان کے دامن سے وابستہ رہے، آپ نے زیادہ تر علم انہیں سے حاصل کیا۔

موصوف ذہانت اور قوت حافظہ میں مشہور تھے، کثرت علم کے بارے میں ان کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا، بہت سارے شیوخ نے انہیں افتاء وتدریس کی اجازت دی، ابن دیری نے انھیں شیخ، عالم ذکی جیسے الفاظ سے یاد کیا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام، علامہ، محدث، فقیہ، حافظ جیسے بلند پایہ اوصاف سے متصف کیا ہے، اور اس سے قبل جب ۸۳۵ھ میں انھوں نے شیخ سے ان کی تصنیف ''**الایثار بمعرفة رواة الآثار**'' پڑھی تھی تو انھیں شیخ، فاضل، محدث کامل کے خطاب سے نوازا تھا۔

آپ کی چند مشہور تصانیف یہ ہیں: ''**شرح مصابیح السنة**''، ''**تخریج أحادیث الاختیار**''، ''**رجال معانی الآثار**''، ''**تخریج أحادیث الفرائض**''، ''**ثقات الرجال**''، ''**تحفة الأحیاء بما فات من تخاریج الاحیاء**''، ''**منیة الألمعی فیما فات من تخریج أحادیث الهدایة للزیلعی**'' وغیرہ، طویل مدت تک موذی مرض میں مبتلا رہنے کے بعد ۴، ربیع الآخر شب جمعرات میں آپ کا انتقال ہوا۔

(الضوء اللامع ۶/۱۸۴ تا ۱۸۹، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الضوء اللامع، شذرات الذہب، مقدمہ انوار الباری، حدائق الحنفیہ)

اقتباس:۲۴

وراجع" الخير الجاری "وهو من تصنيف الملا محمد يعقوب البنانی المحشی علی "مختصر الحسامی"وشرحه ملخص من العينی والفتح، أخذ المطالب من العينی رحمه اللّٰه تعالیٰ ،وأضاف عليه الفوائد من الفتح ، وأكثر اشتغال أهل الهند كان فی الفلسفة والمنطق، وقليل منهم اشتغل بالفقه والأصول والحديث، فصنف الشيخ محمد عابد الهندی كتابا فی الفقه وكذا فتاویٰ ابراهيم شاهی، و مجمع سلطانی، وخاقانی، وليست بشئی ونحوها مطالب المؤمنين لعالم من لاهور، وقد بقی الاشتغال بالحديث فی سلسلة الشاه ولی اللّٰه رحمه اللّٰه تعالیٰ الی ثلاثة أسباط ثم انعدم.(فیض الباری،۱/ ۲۳۷)

''الخیر الجاری'' حسامی کے محشی محمد یعقوب بنانی کی تصنیف ہے، یہ کتاب عینی اور فتح الباری سے ملخص ہے،اس شرح میں انداز یہ اختیار کیا گیا ہے کہ معانی ومطالب عمدۃ القاری سے لئے گئے ہیں،اور فتح الباری سے بعض علمی مضامین کا اضافہ کیا گیا ہے۔

ہندوستانی علماء کو زیادہ انہماک منطق وفلسفہ میں تھا،ہاں

کچھ لوگ فقہ، اصول فقہ اور حدیث میں بھی لگے رہتے تھے، چنانچہ شیخ عابد سندی نے فقہ میں ایک کتاب تصنیف کی، اسی طرح فتاویٰ ابراہیم شاہی، مجمع سلطانی، خاقانی بھی ہندوستان ہی کی تصانیف ہیں، لیکن ان کتابوں کو کوئی مقام حاصل نہیں ہے، اسی معیار کی ایک لاہوری عالم کی تصنیف ''مطالب المومنین'' بھی ہے، شاہ ولیؒ اللہ کے خاندان میں تین پشتوں تک حدیث میں انہماک باقی رہا، اس کے بعد اس خاندان میں بھی ختم ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

شیخ یعقوب بنانی لاہوری

آپ کا اسم گرامی یعقوب، کنیت ابو یوسف ہے، آپ اپنے زمانہ میں فقہ و حدیث وغیرہ کے اندر چند گنے چنے مشہور لوگوں میں سے تھے، لاہور میں آپ کی پیدائش ہوئی اور وہیں نشو نما ہوئی، موصوف نے اپنے دور کے ممتاز اساتذہ سے علم حاصل کیا اور بہت سارے علوم وفنون میں ممتاز ہو گئے، شاہ جہاں بادشاہ نے آپ کو لشکر کا میر عدل بنایا، مولانا رزق اللہ نے اپنی کتاب ''الأفق المبین في أخبار المقررین'' کے نویں طبقہ میں موصوف کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ عالم، عارف، معقول، منقول، فروع واصول کے جامع تھے، مدرسہ شاہجہانیہ میں تدریس کی ذمہ داری سنبھالی تو بہت لوگوں نے آپ سے فائدہ حاصل کیا، آپ کو

حدیث میں ید طولیٰ حاصل تھا، میں نے دیکھا کہ وہ اپنے اسباق کے دوران فاضل سیالکوٹی پر اعتراضات کر رہے تھے۔

آپ کی چند کتابیں یہ ہیں: "الخیر الجاری فی شرح صحیح البخاری"، "المعلم فی شرح صحیح الامام مسلم"، "المصفی فی شرح المؤطا"، "شرح تهذیب الكلام"، "شرح الحسامی"، "شرح شرعة الاسلام"، "أساس العلوم".

بختاور خان نے مرأۃ العالم میں لکھا ہے کہ شہنشاہ عالمگیر نے آپ کو اپنی فوج میں شعبۂ عدلیہ کا نگراں بنایا تھا، مفتی ولی اللہ فرخ آبادی کی تصریح کے مطابق ۱۰۹۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (نزھۃ الخواطر ۵/ ۴۳۹، ۴۴۵)

محمد عابد سندی

آپ کا نام محمد عابد بن احمد بن علی بن یعقوب سندی ہے، آپ حنفی فقیہ اور حدیث کے ایک بڑے عالم گذرے ہیں، آپ کا اصل وطن سندھ کا ایک مقام سیون ہے، موصوف ملک یمن کے شہر "زبید" کے منصب قضاء پر فائز ہوئے، وہاں امام منصور باللہ علی کے طلب کرنے پر صنعاء چلے گئے، اور ۱۲۳۴ھ میں آپ کو امام مہدی عبداللہ نے والی مصر محمد علی کے پاس ہدیہ دیکر بھیجا، محمد علی پاشا نے آپ کو علماء مدینہ کی ریاست کے منصب پر فائز کیا، اور آپ مدینہ کے اندر رہ

پڑے، آپ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، موصوف نے ایک عمدہ کتب خانہ جمع کیا تھا جس کو مدینہ میں وقف کر دیا۔

۱۷/ربیع الاول ۱۲۵۷ھ کو مدینہ کے اندر آپ کا انتقال ہوا، اور باب عثمان ابن عفان کے سامنے بقیع میں دفن کئے گئے، آپ کی چند تصانیف یہ ہیں:

''حصر الشوارد فی أسانید محمد عابد''، ''المواهب اللطيفة على مسند الامام أبی حنيفة''، '' طوالع الأنوار على الدر المختار''، ''شرح بلوغ المرام لابن حجر''، '' منحة الباری بمكررات البخاری''، ''ترتيب مسندالامام الشافعی''۔

(قاموس الاعلام ۷/ ۴۹، نزهة الخواطر ۷/ ۴۴۸، ۴۴۹)

اقتباس:۲۵

والحافظ برهان الدين حنفی من جهابذة الحفاظ، كان من حفاظ اليمن ،كما أن ابن حجر رحمه اللّٰه كان من حفاظ مصر ، وكان كثير التصانيف، الا أن ملك تيمور حرق كتبه كلها بين عينيه، فلم يبق من تصانيفه نقير ولا قطمير ، الا ما كان الناس أخذوه نقلا، وقد أحال الشيخ ابن الهمام رحمه اللّٰه تعالیٰ على شرحه فی موضع من باب المهر، فلعله يكون عنده نقل عنه، ويمكن أن يكون بلغ كلامه اليه من أفواه تلامذته.

(حاشیہ فیض الباری،۱/۱۳۳،۱۳۴)

حافظ برہان الدین حنفی ہیں ، بڑے پایہ کے حافظ حدیث ہیں،ان کو یمن کے حفاظ میں وہی مقام حاصل ہے جو مصر کے حفاظ میں حافظ ابن حجرؒ کو حاصل ہے،آپ کثیر التصانیف ہیں ،مگر تیمور لنگ نے ان کی ساری تصنیفات ان کے سامنے جلادیں،جس کی وجہ سے ان کی تصانیف ناپید ہوگئیں،سوائے ان کتابوں کے جن کو لوگوں نے نقل کرلیا تھا،شیخ ابن ہمام نے اپنی شرح میں باب المہر کے ایک مقام پر ان کی شرح کا حوالہ دیا ہے،شاید ان کے پاس

نقل موجود رہی ہو یا حافظ برہان الدین کے شاگردوں کی زبانی ان تک وہ بات پہونچی ہو۔

☆☆☆☆☆

برہان الدین حلبی: ایک تنقیدی جائزہ

فیض الباری کے اندر شیخ برھان الدین حلبی کا تذکرہ اس مقام کے علاوہ جلد چہام کے صفحہ ۲۹۰ تا ۲۹۴ پر بھی آیا ہے اس کا ترجمہ درج ہے:

شیخ ابن ہمام نے ''لا مهر أقل من عشرة دراهم '' کی تصحیح حافظ برھان الدین حلبی سے نقل کی ہے، لیکن ان کے پاس اس حدیث کی سند نہیں تھی، اس کے بعد شیخ ابن ہمام نے نقل کیا ہے کہ ان کا ایک شاگرد اس حدیث کی سند حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے پاس سے لایا، اس سند کے اعتبار سے حدیث کم از کم درجہ حسن میں داخل ہے، میرا غالب گمان یہ کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے پاس سے اس حدیث کی سند لانے والے ابن ہمام کے شاگرد ابن امیر حاج ہیں، حافظ برہان الدین حلبی کو ابن السبط العجمی بھی کہا جاتا ہے، آپ زیلعیؒ سے تھوڑے بعد کے آدمی ہیں، حافظ برہان الدین حلبی ہی وہ شخص ہیں جن کو استفادہ کرنے کے لئے حافظ ابن حجرؒ نے اپنی تمام کتابیں دے دی تھیں، برہان الدین حلبی کی تمام تصنیفات تیمور لنگ کے زمانہ میں ضائع ہوگئیں، اس ظالم نے ان کی تمام تصنیفات کو ان کی نگاہوں کے سامنے جلا دیا تا کہ غم وحسرت میں اضافہ ہو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

فیض الباری کے دونوں مقامات پر برہان الدین حلبی کے متعلق جو باتیں درج ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) برہان الدین حلبی جلیل القدر حافظ حدیث گذرے ہیں، ابن حجرؒ کے ہم پلہ ہیں اور مذہباً حنفی ہیں۔

(۲) آپ ابن السبطی العجمی کے نام سے مشہور ہیں۔

(۳) شیخ ابن ہمام نے حدیث ''لا مهر أقل من عشرة دراهم '' کی تصحیح ان سے نقل کی ہے۔

(۴) آپ کثیر التصانیف عالم ہیں، لیکن تیمور لنگ نے موصوف کی تمام تصنیفات آپ کے سامنے آگ میں جلا دیں۔

(۵) آپ زیلعی سے تھوڑے بعد کے آدمی ہیں۔

(۶) حافظ ابن حجرؒ کے ان سے بہت اچھے تعلقات تھے، ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے۔

(۷) آپ کا شمار یمن کے حفاظ حدیث میں سے ہے۔

ان نکات پر بحث کرنے سے پہلے ہم تاریخ وتراجم کی کتابوں سے برہان الدین حلبی مشہور با بن سبط العجمی کے حالات درج کر رہے ہیں

حافظ برہان الدین ابن سبط العجمی

آپ کا نام ابراہیم، کنیت ابوالوفا، لقب برھان الدین ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ابرہیم بن محمد بن خلیل، خاندانی وطن طرابلس ہے، مسلکا شافعی ہیں، دیار

حلب میں آپ کی پیدائش ہوئی اور وہیں اقامت گزین رہے، ۷۵۳ھ میں پیدائش اور ۸۴۱ھ میں وفات ہوئی، بچپن کے اندر آپ کے والد بزرگوار کا انتقال ہوگیا، والد کا سایہ اٹھنے کے بعد والدہ ماجدہ نے پرورش اور تربیت کی، ان کو لے کر دمشق آئیں، وہیں آپ نے قرآن کا کچھ حصہ حفظ کیا، پھر ان کو لے کر حلب واپس آگئیں، حلب کے اندر آپ کی نشو ونما ہوئی، تعلیم وتربیت کے لئے نصیر الدین طوسی کے مدرسہ یتامیٰ میں داخل کردیا۔

علامہ سخاویؒ نے ان کی ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ تحریر دیکھی ہے: ''میرے حدیث کے استاذ دوسو کے لگ بھگ ہیں، جن اساتذہ سے میں نے ادب وشعر سیکھا ہے ان کی تعداد تیس سے متجاوز ہے، دوسرے علوم فنون کے اساتذہ تیس کے لگ بھگ ہیں، ۸۱۳ھ میں آپ نے حج کیا، اس بار وقوف عرفہ جمعہ کے روز ہوا تھا اس کے سوا دوبارہ حج نہ کرسکے، بیت المقدس کی چار بار زیارت کی، جب تیمور لنگ نے حلب پر حملہ کیا تو شیخ برہان الدین حلبی اپنی کتابیں لے کر قلعہ میں چلے گئے، تیمور کی فوج نے شہر میں گھس کر لوٹ مار مچائی، اس کی زد سے آپ بھی محفوظ نہ رہ سکے، سارا مال ومنال چھین لیا گیا، گرفتار بھی ہوگئے، تیموریوں نے دمشق جاتے ہوئے آپ کو رہا کردیا، رہائی کے بعد حلب واپس ہوئے، اپنے اہل وعیال میں سے کسی ایک کو وہاں نہ پاکر آس پاس کے گاؤں میں چلے گئے، جب تک خونخوار تیموری اپنے شہر کی طرف نہیں لوٹے تب تک موصوف وہیں اقامت گزیں رہے، حلب واپس آنے کے بعد قلعہ میں گئے اور ان کو اپنی اکثر وبیشتر کتابیں مل گئیں۔

تصنیف وتالیف شیخ کا محبوب مشغلہ تھا، سنن ابن ماجہ پر ایک مبسوط حاشیہ ہے ''التلقیح لفھم قاری الصحیح ''نام سے بخاری کی ایک شرح لکھی، صحیح مسلم اور مستدرک حاکم پر آپ کے حواشی ہیں ''المقتضی فی ضبط الفاظ الشفاء''، '' نور النبراس علی سیرۃ ابن سید الناس ''آپ کی تصنیف کردہ کتابیں ہیں۔

علامہ سخاویؒ ''الضوء اللامع'' کے اندر لکھتے ہیں ''ہمارے شیخ حافظ ابن حجر نے قیام حلب کے زمانے میں ان کی شرح بخاری سے استفادہ کیا، اور جن باتوں کے بارے میں گمان تھا کہ وہ ان کی شرح بخاری (فتح الباری) میں نہیں ہے ان کو ''التلقیح'' سے نوٹ کیا ہے۔

آپ بہت خوبیوں کے مالک تھے، علامہ دوراں، حافظ حدیث، متقی، متواضع، اور دیندار تھے، فن حدیث اور محدثین کے گرویدہ تھے، اپنے شاگردوں اور ساتھیوں کے بڑے مخلص اور خیر خواہ تھے، دنیا داروں سے دور رہتے تھے، دیار حلب کے یکتا شیخ تھے، حافظ ابن حجر نے ان کا تذکرہ اس طرح کیا ہے: ان کی عمر اس وقت ساٹھ سال سے متجاوز ہو چکی ہے، فن حدیث کا شغل ہے، دیندار، متواضع، بے تکلف آدمی ہیں، دنیا داروں سے میل جول نہیں رکھتے، ان کی تصنیفات مفید اور منقح ہیں، جن سے ان کی تتبع اور اتقان کا پتہ چلتا ہے، وہ اپنی طرف سے بحث کم کرتے ہیں زیادہ تر علماء کی باتیں نقل کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر اپنی معجم کی دوسری قسم میں ان کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:

''فاضل ومحدث ہیں، طلب علم میں آپ نے بہت اسفار کیئے، حسن سیرت اور حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ ہیں، عفت و پاکدانی آپ کا شیوہ ہے، آج کل وہ تنہا دیار حلب کے شیخ ہیں، ہم دونوں کے درمیان خط وکتابت اور علاقہ محبت ہے، حلب کے سفر کے موقع پر ان سے ملاقات کا اتفاق ہوا، میں نے ان سے حدیث مسلسل بالأ ولیہ سنی۔

جب حافظ ابن حجرؒ حلب گئے اور وہاں ان کی مجلس املاء منعقد ہوئی تو شیخ برہان الدین حلبی بھی اس مجلس میں حاضر ہوئے، انھوں نے علامہ ابن حجر کی بہت تعظیم کی، اور کافی استفادہ کیا، آخر وقت تک آپ کے ہوش وحواس درست رہے، آپ کی عظمت شان اور علو مرتبت میں کوئی فرق نہیں آیا، آخر کار ۸۴۱ھ میں حلب کے اندر آپ کی وفات ہوئی۔

(الضوء اللامع ۱۳۸ تا ۱۴۵، لحظ الالحاظ لابن فہد ۳۰۸ تا ۳۱۷، ذیل طبقات الحفاظ للسیوطی ۳۷۹)

برہان الدین حلبی کے بارے میں فیض الباری کے مندرجات پر ایک نظر

تراجم اور تاریخ کی کتابوں کی روشنی میں شیخ برہان الدین حلبی کے مختصر حالات درج کرنے کے بعد ہمارے لئے آسان ہے کہ فیض الباری کے اندر درج شدہ معلومات پر گفتگو کریں۔

(۱) کتب تراجم سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ برہان الدین حلبی جلیل القدر حافظ حدیث گذرے ہیں، علامہ کشمیری کی رائے میں موصوف ابن حجر کے ہم پلہ ہیں، اس رائے کے بارے میں اسی وقت کوئی بات کہی جاسکتی ہے جب کہ دقت نظر سے دونوں کی تصنیفات کا موازنہ کیا جائے، ہم جیسے کم علم کے لئے اس بارے میں علامہ کشمیریؒ جیسے وسیع النظر اور دقیق النظر محدث کی رائے بہت بڑی حجت ہے، لیکن مؤرخین سوانح نگاروں نے شیخ برہان الدین کو بجائے حنفی کے شافعی لکھا ہے، غالب گمان یہی ہے کہ اس بارے میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تقریر املاء کرنے والے سے کوئی چوک ہوئی ہے۔

(۲) فیض الباری کی طرح کتب تراجم میں بھی یہ بات درج ہے کہ شیخ برہان الدین، ابن سبط العجمی کے نام سے مشہور ہیں۔

(۳) یہ بات بھی درست ہے کہ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر کے اندر برہان الدین حلبی سے اس حدیث کی تصحیح نقل کی ہے ''**لا مهر أقل من عشرة دراهم**'' فتح القدیر کی عبارت کا ترجمہ درج ہے: ''پھر ہم نے شیخ برہان الدین حلبی کی شرح بخاری میں یہ بات پائی کہ بغوی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، اور اس بارے میں کہا ہے کہ اس کو ابن ابی حاتم نے جابر بن عمرو بن عبداللہ الاودی کی حدیث سے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس کے بعد ہم کو اپنے بعض شاگردوں کے پاس اس حدیث کی وہ سند مل گئی جو قاضی القضاۃ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے پاس موجود تھی، سند کے الفاظ یہ ہیں: **قال ابن أبي حاتم : حدثنا عمرو بن**

عبد الله الأودی حدثنا وکیع عن عباد بن منصور قال حدثنا القاسم بن محمد قال سمعت جابراً یقول قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم :ولا مهر أقل من عشرة دراهم (الحدیث الطّویل)، حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اس سند کے اعتبار سے حدیث کم از کم حسن ہے۔

(فتح القدیر، فصل کفاءت ۲/ ۴۱۷)

فیض الباری ۱/ ۱۳۳، ۱۳۴ کے حاشیہ پر مولانا بدر عالم میرٹھی نے علامہ کشمیریؒ کے ایک شاگرد مولانا عبد العزیز کی لکھی ہوئی املائی تقریر کے حوالہ سے لکھا ہے:

"شیخ ابن ہمام نے شیخ برہان الدین کے حوالہ سے باب المہر میں ایک بات لکھی ہے کہ میں نے بہت تلاش کیا، لیکن تلاش کے باوجود باب المہر میں اس شیخ برہان الدین حلبی کے حوالہ سے ایک بات بھی نہ مل سکی، ہاں ایک دوسرے برہان الدین کے حوالہ سے ایک بات ضرور ملی، ہوسکتا ہے کہ علامہ کشمیریؒ نے اس بات کو بیان کیا ہو کہ ابن ہمام نے شیخ برہان الدین سے "لا مہر أقل" والی حدیث کی تصحیح نقل کی ہے، اور املاء کرنے والے نے یہ سمجھ کر یہ حدیث باب المہر میں ہوگی باب المہر کا تذکرہ کر دیا ہوگا۔

(۴) سیر وتراجم کی کتابوں سے اس بات کی تائید نہیں ہوئی کہ تیمور لنگ نے برہان الدین حلبی کے سامنے ان کی ساری تصنیفات جلا دیں، بلکہ صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ ہنگامہ کے وقت اپنی ساری کتابیں لے کر قلعہ میں چلے

گئے تھے، پھر کتابیں وہیں چھوڑ کر کہیں اور پناہ لینی پڑی، کچھ دنوں کے بعد جب امن ہوا اور قلعہ میں آئے تو ان کو اپنی اکثر کتابیں مل گئیں۔

(۵) یہ بالکل درست بات ہے کہ حافظ برہان الدین حلبی حافظ زیلعی سے تھوڑے بعد کے آدمی ہیں، کیونکہ حافظ زیلعیؒ کی وفات ۷۶۲ھ میں اور حافظ برہان الدین حلبی کی پیدائش ۷۵۳ھ میں ہوئی، اس حساب سے زیلعی کی وفات کے وقت ان کی عمر صرف آٹھ یا نو سال رہی ہوگی۔

(۶) تاریخوں اور تراجم کی روشنی میں اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اور شیخ برہان الدین میں بہت اچھے تعلقات تھے، ان میں سے ہر ایک دوسرے سے استفادہ کرتا تھا۔

(۷) آپ کا حفاظ یمن میں شمار کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آپ کا یمن سے کوئی تعلق نہیں تھا، نہ تو وہ آپ کا وطن ہے اور نہ ہی وہاں آپ نے اقامت کی، بلکہ حلب آپ کا وطن ہے جو کہ شام کا ایک مشہور شہر ہے، فیض الباری کے اندر درج شدہ معلومات پر بحث کرنے کے بعد عرض ہے کہ فیض الباری کے اس مقام پر تشریحی نوٹ لکھنے کے لئے جب میں نے کتب تراجم و تاریخ کی طرف رجوع کیا تو میری الجھن بڑھتی گئی، خاص طور پر اس لئے کہ فیض الباری کے اندر برہان الدین کو حنفی لکھا گیا ہے، حالانکہ میری معلومات کی حد تک مؤرخین نے ان کو شافعی ہی لکھا ہے، آخر کار میں نے اپنی یہ الجھنیں بذریعہ خط محدث کبیر، فخر الاماثل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کی خدمت میں پیش کیں، موصوف نے ازراہ ذرہ نوازی بذریعۂ خط اس الجھن کو دور کیا، قارئین کی

معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے اپنا استفسار اور موصوف کا جواب درج ہے۔

محدث اعظمی سے استفسار

فیض الباری جلد اول صفحہ ۱۲۳، ۱۲۴ کے حاشیہ پر علامہؒ نے ایک محدث برہان الدین حلبی کا تذکرہ کیا ہے، اور ان کے حنفی ہونے کا ذکر کیا ہے، میں نے حتی الامکان کتب سیر وتراجم میں اس نام اور اوصاف کے محدث کی جستجو کی، مگر مایوسی ہوئی، ہاں ایک محدث برہان الدین حلبی کا ذکر کتابوں میں ملا، لیکن وہ تو شافعی ہیں۔

(کشف الظنون ۱/۲۸۱)

محدث اعظمی کا جواب

السلام علیکم.........

برہان الدین حلبی کا حنفی لکھنا املاء لکھنے والے کا سہو معلوم ہوتا ہے، حافظ برہان الدین المعروف بابن السبط العجمی فنون حدیث کے مشہور عالم اور محدث شافعی المذہب ہیں، یہ بھی غلط ہے کہ ان کی ساری تصنیفات جلا دی گئیں تھیں، صرف اتنی بات صحیح ہے کہ ہنگامہ کے وقت یہ اپنی کتابیں لے کر قلعہ میں آئے پھر کتابیں وہیں چھوڑ کر کہیں اور پناہ لینی پڑی، زمانہ کے بعد جب امن ہوا اور قلعہ میں آئے تو ان کو اپنی اکثر کتابیں محفوظ ملیں، میں سمجھتا ہوں کہ مولانا بدر عالم کو

سہواور التباس ہو گیا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے حافظ قطب الدین حلبی ثم المصری کو حنفی کہا ہوگا، وہ بھی بخاری کے شارح ہیں، جہابذہ حفاظ وائمہ اعلام میں سے ہیں، آپ فتح القدیر کتاب المہر پڑھ کر دیکھئے کہ ابن ہمام نے اسمیں قطب الدین کے حوالہ سے لکھی ہے، یا برہان الدین کے، دیکھ کر پھر مجھے خط لکھئے۔ والسلام

محدث اعظمی مدظلہ العالی (رحمہ اللہ) کا گرامی نامہ ملنے کے بعد میں نے فتح القدیر کتاب المہر کا مطالعہ کیا، لیکن اس میں قطب الدین حلبی کے واسطہ سے کوئی چیز نہیں ملی، نیز اس کے بعد فیض الباری جلد چہارم مطالعہ کرتے وقت مجھے وہ عبارت ملی جو میں نے تشریحی نوٹ کے ابتداء میں درج کی ہے، اس عبارت سے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں مواقع پر جو بھی اظہار خیال کیا جارہا ہے وہ ابن سبط العجمی شافعی کے بارے میں کیا جارہا ہے، قطب الدین حلبی کے بارے میں نہیں، کیونکہ اگر مذکورہ بالا نکات کو ہم قطب الدین حلبی پر چسپاں کریں گے تو اکثر و بیشتر نکات ان فٹ ہو جائیں گے، کیونکہ قطب الدین حلبی کا ابن حجر سے دوستانہ نہیں تھا، نہ ہی وہ فتنہ تیمور کی زد میں آئے، محدث زیلعی سے متاخر ہونے کے بجائے ان سے زماناً مقدم ہیں، کیونکہ قطب الدین حلبی کی وفات ۷۳۵ھ میں ہوئی، جب کہ زیلعی کی وفات ۷۶۲ھ میں ہوئی، لہٰذا حنفیت کے بارے میں املاء کرنے والے کی غلطی تسلیم کرنا یہ زیادہ آسان ہے، بہ نسبت اس کے کہ تمام دوسرے مندرجات کو غلط مانا جائے۔

اقتباس:۲٦

جمع ابن جرير فی كتابه "اختلاف الفقهاء" فقه أبی حنيفة والأوزاعی والشافعی رحمهم اللّٰه تعالیٰ، ولم يات بفقه أحمد رحمه اللّٰه تعالیٰ ولا بمناقبه فسئل عن وجهه، فقال: انی جمعت فيه مذاهب الفقهاء ومناقبهم وأذكر مناقبه حين أذكر مناقب المحدثين، وأصر علی ذلک حتی استشهد بسببه، وكذا أبو عمرو المالكی ايضاً ذكر مناقب هولاء الأئمة الثلاثة ولم يذكر مناقب أحمد رحمه اللّٰه تعالیٰ.(فيض الباری،۱/۱٦۹)

ابن جریر طبری نے اپنی کتاب ''اختلاف الفقہاء'' میں امام ابوحنیفہؒ، امام اوزاعیؒ، امام شافعیؒ کی فقہ کو جمع کیا، لیکن اس کے اندر امام احمد بن حنبلؒ کی فقہ اور ان کے مناقب کا ذکر نہیں کیا، جب ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ میں نے اس کتاب میں فقہاء کے مذاہب ومناقب کو جمع کیا ہے، امام احمد کے مناقب محدثین کا تذکرہ لکھتے وقت ذکر کروں گا، اپنی اس بات پر مصر

رہے، کہا جاتا ہے کہ اسی بنیاد پر شہید کر دیۓ گئے، اسی طرح علامہ ابن عبدالبر نے بھی انہی تینوں ائمہ کے مناقب کو ذکر کیا ہے، امام احمد کے مناقب ذکر نہیں کیۓ۔

☆☆☆☆☆

مفسر قرآن علامہ ابن جریر طبری

آپ کا نام محمد کنیت ابو جعفر ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے: محمد بن جریر بن یزید بن خالد الطبری، طبرستان کے علاقہ میں ۲۲۴ھ کے اندر آپ کی ولادت ہوئی، ابن جریر کی تصنیف کردہ تاریخ وتفسیر بہت مشہور ہے، علامہ طبری نے بغداد کو اپنا وطن بنالیا اور وفات تک وہیں مقیم رہے، شیخ ابو اسحاق شیرازی نے طبقات الفقہاء میں آپ کو بھی مجتہدین میں شمار کیا ہے، موصوف کو تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ وغیرہ میں امامت کا مقام حاصل تھا، مختلف علوم وفنون کے اندر آپ نے مفید اور کارآمد کتابیں لکھیں، جن سے آپ کی وسعت معلومات اور علم وفضل کا پتہ چلتا ہے۔

علامہ خطیب بغدادی اپنی تاریخ بغداد میں ان کا تذکرہ کرتے ہوۓ لکھتے ہیں: "آپ کا شمار ائمۂ اعلام میں سے تھا، ان کی معلومات اور مرتبہ کی وجہ سے علماء ان کی طرف رجوع کرتے، اور اختلافی مسائل میں ان کے قول کو فیصل سمجھتے، موصوف قرآن پاک کے حافظ اور قرأتوں کے عالم تھے، احادیث اور ان کی

سندوں کے ماہر، صحیح ،سقیم ،ناسخ ،منسوخ کو پہچاننے والے تھے ،احکام فقہیہ اور حلال وحرام کے مسائل میں صحابہ ،تابعین اور دیگر علماء کے مختلف اقوال آپ کو از بر تھے، وقائع اور تاریخ کے ماہر تھے‘‘۔

ابن خزیمہ نے فرمایا: روئے زمیں پر ابن جریر سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے، حسین بن علی بیان کرتے ہیں: جب میں بغداد سے نیشاپور لوٹا تو مجھ سے محمد بن اسحٰق بن خزیمہ نے پوچھا: بغداد کے اندر تو نے کن کن علماء سے حدیث سنی؟ میں نے جواب دیتے ہوئے اساتذہ کی ایک جماعت کا نام لیا، انھوں نے پوچھا کہ تو نے محمد بن جریر سے بھی کچھ سنا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، حنابلہ کی وجہ سے لوگ ان کے پاس نہیں جاتے ہیں، حنبلی لوگوں کو وہاں جانے سے روکتے ہیں، ابن خزیمہ نے فرمایا: اگر تو نے صرف ابن جریر سے سنا ہوتا تو تیرے لئے ان تمام اساتذہ سے سننے سے بہتر ہوتا۔

حسین بن علی تمیمی کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد علامہ سبکیؒ طبقات الشافعیہ میں لکھتے ہیں ’’حسین بن علی کے وہاں تک نہ پہونچنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کو وہاں جانے سے روک دیا گیا تھا، کیونکہ حنابلہ کو اس وقت زیادہ قوت وشوکت حاصل نہیں تھی، ابن جریر طبری کا مرتبہ اس سے کہیں بلند وبالا ہے کہ حنابلہ لوگوں کو ان کے پاس جانے سے روک سکیں ، بلکہ حقیقت حال یہ تھی کہ ابن جریر خود ہی ان کمینوں سے بچتے تھے جو ان کی آبروریزی کے درپے تھے، وہ ہر ایک کو اپنے پاس

آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے بلکہ جن لوگوں پر اطمینان ہوتا اور سمجھ لیتے کہ یہ لوگ سنت کے پابند ہیں انہیں کو اجازت دیا کرتے۔

بسا اوقات ایسا ہوا کرتا کہ نو وارد لوگ جن کو صحیح صورت حال معلوم نہ ہوتی مخالفین کی باتوں میں آکر ان کے پاس نہ جاتے، جیسا کہ حسین بن علی کے ساتھ ہوا، ہمارے اس خیال کی تائید خود حسین ابن علی کے واقعہ سے ہوتی ہے، کیونکہ ابن خزیمہؒ نے آخر میں کہا: اگر تو نے صرف ابن جریر سے سن لیا ہوتا تو تیرے لئے ان تمام اساتذہ سے سننے سے بہتر ہوتا۔

ابن خزیمہ کے اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حسین بن علی کے لئے ابن جریر سے سننا کوئی ناممکن چیز نہیں تھی، اگر حسین بن علی کو جبرا روک دیا گیا ہوتا تو ابن خزیمہؒ یہ بات نہ کہتے۔

فرغانیؒ فرماتے ہیں: ابن جریر حق بات کہنے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے، حالانکہ اس طرز عمل کی وجہ سے ان کو جاہل اور حاسد لوگ بہت اذیت پہونچایا کرتے تھے، اور طعن و تشنیع کیا کرتے، ہاں، دیندار اور علم والے لوگ ان کے علم، زہد اور قابلیت کے معترف ہیں، شوال ۳۱۰ھ میں بغداد کے اندر آپ کی وفات ہوئی اور وہیں پر آپ کی قبر ہے۔

(وفیات الاعیان ۱/۶۵۱، طبقات کبریٰ ۲/۱۳۷، ۱۳۸، تاریخ بغداد ۲/۱۶۳، ۱۶۴، البدایہ والنہایہ ۱۱/۱۴۵، ۱۴۶)

ابن جریر کی وفات

ابن جریر طبری کے حالات میں جن کتابوں کو میں نے دیکھا ان سب میں یہی درج ہے کہ آپ اپنی عمر طبعی کو پہونچ کر رحلت فرما گئے تھے، کسی کتاب میں یہ بات نہیں ملی کہ موصوف کو حنابلہ نے شہید کر دیا تھا بلکہ آپ سبکیؒ کا بیان پڑھ چکے ہیں کہ حنابلہ کو اس وقت اتنی قوت وشوکت حاصل نہیں تھی جس سے لوگوں کو ابن جریرؒ کے پاس جانے سے روک سکیں زائد سے زائد زبانی طور پر ابن جریرؒ سے بدظن کرتے تھے ان حالات میں یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ حنابلہ اتنے بڑے امام کو شہید کرنے کی جرأت کرسکیں۔

فیض الباری کے اندر اختلاف الفقہاء کا تذکرہ دیکھ کر اس کی زیارت کرنے کی غرض سے دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں گیا لیکن معلوم ہوا کہ بد قسمتی سے یہ کتاب دارالعلوم کے کتب خانہ میں نہیں ہے۔ ایک روز کی بات ہے دارالافتاء کے اند بیٹھا تھا اچانک میری نگاہ ایک گوشہ پر پڑی جہاں چند بوسیدہ کتابیں کسمپرسی کی حالت میں پڑی تھیں قریب جا کر ان کتابوں کو الٹنا پلٹنا شروع کیا اس کے اندر منتشر طریقہ پر اختلاف الفقہاء للطبری کے کچھ اوراق ملے، یہ کتاب یورپ میں چھپی ہے، ابھی صرف ابتدا کا کچھ حصہ چھپ سکا ہے، کتاب سے پہلے ایک جرمن پروفیسر کا مقدمہ ہے، جس کے اندر ابن جریر کے حالات پر

گفتگو کی گئی ہے، ابن جریر کے حالات کے ذیل میں مقدمہ نگار نے ایک عنوان قائم کیا ہے، جس کے تحت ابن جریرؒ کی شہادت کو جھٹلایا ہے، لیکن اس عنوان کے بعد جن صفحات میں شہادت کی تردید ہے وہ صفحات غائب ہیں، وہ عنوان دیکھ کر مجھے اس کتاب کی جستجو بڑھ گئی، کیونکہ اس میں ایسا مواد ضرور ملتا جو اس مضمون کے تشریحی نوٹ میں کارآمد ہوتا چنانچہ ایک بار دیوبند سے بستی آتے ہوئے لکھنؤ اترا، ندوہ کے کتب خانہ میں حاضر ہوا، تلاش کرنے کے باوجود وہاں بھی یہ کتاب نہ ملی، ہاں طحاویؒ کی اختلاف الفقہاء ملی، دیوبند کے اندر دارالعلوم کے کتب خانہ کے علاوہ دو اہم کتب خانے اور ہیں، ایک حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کا کتب خانہ، دوسرے حضرت مفتی مولانا محمود الحسن صاحب کا کتب خانہ، ان دونوں کتب خانوں کے اندر یہ کتاب نہ ملی آخر کار ایک کام سے علیگڑھ جانا ہوا، بڑی امیدیں لے کر وہاں پہونچا، مولانا آزاد لائبریری میں تلاش کیا، نیز شعبۂ دینیات میں بھی حاضر ہوا، لیکن دونوں جگہ ناکامی نے استقبال کیا، ایک صاحب کے مشورہ سے شعبہ اسلامک اسٹڈیز کی لائبریری میں گیا، کارڈ کے اندر اختلاف الفقہاء للطبری نام دیکھ کر پھڑک اٹھا، لائبریرین سے یہ کتاب مانگی، انھوں نے خوش اخلاقی کے ساتھ فوراً کتاب سامنے لاکر رکھ دی، کتاب شروع کیا ایک صفحہ دیکھ کر معلوم ہوا کہ یہ ''اختلاف الفقہاء'' کا ابتدائی حصہ نہیں ہے جس کے اندر پروفیسر موصوف کا مقدمہ ہے، بلکہ اس کے اندر کتاب الجہاد وغیرہ ہے، علیگڑھ

سے بھی بے نیل ومرام واپس ہوا، ہمارے دوست مولانا ندیم الواجدی اس وقت دارالعلوم حیدرآباد میں پڑھا رہے تھے،ان کو خط لکھا کہ آصفیہ لائبریری میں حیدرآباد میں دیکھ لیجئے شاید وہاں یہ کتاب موجود ہو،انھوں نے تلاش کر کے جواب دیا کہ ہاں یہ کتاب موجود ہے لیکن اپنی مصروفیات اور وہاں سے جلد چلے آنے کی بناء پر موصوف اختلاف الفقہاء کا وہ حصہ نوٹ کر کے نہ بھیج سکے،غرض کہ اب تک پروفیسر موصوف کا بیان نہ پڑھ سکا۔

بہت مدت کے بعد ابن جریر کی اختلاف الفقہاء کا وہ نسخہ جو جرمن مستشرق ''ڈاکٹر فریدرک کرن'' (برلن، جرمنی) کی تحقیق ومقدمہ کے ساتھ شائع ہوا تھا، دستیاب ہوا، مقدمہ کا مطالعہ کیا، اس میں کوئی خاص تحقیق نہیں مل سکی، طبقات سبکی وغیرہ کے حوالے سے بعض باتیں نقل کی ہیں، اور یہی بات راجح قرار پائی کہ حنابلہ نے اگرچہ ابن جریر طبری کے خلاف شورش برپا کی، انھیں بدنام کرنے کی سعی کی، لیکن ان کا اتنا غلبہ نہیں تھا کہ ابن جریر طبری کو اپنے علمی کاموں سے روکیں، یا انھیں شہید کر ڈالیں، ایذاء رسانی کی کوشش تو ان کی طرف سے ہوئی، لیکن خود ابن جریر نے گوشہ نشینی اور یکسوئی کو اختیار کیا، اور اپنا تصنیفی وتدریسی کام جاری رکھا۔

اقتباس: ۲۷

لعل البخاری أیضا اختار الوجوب کما اختاره رفیقه فی السفر داؤد الظاهری، و کنت أری أنه لیس رجلا محققا، فلما طالعت کتبه علمت أنه عالم جلیل القدر رفیع الشان.(فیض الباری،۱/۲۴۳)

شاید بخاری نے بھی اپنے رفیق سفر داؤد ظاہری کی طرح وضو سے قبل تسمیہ کے وجوب کو اختیار کیا ہے، پہلے میں داؤد ظاہری کو محقق آدمی نہیں سمجھتا تھا، لیکن جب ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک جلیل القدر، عظیم المرتبت عالم تھے۔

☆☆☆☆☆

داؤد ظاہریؒ

آپ کا اسم گرامی داؤد بن علی بن خلف ہے، ابوسلیمان کنیت ہے اور ظاہری کے لقب سے مشہور ہیں، کوفہ کے اندر ۲۰۲ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی، بعض لوگوں نے سن پیدائش ۲۰۰ھ بیان کیا ہے، موصوف نے اسحٰق راہویہ اور ابوثور وغیرہ سے علم حاصل کیا، آپ امام شافعیؒ کے کٹر حامی تھے، چنانچہ امام شافعیؒ کے فضائل میں آپ کی دو کتابیں ہیں، ابتدائی دور میں فقہ شافعی پر عامل تھے، پھر مستقل اپنا فقہی مدرسہ قائم کیا، ان کی فقہ کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے

ظاہر پر عمل کیا جائے، ہاں اگر قرآن وحدیث یا اجماع سے اس بات پر دلیل قائم ہو جائے کہ نص کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہیں تو الگ بات ہے، اگر قرآن وحدیث کی کوئی صراحت نہ ملے تو ایسی صورت میں اجماع پر عمل کیا جائے گا، مسائل میں قیاس کو بالکل دخل نہیں دیا جائے، ان کا نظریہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے عام نصوص میں ہر مسئلہ کا جواب موجود ہے، فقہ اور اصول فقہ کے اندر آپ کی بکثرت کتابیں ہیں، چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

"كتاب ابطال التقليد"، "كتاب الخبر الواحد"، "كتاب ابطال القياس"، "كتاب الخبر الموجب للعلم"، "كتاب الحجة"، "كتاب الخصوص والعموم"، "كتاب المفسر والمجمل"

موصوف مسلمانوں کے جلیل القدر أئمہ اور رہنماؤں میں سے ہیں، ابوالعباس ثعلب نے آپ کے بارے میں کہا کہ ان کی عقل ان کے علم سے زیادہ تھی، ۲۷۰ھ میں آپ کا انتقال ہو۔

(تاریخ التشریع الاسلامی لخضری بک ۲۸۰، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۴۲ تا ۴۸)

اقتباس: ۲۸

واعلم أن ''نيل الأوطار'' ماخوذ من أربعة كتب: فتح البارى، وتلخيص الحبير، ومجمع الزوائد،وشرح الترمذى للعراقى، وقد استفاد شيئا من الرضى وقد وافقنا فى المسالة ابن حزم ، وقد عرف منه أن قلمه كسيف الحجاج.

(حاشیہ فیض الباری،۱/۲۶۱)

نیل الاوطار چار کتابوں سے ماخوذ ہے، فتح الباری، تلخیص الحبیر ،مجمع الزوائد، شرح ترمذی للعراقی اور کچھ باتیں رضی سے بھی لی گئی ہیں، اس مسئلہ میں ابن حزم نے بھی احناف کی موافقت کی ہے، حالانکہ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کا قلم حجاج کی تلوار کی طرح ہے۔

☆☆☆☆☆

علامہ ابن حزم ظاہری

آپ کا اسم گرامی علی کنیت ابو محمد ہے، سلسلۂ نسب یوں ہے: ابن احمد بن سعید بن حزم بن غالب بن صالح بن خلف، موصوف اندلس کے مشہور شہر قرطبہ کے اندر رمضان ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے، آپ حدیث وفقہ کے حافظ تھے،

کتاب وسنت سے احکام مستنبط کرتے تھے، پہلے فقہ شافعی کے پابند تھے، پھر اہل ظاہر کا مذہب اختیار کیا، مختلف علوم میں مہارت تامہ حاصل تھی، اندلس کے خاندان وزارت سے تھے، خود بھی وزیر رہ چکے تھے لیکن آخر کار زہد اختیار کیا، آپ شریعت مطہرہ کے بہت پابند تھے، وفات کے وقت مختلف علوم وفنون پر تصنیفات کا بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا، اکابر ائمہ اور علماء پر تنقید کرنے کے بارے میں بہت زبان دراز تھے، آپ کی زبان کی زد سے قریب قریب کوئی بھی نہ بچ سکا، اس عیب کی وجہ سے لوگوں کے دل ان سے متنفر ہو گئے، اور علامہ ابن حزم اپنے زمانہ کے فقہاء کا نشانہ بن گئے، فقہاء وقت ایک ساتھ ان کے اوپر پل پڑے، ان کی تکفیر و تضلیل پر اتفاق کیا، عوامی اشتعال دیکھ کر حاکمِ وقت ان کو شہر بدر کرنے پر مجبور ہوا، اسی صحراء نوردی کے عالم میں شعبان ۴۵۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی، ابوالعباس بن العریف نے کہا کہ ابن حزم کی زبان اور حجاج بن یوسف کی تلوار دونوں بھائی بھائی ہیں۔ (التاج المکلل ۸۷تا۸۹)

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں: ''معقول منقول دونوں کے امام اور علم حدیث، رجال، انساب اور علم کلام کے متبحر فاضل تھے، دنیا کے تمام فرق و مذاہب پر ان کی نظر وسیع تھی، علم کلام میں ''الفصل فی الملل والنحل'' ان کی مشہور کتاب ہے، جو عام طور سے چھپی ہوئی ملتی ہے، اس میں انھوں نے فلاسفہ، حکماء، ملحدین، یہود ونصاری اور اہل سنت کے علاوہ دوسرے اسلامی فنون پر نقد وتبصرہ کیا ہے، اور

ان کے اعتراضات کا جواب دیا ہے، اور اہل سنت کے عقائد بدلیل عقلی ثابت کئے ہیں، وہ اپنی تحقیقات میں آزاد تھے، قرآن پاک اور سنت صحیحہ کے علاوہ دنیا میں کسی کے قول کو وہ حجت نہیں سمجھتے تھے اور نہ کسی کے کلام کو بلا دلیل مانتے تھے، بڑے بڑے اماموں کے اقوال کو وہ نہایت بے پروائی سے ٹھکرا دیتے، اب جو بات ان کو دلائل سے حق معلوم ہوتی تھی اس کے اظہار میں دنیا کی کسی قوت سے نہیں ڈرتے تھے، اور نہ عام مسلک کے خلاف رائے ظاہر کرنے میں حکومت وقت کی مصلحتوں اور جمہور عوام کے جذبات کی پروا کرتے تھے، ایک بے نیام تلوار تھی جو ان کے نزدیک حق کی نصرت اور باطل کی شکست میں آگے پیچھے دائیں بائیں ہمیشہ اپنا وار کرتی رہتی تھی، اسی لئے عام طور سے یہ مثل ہوگئی ہے کہ حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کی زبان دونوں سگے بھائی ہیں، عقائد و تحقیقات کے اس بے پروایانہ اظہار اور دوسرے بزرگوں کے حق میں سخت سے سخت الفاظ کے استعمال پر حکومت کی مصلحت نے مجبور کیا کہ ان کو جلاوطن کردیں، ان کی عمر کا اچھا خاصہ حصہ ان کی اس زبان درازی اور صاف گوئی کی بدولت بادیہ گردی میں گذرا، اور سلاطین نے ان کو اپنی حکومتوں میں پناہ دینے سے انکار کردیا، لیلائے علم کے اس مجنوں نے آخر اس صحراء نوردی کے عالم میں ۴۵۶ھ میں جان دی۔ (معارف مارچ ۱۹۳۰ء شمارہ ۳ جلد ۲۵)

اقتباس:۲۹

وهو حسين بن علی الكرابيسی من معاصری أحمد رحمه اللّٰه تعالیٰ من كبار العلماء، وانما خمل ذكره لما جری بينه و بين أحمد رحمه اللّٰه تعالیٰ من الخلاف.

ومنه تعلم البخاری وداؤد الظاهری مسألة: لفظی بالقرآن مخلوق، ولم أطلع عليه بجرح فيه، فان كانت هذه المسألة هو سبب الجرح فيه، فالبخاری أيضا يصير مجروحا.(فیض الباری،۱/۲۷۳)

حسین بن علی کرابیسی امام احمد کے معاصر ہیں،اور بڑے علماء میں شمار کئے جاتے ہیں،چونکہ امام احمد سے ان کا اختلاف تھا اس لئے لوگ ان کا تذکرہ نہیں کرتے،انھیں سے بخاری اور داوٗد ظاہری نے''لفظی بالقرآن مخلوق '' کا مسئلہ سیکھا تھا،پھر بھی میں نے بخاری پر کسی کی جرح نہیں دیکھی،اگر کرابیسی پر جرح کرنے کی بنیاد یہی ہے تب تو بخاری بھی مجروح ہو جائیں گے۔

☆☆☆☆☆

محدث کرابیسیؒ

آپ کا نام حسین بن علیؒ، کنیت ابو علی اور لقب کرابیسی ہے، بغداد کے اندر پہلے فقہ حنفی میں مہارت پیدا کی، اس پر کار بند رہے، جب امام شافعیؒ بغداد تشریف لائے تو ان کی ہم نشینی اختیار کی اور ان سے حدیث وغیرہ کی کتابیں سنیں، پھر امام شافعیؒ کا مذہب اختیار کیا، امام شافعی کے جلیل القدر شاگردوں میں آپ کا شمار ہے، مؤرخین نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کے بغدادی شاگردوں میں امام شافعی کے پاس سب سے زیادہ آمد ورفت آپ ہی کی تھی، اور امام شافعی کی فقہ قدیم کے سب سے زیادہ واقف کار آپ ہی تھے، امام شافعیؒ کے علاوہ یزید بن ہارون، اسحٰق ازرق وغیرہ سے بھی آپ نے حدیث سنی، فقہ اور اصول فقہ میں موصوف کی متعدد کتابیں ہیں، جن سے ان کی دقت فہم، غزارت علم کا اندازہ ہوتا ہے، پہلے کرابیسی اور ابن حنبل کے درمیان گہرا تعلق تھا، لیکن خلق قرآن کے مسئلہ میں اختلاف ہونے سے یہ دوستی دشمنی میں بدل گئی، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے پر ردوقدح کرنے لگا، خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ کرابیسی کی حدیثیں بہت کم ملتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن حنبل نے ''لفظی بالقرآن حادث'' کے بارے میں ان پر طعن کیا، اور یہ ابن حنبل پر طعن کرتے، اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے کرابیسی سے روایت کرنی چھوڑ دی۔

علامہ سبکیؒ دونوں کے اختلاف کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ کرابیسی

سے قرآن کے بارے میں پوچھا گیا، انھوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے، سائل نے پوچھا کہ قرآن کو ہم جن الفاظ میں ادا کرتے ہیں وہ الفاظ کیسے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا وہ الفاظ مخلوق ہیں، وہ سائل ابن حنبل کے پاس گیا اور کرابیسی سے اس کی جو بات ہوئی تھی اس کو نقل کیا، امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا یہ بدعت ہے۔

علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں: کہ میرا خیال یہ ہے کہ ابن حنبل کے بدعت کہنے کا مقصد یہ تھا اس مسئلہ کا جواب دینا ہی بدعت ہے، کیونکہ اس بحث میں پڑنا ایک لایعنی چیز ہے، اور علم کلام کے غیر ضروری مسائل میں گھسنا اسلاف کے زمانے میں مروج نہیں تھا، لہٰذا اس مسئلہ میں خاموشی ہی بہتر ہے، اس لئے کہ امام احمد جیسے دانا و بینا آدمی کے بارے میں یہ گمان کرنا درست نہیں کہ وہ انسان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو قدیم کہتے ہوں گے، اور قرآن پڑھتے وقت جو الفاظ نکلتے ہیں ان کو مخلوق اور حادث کہنا صرف علامہ کرابیسی کا مسلک نہیں ہے، بلکہ بخاریؒ، حارث ابن اسد محاسبی کا بھی یہی قول ہے، امام احمد نے جب کرابیسی کے مقولہ کو بدعت کہا تو وہ سائل پھر علامہ کرابیسی کے پاس گیا اور ان سے ابن حنبل کی بات نقل کی، کرابیسی نے سائل سے کہا اس بار جا کر کہو ''وہ الفاظ مخلوق نہیں ہیں''، وہ سائل لوٹ کر ابن حنبل کے پاس حاضر ہوا اور ان کو کرابیسی کے دوسرے مقولہ سے آگاہ کیا، ابن حنبلؒ نے اس جواب کو بھی ناپسند کیا اور فرمایا یہ بھی بدعت ہے۔

اس روایت سے ہماری مزید تائید ہوتی ہے، یعنی احمد بن حنبل اس مسئلہ پر گفتگو کرنے ہی کو بدعت کہہ رہے ہیں، ورنہ یہ بات کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک چیز کے وجود اور عدم دونوں کو بدعت کہیں، ابن حنبلؒ کا رد اور ان کی یہ بات سن کر کرابیسی نے فرمایا: عجیب پریشان کن بات ہے، اگر ہم الفاظ کو مخلوق کہتے ہیں تب بھی بدعت قرار دیتے ہیں، اور غیر مخلوق کہیں تب بھی بدعت کہتے ہیں۔

محمد بن عبداللہ صیرفی شافعی نے ایک بار اپنے شاگردوں سے کہا "حسین کرابیسی اور ابو ثور کے واقعہ سے عبرت حاصل کرو" علم وفضل کے اندر ابو ثور کرابیسی کا دسواں حصہ بھی نہیں ہیں، لیکن ایک مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے ابن حنبل نے ان کے بارے میں کلام کر دیا تو وہ گر گئے، اور ابو ثور کی تعریف کر دی تو بلند مرتبہ پر فائز ہو گئے، علامہ صیرفی کے اس کلام سے کرابیسی کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے، ۲۴۵ھ یا ۲۴۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(تاریخ التشریع الاسلامی خضری بک ص ۲۶۹، تاریخ التشریع الاسلامی لاساتذۃ الکلیۃ الاسلامیۃ بالأزہر قاھرۃ ص ۲۸۳، طبقات کبری ۱/ص ۲۵۱ تا ۲۵۹)

اقتباس: ۳۰

واعلم أن عالما من ماوراء النهر لخص ''احياء علوم الدين'' سماه ''عين العلم''، والغزالی لما لم يكن محدثا أتى فی الاحياء بأحاديث لا أصل لها عند المحدثين ، فهذا الملخص أسقطها منها، وعلق علی القاری عليه شرحا سماه ''زين العلم'' وقد لخصه عالم ربانی حنفی وسماه ''الطريقة المحمدية'' وخرج فيه أحاديث ''الاحياء'' أيضاً، وأسقط الساقط منها، وأضاف عليه الأحاديث أيضا رجل آخر.

(فیض الباری، ۱/ ۳۴۷)

ماوراء النہر کے ایک عالم نے احیاء العلوم کی تلخیص کی ہے، اوراس کا نام ''عین العلم'' رکھا ہے، امام غزالیؒ محدث نہ ہونے کی وجہ سے چونکہ بہت سی بے بنیاد حدیثیں بھی لے آئے تھے اس لئے اس عالم نے ان حدیثوں کو ساقط کردیا ہے، ملا علی قاری نے عین العلم کی ''زین العلم'' کے نام سے ایک شرح لکھی ہے، پھر اس کے بعد ایک حنفی عالم ربانی نے زین العلم کی تلخیص کی اور اس کا نام ''الطریقۃ المحمدیہ'' رکھا، اس کے اندر احیاء العلوم کی حدیثوں کی تخریج کی ہے، اور بے بنیاد حدیثوں کو ساقط کردیا ہے، اور ایک

دوسرے شخص نے اس میں کچھ حدیثوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

عین العلم کے مصنف

حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ایک عمدہ تصنیف ہے، جس کی ملا علی قاری نے شرح لکھی ہے، ملا علی قاری نے شرح شروع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ ابن حجرؒ کی صراحت کے مطابق یہ کتاب ہندوستان کے ایک عالم فاضل کی تصنیف ہے، انھوں نے غالباً ناموری سے بچنے کے لئے اپنے حالات نہیں لکھے، بعض علماء نے اس کتاب کو علماء بلخ کی طرف منسوب کیا ہے، بعض لوگوں کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ یہ کتاب علامہ محمد بن عثمان بن عمر بلخیؒ کی تصنیف ہے۔ (کشف الظنون ۲/۴۴)

مآثر الکرام کے مصنف لکھتے ہیں: ہندوستان کے لوگوں نے مشائخ طریقت کے حالات کو محفوظ کرنے کا اہتمام کیا، لیکن اہل علم کے احوال پر بہت کم توجہ صرف کی، اس سلسلہ میں متقدمین سے لے کر متأخرین تک میں کوئی کتاب سننے میں نہیں آئی، عین العلم کتاب دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کے مصنف جلیل القدر عالم اور اپنے زمانہ کے بہت بڑے متقی اور پرہیزگار تھے، اور صحیح قول کے اعتبار سے ہندی الاصل تھے، جیسا کہ ملا علی قاری نے عین العلم کی شرح میں لکھا ہے، لیکن کسی مؤرخ نے ان کے حالات نہیں لکھے، اور اتنی جلیل القدر کتاب

لکھنے کے باوجود ان کا نام صفحۂ روزگار سے مٹ گیا۔

(مآثر الکرام فی تاریخ بلگرام ۱/۲۲۳، تذکرۃ علماء ھند مترجمہ محمد ایوب قادری ص ۳۰، ۳۱)

ملا علی قاری

آپ کا نام نامی علی بن محمد سلطان، لقب نور الدین اور قاری ہے، ہرات میں پیدائش ہوئی، مکہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی، آپ اپنے زمانہ کے جلیل القدر عالم اور یگانہ روزگار محقق و مدقق تھے، موصوف کی شہرت دیکھتے ہوئے زیادہ حالات بیان کرنا غیر ضروری ہے، مکہ کے اندر آپ نے استاذ ابوالحسن بکری، سید زکریا حسینی، شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی، شیخ احمد مصری، شیخ عبداللہ سندھی، علامہ قطب الدین مکی وغیرہ سے علم حاصل کیا، آپ کی بلند پایہ محققانہ تصانیف اطراف عالم میں پھیل گئیں، چند تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱)تفسیر القرآن (مخطوطه) (۲)الأثمار الجنية فى طبقات الحنفية (۳)الفصول المهمه (۴)مرقاة المفاتيح (۵)شرح مشكلات الموطا (۶)شرح الشفاء (۷)شرح الشمائل (۸)تذكرة الموضوعات (۹)كتاب الجمالين

تاریخوں میں آتا ہے کہ آپ سال میں ایک خوش خط قرآن پاک لکھتے، جس پر تفسیر اور قرائتیں بھی لکھی ہوئی ہوتی تھیں، اسی کو بیچ کر سال بھر گذر بسر کرتے، مکہ کے اندر شوال ۱۰۱۴ھ میں وفات پائی۔

(قاموس الأعلام ۵/۱۶۶، ۱۶۷، خلاصۃ الأثر ۳/۱۸۵، ۱۸۶)

الطريقة المحمدية کے مصنف

محمد آفندی برکلی رومی، عالم فاضل جامع علوم نقلیہ وفنون عقلیہ تھے، محی الدین اخی زادہ سے علم حاصل کیا، سلطان سلیمان خاں کے زمانہ میں مولیٰ عبدالرحمٰن قاضی عسکر کی ملازمت کی، پھران پر زہد کا غلبہ ہوگیا اور شیخ عبداللہ کرماتی کے دامن سے وابستہ ہوگئے، کچھ دنوں کے بعد اپنے شیخ کے حکم سے پھر درس و تدریس کا سلسلہ قائم کیا، جس سے اللہ کی مخلوق کو بہت فائدہ پہونچا، محمد آفندی میں اور سلطان سلیم خاں کے استاذ شیخ عطا میں بڑی محبت تھی، جس کی بناء پر شیخ عطا نے ان کے لئے قصبہ برکل میں ایک مدرسہ بنوایا اور یومیہ ساٹھ درہم تنخواہ مقرر کی، آپ نے اچھی خاصی یادگار تصانیف چھوڑیں، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) بیضاوی کی تصنیف مختصر کافیہ کی شرح (۲) کتاب الفرائض (۳) الطریقة المحمدیه، اس کتاب کے اندر آپ نے مسائل فقہ کے اندر ''زہد'' کے مسائل کی آمیزش کی ہے (۴) جلاء القلوب (۵) رد المظالم (۶) انقاذ الهالکین (۷) تنبیه النائمین (۸) معدل الصلوٰة ۹۸۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(حدائق الحنفیہ ۳۸۳، ۳۸۴، الحدیقة الندیة ۱/۳، طرب الأماثل ۳۰۲ ملحقه بالفوائد البهیة طبع کراچی)

اقتباس:۳۱

والسهيلي من العلماء المالكية دقيق النظر جدا.

(فیض الباری ۲/۵)

سہیلی مالکی عالم ہیں، اور بہت باریک بیں ہیں۔

☆☆☆☆☆

علامہ سہیلی

آپ کا نام عبد الرحمٰن، کنیت ابو القاسم اور ابو زید سہیلی کے نام سے مشہور ہیں، متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سے چند مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں: (۱) **الروض الأنف** (۲) **التعريف والأعلام فيما أبهم في القرآن** (۳) **نتائج الفكر** (۴) **شرح آية الوصية** (۵) **رؤية النبي في المنام** (۶) **السر في عود الدجال**۔

علم وادب کا آپ کو اچھا ذوق تھا، لوگوں نے موصوف سے کافی فائدہ حاصل کیا، شعر وشاعری سے فطری لگاؤ تھا، آپ کے بہت کافی اشعار ہیں، اپنے شہر میں پاکدامنی اور کفایت شعاری سے گذارا کر رہے تھے، شدہ شدہ والیٔ مراکش کو آپ کی خبر پہونچی، اس نے آپ کو بلا بھیجا، آپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، چنانچہ تین سال تک موصوف وہیں ٹھہرے رہے، آپ کی سب سے مشہور

کتاب سیرۃ ابن ھشام کی شرح ''الروض الانف'' ہے، علامہ ذہبی نے سہیلیؒ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے ''علامہ ابوزید، ابوالقاسم، ابوالحسن، عبدالرحمٰن اندلسی، مالقی، نحوی بہت بڑے مصنف اور علوم کے حافظ ہیں، آپ نے سلیمان بن یحییٰ وغیرہ سے قرأتیں سیکھیں، قاضی ابوبکر ابن العربی وغیرہ اکابر سے روایت کی، عربیت، لغت، تاریخ، حدیث وغیرہ میں کمال پیدا کیا۔

شہر مالقہ کے قریب سہیل نامی ایک گاؤں ہے، اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو سہیلی کہا جاتا ہے، مالقہ اندلس کا ایک مشہور شہر ہے، سرزمین مراکش کے اندر ۵۸۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا، بہتر سال آپ کی عمر ہوئی۔

(الدیباج المذھب فی معرفۃ أعیان علماء المذھب ۱۵۰، ۱۵۱)

اقتباس:۳۲

كـمـا حـرره شيـخ الاسـلام بين السطور، وهو حـفيـد لـمولانا عبدالحق الدهلوى رحمه اللّٰه تعالىٰ، وله حاشية على الجلالين يسمى ب"الكمالين"، وهو أحسـن مـن حـاشية عـلـى القارى، الجمالين، و كنت أرجو أن تكون حاشيته لطيفة لكونه قارئاً، فلما رأيتها وجـدتهـا سـطـحية، أمـا فى باب الأحاديث فقد رأيته يـرتكب الأغلاط كثيرا، أما حاشية ذلك الحفيد فلا ريب أنه جيد حتى أظنه أعلم من جده.(فیض الباری،۲/۲۱)

شیخ الاسلام،مولانا عبدالحق محدث دہلوی کے پوتے ہیں، ان کا جلالین کے اوپر''کمالین''نامی حاشیہ ہے،یہ حاشیہ ملاعلی قاریؒ کے حاشیہ جمالین سے اچھا ہے،قاری ہونے کی وجہ سے مجھے امید تھی کہ ان کا حاشیہ لطیف اور جاندار ہوگا،لیکن مطالعہ کرنے کے بعد میں نے اس حاشیہ کو سطحی پایا،احادیث کے بارے میں وہ بار بار غلطی کرتے ہیں،ان کے برخلاف شیخ الاسلام کا حاشیہ جاندار ہے،بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ اپنے دادا سے بھی زیادہ علم رکھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

شیخ الاسلام دہلوی

عالم محدث شیخ الاسلام بن فخر الدین بن محبّ اللہ بن نور اللہ بن نور الحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ہندوستان کے مشاہیر محدثین میں سے ہیں، اور شیخ دہلوی کے علمی ورثہ وسلسلہ کو آگے بڑھانے والے اسی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں، شیخ الاسلام نے اپنے والد فخر الدین سے، فخر الدین نے اپنے والد محبّ اللہ سے انہوں نے اپنے داد مفتی نور الحق محدث دہلوی سے کسب علم کیا، شیخ الاسلام نے بخاری شریف کی ایک مبسوط شرح فارسی میں تصنیف کی ہے، ان کی تصانیف میں: **كشف الغطاء عما لزم على الاحياء للموتى** 'اور **طرد الأوهام عن أثر الامام الهمام** بھی ہیں۔ (نزہۃ الخواطر ج۶/ص۱۱۹)

کمالین حاشیہ جلالین

کمالین کو شیخ الاسلام کی طرف منسوب کرنا ایک تاریخی غلطی ہے، ممکن ہے املاء کرنے والے سے سہو ہو گیا ہو، کمالین شیخ الاسلام کے صاحبزادہ شیخ سلام اللہ محدث رامپوری کی تصنیف ہے، پروفیسر خلیق نظامی حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی میں لکھتے ہیں ''مولانا محمد شیخ الاسلام کے فرزند شیخ سلام اللہ محدث رامپوری اپنے زمانہ کے مشہور محدث تھے، حدائق حنفیہ میں لکھا ہے کہ وہ فقیہ فاضل، محدث کامل، مفسر تبحر، علامہ عصر، محقق اور مدقق تھے، صاحب تذکرہ کاملان رامپور کا

بیان ہے کہ وہ تمام کتب غیر درسیہ پر مثل کتب درسیہ کے قادر تھے، علوم منقول ،حدیث ،رجال، لغت ،ادب سب میں کامل تھے اور عربی زبان میں مطالب علمیہ لکھنے میں ید طولیٰ تھا۔

وہ دہلی کے حالات سے بددل ہوکر رامپور چلے آئے تھے اور وہاں درس و تدریس کا کام اعلیٰ پیمانہ پر شروع کیا ۱۲۲۹ھ، ۱۲۳۳ھ میں وصال ہوا اور بغدادی صاحب کے مزار کے احاطہ میں سپرد خاک ہو گئے۔

شیخ سلام اللہ صاحب نے مؤطاً کی شرح ''محلی بسجل اسرار المولیٰ'' کے نام سے دو جلدوں میں لکھی تھی ،ڈاکٹر زبیر احمد کا خیال ہے کہ محلی مسویٰ (شاہ ولی اللہ) سے زیادہ جامع ہے، مگر مسوی کی ترتیب محلیٰ کی ترتیب سے بہتر ہے، محلی کے علاوہ شیخ سلام اللہ کی تصانیف یہ ہیں: (۱) شرح شمائل ترمذی (۲) رسالہ مناقب اہل بیت موسوم بہ خلاصۃ المناقب (۳) کمالین حاشیہ تفسیر جلالین (۴) رسالہ اصول حدیث۔ (حیات شیخ عبدالحق ۲۹۳)

اس مقام پر مصنف انوار الباری کے ایک تسامح کی نشاندہی بے محل نہ ہوگی، شیخ الاسلام کا نسب انھوں نے اس طرح لکھا ہے ''محمد شیخ الاسلام فخر الدین بن محبّ اللہ بن نور اللہ دہلوی'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد شیخ الاسلام اور فخر الدین ایک ہی شخص ہیں، حالانکہ حافظ فخر الدین صاحب محمد شیخ الاسلام کے والد بزرگوار ہیں، صحیح نسب اس طرح ہے ''محمد شیخ الاسلام بن حافظ فخر الدین بن

محبّ اللہ بن شیخ نور اللہ بن شیخ نور الحق بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی‘‘۔

شیخ زکریا سہارنپوریؒ نے نزہۃ الخواطر سے نقل کرتے ہوئے جو نسب لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبد الحیؒ سے بھی اس بارے میں چوک ہوگئی ہے، غالبًا انھوں بھی شیخ الاسلام اور فخر الدین ایک ہی شخص کو سمجھا ہے، وہ لکھتے ہیں: محدث شیخ الاسلام فخر الدین بن محبّ اللہ بن نور اللہ بن نور الحق بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ (مقدمۃ اللامع ۱۴۸)

نزہۃ الخواطر کا جو نسخہ ہمارے پیش نظر ہے اس میں نسب درست ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتب اللامع سے نقل میں غلطی ہوئی ہے (ملاحظہ ہو: طبع لکھنوج ۶/ص ۱۱۹)، شیخ الاسلام کی تصانیف یہ ہیں (۱) شرح بخاری چھ جلد (۲) **كشف الغطاء عما الزم للموتى على الاحياء** (۳) **طرد الأوهام عن أثر الامام الهمام**۔

اقتباس:۳۴

قیل من كانت عنده الكتب الأربعة فلا يضيره ان فاته غيرهاوهو :"التمهيد"لأبی عمرو، والسنن الكبرىٰ للبيهقی، والمحلیٰ لابن حزم، وشرح السنة للبغوی، أو المغنی لابن قدامة، وأهم شئی فی التمهيد جمع المتابعات والشواهد، قلت(الشيخ بدر عالم الميرتهی): سمعت من شيخی (الامام محمد أنور شاه) رحمه اللّٰه تعالیٰ وصف "كنز العمال أيضا.

(فیض الباری۲/۳۶)

کہا جاتا ہے کہ جس کے پاس چار کتابیں موجود ہوں تو اسے دیگر تمام کتابوں کے فوت ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، وہ یہ ہیں: (۱) ابوعمرو کی "التمهيد" (۲) بیہقی کی " السنن الكبری " (۳) ابن حزم کی "المحلیٰ" (۴) بغوی کی "شرح السنة "یا ابن قدامہ کی "المغنی" اور "التمهيد" کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں متابعات اور شواہد کو یکجا کر دیا گیا ہے، علامہ بدر عالم میرٹھیؒ فرماتے ہیں: میں نے اپنے شیخ (علامہ کشمیری) کو كنز العمال کی بھی تعریف کرتے ہوئے پایا۔

اقتباس:۳۴

واختاره في آكام المرجان القاضي بدر الدين الشبلي وهو تلميذ الذهبي، عالم جليل القدر، الا أنه توفي في شبابه فلم يشتهر بين الناس، وكتب ترجمته استاذُه.(فیض الباری ۲/ ۵۸)

''آکام المرجان فی احکام الجان'' قاضی بدرالدین شبلی کی تصنیف ہے، قاضی صاحب علامہ ذہبی کے شاگرد ہیں اور بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں، لیکن چونکہ جوانی میں رحلت کر گئے، اس لئے لوگوں کے درمیان زیادہ مشہور نہ سکے، ان کے استاذ امام ذہبی نے ان کے حالات لکھے ہیں۔

☆☆☆☆☆

قاضی بدرالدین شبلی

نام محمد بن عبداللہ شبلی دمشقی ثم طرابلسی حنفی، لقب بدرالدین ہے، کنیت ابوعبداللہ اور ابوالبقاء ہے، محقق اور ماہر فنون ہیں، فقہاء حنفیہ میں سے ہیں، دمشق میں ۷۱۲ھ میں ولادت ہوئی، والد سے پڑھا، تیس سال کی عمر میں سفر کا آغاز کیا، ۷۵۵ھ میں طرابلس کے قاضی مقرر ہوئے، ابن حبیب ان کے بارے میں کہتے ہیں: صاحب استقامت، محقق شخص تھے، ہتھیار بند رہتے، اور قتال

کرتے رہتے، نظم ونثر پر یکساں قادر تھے، انھوں نے احادیث سنیں، جمع کیں، افادہ کیا، تصنیف وتالیف کا کام کیا، خلق کو نفع پہنچاتے پہنچاتے دنیا سے رخصت ہوئے، طرابلس میں ہی عہدۂ قضا پر رہتے ہوئے ۷۶۹ھ میں وفات پائی۔ اھ

ان کی نسبت شبلی ہے، شلبی تصحیف ہے، ان کی چند تصانیف یہ ہیں:

(۱)محاسن الوسائل الی معرفة الأوئل ،(۲) آکام المرجان فی أحکام الجان ،(۳) آداب الحمام،(۴) تثقیف الألسنة بتعریف الأزمنة (مخطوطہ)،(۵) الینابیع فی معرفة الأصول والتفاریع، (٦)قلادة النحر فی تفسیر سورة الکوثر۔

(الدرر الکامنۃ ج۳/ص ۴۷۸،۴۷۹،تاج التراجم ا/۲۶۳و۲۶۴، اعلام زرکلی ج٦/ص۲۳۴)

بدرالدین شبلی نے آکام المرجان میں متعدد جگہ ذہبی کو ''شیخنا، استاذنا'' کہہ کران سے نقل کیا ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذہبی کے شاگرد ہیں، نیز علامہ ذہبی نے ''المعجم المختص بالمحدثین'' میں خود ان کا تذکرہ کیا ہے، جس میں ان کی قابلیت کے ساتھ،شاگردی کا بھی اعتراف کیا ہے،تحریر فرماتے ہیں:

شبلی حاذق طالب اور نوجوان فاضل ہیں، حدیث سننے کا بہت شغف رکھتے ہیں، متعدد شیوخ سے پڑھا،صغر سنی میں ہی ابوبکر بن عبدالدائم اور عیسیٰ

المطعم سے حدیث سنی، ان کی ولادت ۷۱۲ھ میں ہوئی، اور انہوں نے مجھ سے بھی احادیث سنی ہیں۔ (المعجم المختص بالمحدثین للذہبی، مکتبہ صدیق طائف ص ۲۳۷)

بدرالدین شبلی حافظ مزی اور حافظ ماردینی کے بھی شاگرد ہیں، ان سے آکام المرجان میں بکثرت روایت کرتے ہیں، ''**آکام المرجان فی أحکام الجان**'' جنات اور ان کے متعلقہ مباحث پر مبنی جامع ترین کتاب ہے، یہ کتاب ۱۴۰ ابواب پر مشتمل ہے، جس میں متعلقہ تمام تر ابحاث کا احاطہ کیا گیا ہے، بہت کثرت سے وہ ہر باب میں روایات کو لاتے ہیں، اس سے ان کا حدیث سے شغف ظاہر ہوتا ہے، علامہ سیوطی نے اس کتاب کی تلخیص کر کے، حذف و اضافہ کے ساتھ مرتب کیا ہے، اس کا نام ''**لقط المرجان فی أخبار الجان**'' ہے۔

ان کی وفات کشف الظنون میں ۷۶۹ھ درج ہے، بعض حضرات نے ۷۷۷ھ لکھی ہے، امام ذہبی کے مطابق ان کی ولادت ۷۱۲ھ ہے، اگر سن وفات ۷۶۹ھ مانا جائے تو عمر تقریبا ستاون سال ہوئی، اور اگر سن وفات ۷۷۷ھ مانا جائے تو عمر تقریبا پینسٹھ سال ہوئی، دونوں صورتوں میں یہ کہنا مشکل ہے کہ جوانی میں وفات ہوئی، ہاں پہلی صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ لمبی عمر نہیں پائی، غالبا علامہ کشمیری کی منشا یہی تھی۔

(التعلیقات السنیۃ تکملۃ الفوائد البھیۃ ص ۱۶ و ۱۷ طبع کراچی)

اقتباس: ۳۵

ولیث هذا حنفی کما صرح به ابن خلکان فی کتاب الخراج ، وقال الشافعی رحمه اللّٰہ تعالیٰ فی حقه : انه لیس عندنا بأدون من مالک رحمه اللّٰہ تعالیٰ الا أن أصحابه ضیعوه . وهذا اللیث یروی عن أبی یوسف رحمه اللّٰہ تعالیٰ فی باب قراء ة الفاتحة خلف الامام عند الطحاوی رحمه اللّٰہ تعالیٰ ، وقد نقلنا صورة الاسناد فیما سلف ، ثم لا یخفیٰ علیک أن تقلید مثل اللیث کتقلید المتقدمین .

(فیض الباری ۲/ ۱۸۶)

لیث حنفی ہیں ،جیسا کہ ابن خلکان نے کتاب الخراج میں صراحت کی ہے ،امام شافعیؒ نے ان کے بارہ میں فرمایا کہ وہ ہمارے نزدیک امام مالک سے کم مرتبہ کے نہیں تھے ،لیکن ان کے تلامذہ نے انھیں ضائع کر دیا ،امام طحاویؒ کے نزدیک یہی وہ لیث ہیں جو قرأۃ الفاتحہ خلف الامام کے باب میں امام ابو یوسفؒ سے روایت کرتے ہیں ، یہ بھی واضح رہے کہ لیث جیسے لوگوں کی تقلید بھی متقدمین ہی کی تقلید کی طرح ہے۔

☆☆☆☆☆

لیث بن سعد

امام، حافظ حدیث، شیخ الاسلام لیث بن سعد ۹۴ھ میں قلقشندہ مصر میں پیدا ہوئے، مصر وحجاز کے علماء سے حدیث حاصل کی، نافع مولیٰ ابن عمر، عطاء ابن ابی رباح، ابن ابی ملیکہ، محمد بن شہاب زہری جیسے محدثین سے استفادہ کیا، حدیث میں اہل مصر کے امام تھے، ، امام شافعی فرماتے ہیں لیث بن سعد امام مالک سے بڑے فقیہ ہیں، لیکن ان کے شاگردوں نے ان کا حق ادا نہ کیا، ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں لکھا ہے: میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ لیث بن سعد حنفی ہیں، مصر کے قاضی بھی رہے۔

اعلیٰ درجہ کے سخی و جواد تھے، ہزاروں دینار سالانہ آمدنی اہل حاجات پر خرچ کر دیتے تھے، خصوصاً علماء صلحاء اور حدیث پڑھنے پڑھانے والوں پر صرف فرمادیتے، مصر کے قاضی اور امراء آپ کی آراء پر اعتماد کرتے، ابو جعفر منصور نے انہیں سرکاری عہدہ دینا چاہا تو انکار کر دیا، پندرہ شعبان ۱۷۵ھ کو انتقال ہوا۔

(وفیات الاعیان ج ۴/ص ۱۲۷، سیر اعلام النبلاء ج ۸/ص ۱۳۶ تا ۱۶۳)

اقتباس:۳٦

وقال الشيخ نور الدين الطرابلسی – وهو متاخر عن ابن الهمام –الخ

وصنف الطرابلسی متنا فی الفقه أولا، ذكر فيه فقه المذاهب الأربعة، غير أنه أشار اليهم بطريق الرمز ، كصاحب الكنز، وان كان بين رمزيهما فرق، ثم شرحه ولخص فيه أحاديث من كتاب الشيخ ابن الهمام رحمه اللّٰه تعالىٰ وسماه "البرهان شرح مواهب الرحمن"، ولا جرم أن الكتاب مفيد ، ذكر فيه من الجزئيات والدلائل قدرا كافياً، ويوجد فی الهند مخطوطاً وكذا الطيبی ايضا يوجد ، وهو أحسن الشروح باعتبار النكات العربية، وان لم يكن مصنفه حافظا، أما فضل اللّٰه التوربشتی شارح المصابيح فمن كبار الحفاظ وهو حنفی لا كما زعم.

(حاشیہ فیض الباری۲/۱٦۱)

شیخ نورالدین طرابلسی علامہ ابن ہمام کے بعد کے لوگوں

میں سے ہیں، انھوں نے پہلے فقہ میں ایک متن لکھا، جس میں فقہ مذاہب اربعہ کو ذکر کیا ہے، لیکن صاحب کنز کی طرح انھوں نے بھی ان مسالک کی طرف صرف اشارہ کے ذریعہ متوجہ کیا ہے، اگر چہ ان دونوں کے رموز میں فرق پایا جاتا ہے، پھر اس متن کی شرح کی اور علامہ ابن ہمام کی کتاب میں مذکور احادیث کی تلخیص کر کے اس میں ذکر کر دیا اور اس کا نام ''البرهان شرح مواهب الرحمن '' رکھا، اور واقعۃً یہ کتاب بہت مفید ہے، اس میں انھوں نے جزئیات اور دلائل کافی حد تک ذکر کر دئے ہیں، یہ کتاب ہندوستان میں مخطوطہ کی شکل میں پائی جاتی ہے، اسی طرح ''طیبی'' بھی یہاں پائی جاتی ہے، اور اگر چہ اس کے مصنف حافظ نہیں تھے لیکن وہ عربی نکات کے اعتبار سے سب سے عمدہ شرح ہے، اور جہاں تک ''المصابیح'' کے شارح فضل اللہ تور بشتی کا تعلق ہے! تو وہ کبار حفاظ میں سے ہیں، اور وہ حنفی ہیں، اور وہ ویسے نہیں ہیں جیسا انھیں سمجھا جاتا ہے (یعنی شافعی نہیں ہیں)۔

☆☆☆☆☆

برہان الدین طرابلسی

ابراہیم بن موسیٰ بن ابوبکر بن علی، لقب برہان الدین ہے، نورالدین نہیں، طرابلسی، ثم دمشقی، طرابلس میں ۸۵۳ھ میں پیدا ہوئے،، ابتدائی تعلیم کے بعد دمشق جاکر وہاں کے مشائخ سے پڑھا، اس لئے دونوں نسبتیں ہیں، پھر وہاں سے قاھرہ تشریف لائے، حافظ سخاوی سے شرح معانی الآثار اور امام محمد کی کتاب الآثار پڑھی، ابتداءً عزلت گزیں رہے، پھر علوم پر متوجہ ہوئے، اور کمال حاصل کیا، یہاں تک کہ حنفیہ کی مرجع اور امام بن گئے، قاھرہ میں ۹۲۲ھ میں ان کی وفات ہوئی، جامع مسجد دمشق میں غائبانہ ان کی نماز جنازہ ہوئی۔

ہمیں ان کی تین ہی کتابوں کا علم ہوا: (۱) **الاسعاف فی أحکام الأوقاف**، (مطبوعہ) (۲) **مواھب الرحمن فی مذھب النعمان**، یہ دلائل کے بغیر صرف مسائل پر مشتمل ایک متن ہے، (۳) ''**البرھان شرح مواھب الرحمن**'' اپنی کتاب مواہب الرحمٰن کی خود ہی شرح لکھی ہے، یہ کتاب دلائل کو جامع ایک عظیم ذخیرہ ہے اور مطبوعہ ہے۔

(شذرات ۱۰/۱۵۰، الضوء اللامع ۱/۷۸، النور السافر ۱۰۴، الکواکب السائرہ ۱/۱۱۳، معجم المولفین ۱/۱۱۷)

شرف الدین طیبی

ان کا نام حسین بن عبداللہ بن محمد ہے، اور یہی راجح ہے، بعض نے حسن اور بعض نے حسین بن محمد کہا ہے، جو مرجوح ہے، لقب شرف الدین ہے، طیبی ان کی نسبت مکانی ہے، ''طیب'' عراق میں واسط اور سوس کے درمیان ایک چھوٹے سے شہر کا نام ہے، سن ولادت سے تواریخ خاموش ہیں، صاحب ثروت وتجارت تھے، اللہ کے راستے میں خرچ کرنے میں کوئی دریغ نہ کرتے، حتی کہ اخیر عمر میں مفلسی کا سامنا کرنا پڑا، علم کی نشرواشاعت کے ایسے فریفتہ تھے کہ اپنی قیمتی کتابیں جاننے اور نہ جاننے والوں کو بلاتردد عاریتاً دے دیتے، نصوص سے دقائق وحقائق کے استخراج میں بے مثال تھے، فصاحت وبلاغت کا ملکہ بھی غضب کا تھا، ان کی مشکوٰۃ کی شرح اس پر شاہد عدل ہے، اپنے شاگرد خطیب تبریزی سے امام بغوی کی مصابیح السنہ کی تلخیص کروائی، اور پھر خود اس کی شرح لکھی۔

بعد کے تمام شارحین حدیث نے ان کی شرح مشکوٰۃ سے بڑا استفادہ کیا، حافظ ابن حجر کے یہاں بہ کثرت اس کے حوالے ملتے ہیں، ملا علی قاری نے بھی شرح مشکوٰۃ میں شرح طیبی سے کافی استفادہ کیا ہے۔

یومیہ صبح سے ظہر تک تفسیر، اور ظہر سے عصر تک بخاری کا درس دیتے، یہ معمول وفات تک جاری رہا، سخی اور متواضع شخصیت تھے، فلاسفہ اور مبتدعہ کے

خلاف تیغ براں تھے، کشاف پر وقیع حاشیہ لکھا، جس میں ان کے اہل السنہ پر اعتراض و اشکال کا بحسن وخوبی رد کیا، سردی، گرمی اور بارش کسی حال میں جماعت کی نماز کو ترک نہ کرتے، بڑھاپے کا ضعف بھی اس سے مانع نہ بنا، بروز منگل ۱۳ر شعبان درسِ تفسیر سے فارغ ہوکر درس حدیث کے لئے مسجد میں داخل ہوئے، اذان ہو چکی تھی، نفل ادا کرکے جماعت کے منتظر بیٹھ گئے، نماز سے پہلے ہی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، سن وفات باتفاق مؤرخین ۷۴۳ھ ہے۔

علامہ طیبی کی چند تصنیفات یہ ہیں:

(۱) الکاشف عن حقائق السنن (شرح مشکوٰۃ، (۲) التبیان فی البیان (معانی، بیان اور بدیع)، (۳) لطائف التبیان فی المعانی والبیان (معانی، بیان اور بدیع)، (۴) فتوح الغیب فی الکشف عن قناع الریب (حاشیہ کشاف)، (۵) شرح أسماء الله الحسنیٰ، (۶) أسماء رجال المشکوٰۃ، (۷) الخلاصۃ فی اصول الحدیث، (۸) شرح التائیہ الکبریٰ (۵۶۷ ابیات)، (۹) شرح التبیان (اپنی ہی کتاب کی شرح)، (۱۰) مقدمات فی علم الحساب۔

(الدرر الکامنہ ۲/ ۶۸و۶۹، اعلام ۲/ ۲۶۵، مقدمہ التحقیق شرح الطیبی عبدالحمید هنداوی ط مکتبہ نزار ج ۱/ ۱۳تا ۲۷)

اقتباس:٣٧

قال الشيخ ابن الهمام رحمه اللّٰه تعالیٰ : ان السنة فی الجواب أن یجمع بین الحیعلة والحوقلة فی جواب الحیعلتین ،وعزاه الی بعض المشائخ، وأظن أن المراد ببعض المشائخ هو الشیخ الأکبر رحمه اللّٰه تعالیٰ، فانه من معتقدیه، وأما ابن حجر فلیس براض عنه، أما الحافظ ابن تیمیة فینکر علیه أشد الانکار یحکم علیه بالزندقة وعندی: أن الشیخ الأکبر رحمه اللّٰه تعالیٰ من کبراء هذه الأمة ، وسباق غایات فی علم الحقائق، أما الحافظ ابن تیمیة ، فلا ریب أنه بحر مواج لا ساحل له، ولکن شذ فی مسائل من الأصول والفروع من جمهور الأمة المحمدیة، والحق مع الجمهور وینکر الکشف والکرامات، غیر أنه قائل بمصداق الکشف ، ویسمیه: فراسة المؤمن، تبعا للحدیث ویحکی أنه قال لملک الشام : أخرج الی التتار یفتح اللّٰه لک، فتردد فیه الملک، فحلف

مـائة مـر ة على رؤوس الأشهاد - لايستثنى - أنه يفتح له، فلقنه تلميذه ابن عبدالهادى أن يقول: ان شاء اللّٰه تعالىٰ، فقال: ان شاء اللّٰه تحقيقاً لا تعليقا، ثم فتح اللّٰه له كما كان الحافظ ابن تيمية أخبره به من قبل.

وبـالـجـملة هو صاحب الكشف أيضاً ، غير أن فـى طبعه حدة و شدة، فيزعم تحقيقه كالوحى النازل مـن السـمـاء ، وان كـان خلاف الواقع، ولايبالى بمن خالفه ، وان كان على الحق، وهذه طبقات من الناس، خـلـقهـم الـلّٰـه عـلـى مـراتـب : مـنهم من يطبع على الاعتـدال والـنـصـفة كـالشيـخ تـقى الدين بن دقيق الـعيـد،و ابـن عبـدالبـر والزيلعى، منهم من يطبع على هذه الشدة، كالحافظ ابن تيمية، ومنهم من يطبع على غـاية التيـقـظ مع شدة التعصب، كالحافظ ابن حجر، وذكر الحافظ فى الفتح أنه ناظر واحداً من المبتدعة، فلم يمض عليه شهران الا مات، وكان الحافظ باهله، ولـم أدر أنه ما ذا كان النزاع، ولم يذكر الحافظ اسم هذا المبتدع، ثم تبين لى من الخارج أنه كان من غلاة

معتقدی الشیخ الأکبر رحمه اللّٰه تعالیٰ.

(حاشیہ فیض الباری ۲/۱۶۴)

علامہ ابن ھمام فرماتے ہیں کہ اذان کا جواب دینے کے سلسلہ میں سنت یہ ہے کہ حی علی الصلاۃ اورحی علی الفلاح کے بعد یہ الفاظ بھی دہرائے جائیں، اورلاحول ولاقوۃ الاباللہ بھی کہا جائے، اورانھوں نے اس قول کوبعض بزرگوں کی طرف منسوب کیا ہے، میرا خیال ہے کہ بعض بزرگوں سے مراد شیخ اکبر ہیں، کیونکہ ابن ھمام ان کے معتقدین میں سے ہیں، حالانکہ ابن حجران سے راضی نہیں تھے، اورعلامہ ابن تیمیہ ان پرسخت اعتراضات کرتے ہیں، اوران پر زندقہ کا حکم لگاتے ہیں، میرا خیال ہے کہ شیخ اکبراس امت کے اکابرین اورعلم حقائق میں منزل مقصودتک جلد رسائی پانے والوں میں سے ہیں، اور جہاں تک ابن تیمیہ کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک ایسے بحرمواج ہیں جس کا کوئی ساحل نہیں، لیکن وہ چند اصولی اورفروعی مسائل میں جمہور امت سے الگ ہوجاتے ہیں، حالانکہ ان میں حق جمہور ہی کے ساتھ ہے، وہ کشف وکرامات کے منکر ہیں، لیکن مصداق کشف کے قائل ہیں، اوراسے حدیث کی پیروی میں مومن کی فراست کا نام

دیتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ انھوں نے شام کے بادشاہ سے کہا تھا کہ آپ تاتاریوں کا مقابلہ کیجئے ،اللہ تعالی آپ کو ضرور فتح عطا فرمائیں گے، بادشاہ کو اس میں ذرا تردد ہوا تو انھوں نے سب کے سامنے سو مرتبہ قسم کھا کر کہا: ہمیں ضرور فتح نصیب ہوگی ،ان کے شاگرد ابن عبد الہادی نے کہا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ کہہ لیں تو انھوں نے کہا: انشاء اللہ تحقیقا ، نہ کہ تعلیقا ، پھر اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کو فتح بھی عطا فرمائی ، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے پہلے ہی بتادیا تھا،اور بالجملہ وہ بھی اصحاب کشف وکرامات میں سے ہیں ،لیکن ان کی طبیعت میں ذرا تیزی اور شدت ہے،لہٰذا وہ اپنی تحقیقات کو وحی منزل کی طرح سمجھتے ہیں، چاہے وہ خلاف واقعہ ہی کیوں نہ ہو اور وہ اس کی بھی پرواہ نہیں کرتے ہیں کہ وہ کس کی مخالفت کر رہے ہیں، چاہے وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو،اور یہ لوگوں کے چند طبقات ہیں جنھیں اللہ تعالی نے مختلف مراتب پر پیدا فرمایا،ان میں سے بعض کی طبیعت میں اعتدال اور انصاف پسندی ہوتی ہے جیسے کہ شیخ تقی الدین ابن دقیق العید،ابن عبد البر،علامہ زیلعی ،اور بعض کی طبیعت میں شدت ہوتی ہے، جیسے علامہ ابن تیمیہ،اور بعض کی طبیعت میں انتہائی تعصب کے باوجود غایت درجہ کا تیقظ ہوتا ہے،

جیسے حافظ ابن حجر۔

انھوں نے فتح الباری میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ انھوں نے ایک مبتدع شخص سے مناظرہ کیا، چنانچہ ابھی دو مہینہ بھی نہیں گذرے تھے کہ اس کا انتقال ہوگیا، حافظ ابن حجرؒ نے اس سے مباہلہ کیا تھا، مجھے معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ نزاع کس مسئلہ میں تھا، اور حافظ بن حجرؒ نے اس مبتدع کا نام بھی ذکر نہیں کیا ہے، پھر مجھے کہیں سے معلوم ہوا کہ وہ مبتدع شیخ اکبر کے غالی معتقدین میں سے تھا۔

☆☆☆☆☆

اقتباس:٣٨

ولست أقلد فى العقليات أحدا، بل فى الفنون كلها الا الفقه، فانه لا حظ لى فيه غير النقل، فانه باب أصعب، وان كنت لا أقلد فيه من يتبعون قولهم: " به يفتىٰ" فقط، فان الفتوىٰ قد تكون فى الطرفين، ولكنهم لقصور نظر هم لايكون لهم علم بطرف آخر، ولكن أراعى فى ذلك الأحاديث والأئمة، فان روايات الامام اذا تعددت ووافق الحديث احداها، وكذلك اذا التأمت مع اقوال سائر الائمة، فهى تكون أرجح عندى وأولىٰ.

وأما الفنون العقلية فأنا أعلم بها من ابن سيناء ، فانه لا علم له الا بمذهب أرسطو، بل لا علم له به أيضاً فانه لاينقل عنه الا من تلميذ واحد، مع أنه تلامذته كثيرون، وفى نقلهم مذهبه اختلاف عظيم، فبعضهم يقول: انه كان قائلا بحدوث العالم، والآخر يقول: بقدم العالم، ومذهب ارسطو : انه لا هيولىٰ فى الأفلاك، وما أثبته ابن سيناء من الهيولى فى

الأفلاک ثم نسبه الی الأرسطو فهو غلط ، بل هو من مخترعاته. (حاشیہ فیض الباری ۲/ ۱۶۵)

میں معقولات بلکہ تمام ہی فنون میں کسی کا مقلد نہیں ہوں، سوائے فقہ کے، کیونکہ اس میں میں اپنے آپ کو صرف نقل ہی کا اہل سمجھتا ہوں، کیونکہ یہ بڑا ہی مشکل میدان ہے، اگر چہ اس میں بھی میں ان لوگوں کی تقلید نہیں کرتا جو محض فقہاء کے قول "بـــه یـفـتـی" کو دیکھتے ہیں، کیونکہ فتوی کبھی دونوں جانب میں ہوا کرتا ہے، لیکن ان لوگوں کو اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے دوسرے قول پر بھی فتوی ہونے کا علم نہیں ہوتا، لیکن میں اس میں احادیث اور دوسرے ائمہ کے اقوال کا لحاظ کرتا ہوں، جب امام صاحبؒ سے متعدد روایات ہوتی ہیں، اور ان میں سے ایک روایت حدیث کے موافق ہوتی ہے، اسی طرح دوسرے ائمہ کے اقوال سے ہم آہنگ ہوتی ہے تو وہ میرے نزدیک زیادہ قابل ترجیح ہوتی ہے۔

اور جہاں تک فنون عقلیہ کا تعلق ہے تو انھیں میں ابن سیناء سے زیادہ جانتا ہوں، کیونکہ اسے تو صرف ارسطو کے مذہب کی واقفیت ہے، بلکہ اس کا بھی صحیح علم نہیں ہے، کیونکہ وہ اسے ارسطو کے صرف ایک ہی شاگرد سے نقل کرتا ہے، جبکہ ارسطو کے تلامذہ کی ایک لمبی فہرست ہے، اور اس کے مذہب کو نقل کرنے میں ان

کے درمیان بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔

چنانچہ اس کے بعض تلامذہ کا کہنا ہے کہ وہ عالم کے حادث ہونے کا قائل تھا، جبکہ دوسرے بعض کہتے ہیں: وہ عالم کے قدیم ہونے کا قائل تھا، اسی طرح ارسطو کا مذہب یہ ہے کہ افلاک میں ہیولیٰ نہیں ہے، اور ابن سیناء نے جو افلاک میں ہیولیٰ ثابت کیا ہے، اور پھر اسے ارسطو کی طرف منسوب کیا ہے یہ بالکل غلط ہے، بلکہ یہ خیال خود اس کی مخترعات میں سے ہے۔

☆☆☆☆☆

ابن سینا

ابوعلی، حسین بن عبداللہ بن علی بن سینا، شیخ الرئیس، ابن سینا، بوعلی سینا کے نام سے مشہور ہیں، اہل مغرب انھیں ''اوسینا'' کہتے ہیں۔

بخارا میں ایک گاوں ''افشنہ'' میں ۳ رصفر ۳۷۵ھ میں ولادت ہوئی، بخارا تعلیم کے لئے گئے، دس سال کی عمر میں قرآن، نحو وصرف پڑھا، محمود مساح سے ہندسہ اور مساحت پڑھا، عبداللہ تانکی فلسفی کچھ عرصہ بخارا میں مقیم ہوئے، اسی اثناء ان سے منطق فلسفہ پڑھا،، اس کے بعد طب میں مشغول ہوگئے، اور اس میں ماہر ہوگئے، لیکن قبولیت اور شہرت تب ہوئی جب سلطان وقت نوح بن منصور بیمار ہوا، کسی طبیب سے معالجہ بن نہ پڑا، بالآخران کو بلایا گیا، اور ان کے معالجہ

سے اسے شفا ہوگئی، ۱۷سال کی عمر میں شاہی طبیب ہوگئے، بادشاہ نے ان کے لئے انعام میں ایک عظیم الشان کتب خانہ کا بندوبست کر کے ان کے حوالہ کر دیا، جس میں انھوں نے تدریس وتصنیف کا کام کیا۔

اس کے بعد ایک طویل عرصہ مختلف شہروں کے سفر کئے، بادشاہوں سے کہیں تو خلعت ونوازش مل جاتی، کبھی قید و بند مقدر ہوتی، ۵۸ سال کی عمر میں ۴۲۸ھ مطابق جون ۱۰۳۸ء میں وفات ہوئی، ہمدان میں تدفین ہوئی۔

شیخ نے تصنیف کا کام بھی خوب کیا، ''القانون'' جو طب یونانی کی سب سے اہم وبنیادی کتاب ہے شیخ کی ہی تصنیف ہے، کم وبیش سو کتابیں ان سے منسوب ہیں، چند یہ ہیں:

کتاب الشفاء، کتاب اللواحق(شرح شفاء)، الحاصل والمحصول، البر والأثم، المجموع، القانون،الأوسط(منطق)، لسان العرب(لغت)، عیون الحکمت، ، مقالة فی الهندباء، المدخل الی صناعة الموسیقی، الحکمة العرشیة(الهیات)، شرح کتاب النفس لأرسطو، مقالة فی ابطال النجوم وأحکامها، أرجوزة فی الطب، الاشارات والتنبیهات،وغیرہ۔

(تاریخ طب، محمد حسان نگرامی ص ۲۵۸ تا ۲۹۶)

اقتباس:۳۹

والهيثمى صاحب مجمع الزوائد تلميذ الحافظ العراقى، ومجمع الزوائد كتاب نافع جدا.

قالوا : ان الكتب على أربع مراتب : الأولىٰ الصحاح الست ، غير ابن ماجة، ثم المسند لأحمد رحمه اللّٰه تعالىٰ فى ست مجلدات ، تحتوى على أربعين ألف حديث، ثم مجمع الزوائد للحافظ نور الدين الهيثمى والرابعة كنز العمال، الا أن النقد فيه قليل.(فیض الباری۲/۱۹۳)

مجمع الزوائد کے مصنف ہیثمی حافظ عراقی کے شاگرد ہیں اور مجمع الزوائد بہت ہی مفید کتاب ہے، کہا جاتا ہے کہ کتابوں کے چار درجات ہیں، سب سے پہلے صحاح ستہ ہیں، سوائے ابن ماجہ کے ، پھر مسند احمد ہے جو چھ جلدوں میں ہے، اور چالیس ہزار حدیثوں پر مشتمل ہے، پھر حافظ نور الدین کی مجمع الزوائد ہے، اور پھر کنز العمال ہے، مگر اس میں نقد کم ہے۔

☆☆☆☆☆

امام احمد بن حنبل

نام ونسب: احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد، کنیت ابوعبداللہ ہے، امام السنہ، امام اہل السنہ، ناصرالسنہ وغیرہ آپ کے القاب ہیں، اصلاً مروزی ہیں، والدہ حالت حمل میں بغداد آئی تھیں، یہیں ان کی ۱۶۴ھ میں ولادت ہوئی، اور یہیں تربیت و پرورش پائی، عرب کے قبیلہ بنی ذہل بن شیبان سے ہیں۔

بغداد کے شیوخ سے احادیث سنیں، اس کے بعد کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام، الجزیرہ وغیرہ طلب حدیث کے لئے اسفار کئے، اساتذہ کی ایک طویل ترین فہرست ہے، چند نمایاں نام یہ ہیں: محمد بن ادریس شافعی، عبدالرحمٰن بن مہدی، اسماعیل بن علیہ، ابوداؤد طیالسی، محمد بن جعفر غندر، یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، سفیان بن عیینہ اور وکیع بن جراح، بشر بن مفضل، یزید بن ہارون، ابومسعر، ولید بن مسلم وغیرہ۔

شاگردوں کی تعداد تو غیر محصور ہے، اجلہ تلامذہ میں یہ حضرات ہیں: محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم بن حجاج نیشاپوری، ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی، ابوداؤد سجستانی اور یعقوب بن شیبہ، ابوبکر اثرم وغیرہ۔

امام احمد بن حنبل اسلام کے ان چیدہ ونمایاں شخصیات میں سے ہیں جنھیں ان کی عظیم الشان خدمات وقربانیوں کے لئے رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا، جن حالات کا مقابلہ کر کے انھوں نے اسلام کا تحفظ کیا ہے ان کا تصور بھی آج مشکل

ہے، یقیناً امام صاحب عزیمت کے ایک جلیل القدر باب ہیں، قتیبہ کہتے ہیں: اگر امام احمد نہ ہوتے تو عقائد میں نہ جانے کیا کیا بدعات وضلالات شامل ہو جاتیں، علی بن مدینی کہتے ہیں: امام احمد ہمارے سردار ہیں۔

علی بن مدینی ہی فرماتے کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دو شخصیتوں سے ایسی عزت بخشی جس میں کوئی تیسرا شریک نہیں، ایک مسئلہ ارتداد میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے، دوسرے فتنہ خلق قرآن اور ایام آزمائش میں امام احمدؒ سے، اس میں بھی یہ فرق تھا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ ان کے اعوان واصحاب تھے، لیکن امام احمد تن تنہا تھے۔

امام شافعی فرماتے ہیںؒ: بغداد میں میں نے احمد بن حنبل سے زیادہ تقویٰ، ورع، فقہ وعلم والا کسی دوسرے کو نہ چھوڑا، ابراہیم دورقی کہتے ہیں: اگر کوئی امام احمد کی برائی کرے تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو، سفیان بن وکیع کہتے ہیں: جو امام احمد بن حنبل پر عیب لگائے ان پر جرح کرے وہ ہمارے نزدیک فاسق ہے، ابوالحسن طرخاباذی ہمدانی کہتے ہیں: احمد بن حنبل وہ معیار ہیں جس سے مسلمان اور زندیق میں امتیاز ہوتا ہے۔

۷۷ سال کی عمر میں جمعہ کے دن ربیع الاول ۲۴۱ھ میں انتقال ہوا۔

(تاریخ بغداد ۶/ ۹۰، سیر اعلام النبلاء ۱۱/ ۱۷۷، طبقات سبکی ۲/ ۲۷ تا ۳۷، شذرات الذہب ۲/ ۹۶ تا ۹۸)

علامہ ہیثمی

علی بن بکر بن سلیمان بن ابوبکر بن عمر بن صالح ، نورالدین ، ابوالحسن القاہری ، الشافعی ، حافظ الحدیث ، ہیثمی کے نام سے معروف ہیں ، ان کے والد ایک تاجر تھے ، سن ولادت ۷۳۵ ھ ہے ، ہیثمی نے جب تصحیح قرآن کی تکمیل کر لی تو حافظ زین الدین عراقی کے حلقہ میں شامل ہو گئے ، اور ایسے شامل ہوئے کہ انہیں کے ہو رہے ، ان کے تمام حج تمام اسفار میں ساتھ رہے ، علمی حلقوں اور دروس کا لازمی جزء بن گئے ، اپنے استاذ عراقی کے ساتھ ہی مصر ، حرمین شریفین ، بیت المقدس ، دمشق ، بعلبک ، حلب ، طرابلس وغیرہ کے اسفار کئے ۔

حافظ عراقی اپنے اس قابل شاگرد پر مکمل اعتماد کرتے تھے ، اپنی ذاتی امور تک میں ان سے خدمت لیتے تھے ، اپنی بیٹی خدیجہ کا نکاح بھی ہیثمی سے کرا دیا تھا ، جن سے کئی اولاد ہوئیں ۔

حافظ عراقی نے زوائد کی تخریج کا ان سے خصوصی کام لیا ، اور اس فن میں ان کو ماہر و مشاق بنا دیا ، چنانچہ سب سے پہلے ہیثمی نے مسند احمد کے زوائد دو جلدوں میں جمع کئے ، اس کے بعد کتب ستہ ، طبرانی کی تینوں معاجم ، مسند بزار و مسند ابی یعلیٰ کے زوائد لکھے ، پھر سب کی اسانید کو حذف کر کے ان سب کو جمع کر دیا ، اس مجموعہ کا نام ''مجمع الزوائد ومنبع الفوائد'' رکھا ۔

اس کے علاوہ صحیح ابن حبان کے زوائد الگ مرتب کئے، ابونعیم کی کتاب حلیۃ الاولیاء کی تبویب کا کام شروع کیا، لیکن ادھورا ہی چھوڑ کر انتقال کر گئے، ان کے بعد حافظ ابن حجر نے اس کی تکمیل و تبییض کی، اس کے علاوہ بھی کئی اہم کارنامے حدیث کے میدان میں انجام دئے۔

علم و فضل، زہد و تقویٰ میں بے مثال تھے، شغف عبادت اعلیٰ درجہ کا تھا، اہل علم اور حدیث کے پڑھنے پڑھانے والوں سے خصوصی محبت رکھتے تھے، عوامی میل جول سے گریزاں تھے۔

(حسن المحاضرہ ۱/۳۶۲، اعلام زرکلی ۴/۲۶۶)

اقتباس:۴۰

ان العینی کان سریع القلم جدا، حتی نقل القدوری بتمامه فی یوم واحد، وکان یتعسر علی الناس قراءة کتبه من أجل سرعة قلمه.

(فیض الباری ۲/۲۰۳)

عینی بہت تیز لکھتے تھے، یہاں تک کہ انھوں نے پوری قدوری ایک دن میں لکھ ڈالی، ان کے تیز لکھنے کی وجہ سے لوگوں کے لئے ان کی کتابوں کا پڑھنا بہت دشوار ہوتا تھا۔

اقتباس:۴۱

واعلم أن الشیخ العینی کان أسن من الحافظ رحمهما اللّٰه تعالیٰ، وقد بقی بعده ثلاث سنین، وکان عمره تسعین، وکان یؤلف شرح الهدایة فی نور المصباح، وألف شرح الکنز فی ثلاثة أشهر.

(فیض الباری ۲/۲۸۱)

جان لو کہ علامہ عینی حافظ ابن حجر سے عمر میں زیادہ ہیں، اور ان کے انتقال کے بعد بھی تین سال تک زندہ رہے، نوے سال کی عمر پائی، چراغ کی روشنی میں ھدایہ کی شرح لکھتے تھے، تین مہینہ

میں شرح الکنز کی تالیف فرمائی۔

☆☆☆☆☆

علامہ بدرالدین عینی

محمود بن احمد بن موسیٰ نام ہے، بدرالدین لقب ہے، ابومحمد اور ابوالثناء کنیت ہے، حلب سے تین منزل کے فاصلہ پر ''عینتاب'' میں ۲۶؍رمضان ۶۲ےھ کو پیدا ہوئے، اسی عینتاب کی نسبت سے آپ ''عینی'' کہلاتے ہیں، وہیں والد سے پرورش پائی، والد کی وفات کے بعد حلب تشریف لائے، وہاں علامہ جمال الدین یوسف بن موسیٰ ملطی حنفی سے فقہ پڑھی، بیت المقدس حاضری ہوئی تو علامہ علاء الدین احمد بن محمد سیرامی حنفی استاذ مدرسہ ظاہریہ برقوق وقاضی قاہرہ سے اتفاقا ملاقات ہوئی، وہ موصوف کو اپنے ساتھ قاھرہ لے گئے، مدرسہ ظاہریہ میں کسی خدمت میں تقرر کرادیا، ۹۰ےھ میں سیرامی کی وفات ہوئی، ان کی وفات تک ان سے استفادہ کرتے رہے، ان کے انتقال کے بعد حاسدین نے شاہ وقت سے کہہ کر انھیں قاھرہ سے نکلوانا چاہا، شیخ الاسلام سراج الدین عمر البلقینی کی سفارش پر یہ فرمان منسوخ ہوا، متعدد دفعہ قاھرہ کے محتسب بنے، علوم وفنون، تدریس وتصنیف ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، ۸۲۹ھ میں اشرف برسبائی نے انھیں پہلی دفعہ مصر کا قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بنایا، یہ عہدہ انھیں بلا سعی و سفارش ملا تھا، اس لئے حکام وعوام کی نظر میں ان کے ادب واحترام، عظمت و

منزلت بڑھ گئی، اولاً تین سال، دوبارہ آٹھ سال اس عہدہ پر فائز رہے، بادشاہ و امراء سے اچھے مراسم رکھتے تھے، ان سے ملنا ملانا عموماً رہتا، ملک اشرف کو ان سے خاص عقیدت تھی، علامہ ان کے مشیر خاص تھے، اشرف سے یہاں تک منقول ہے: ''لولا العینتابی ما کنا مسلمین''، اگر عینی نہ ہوتے تو شاید ہم مسلمان نہ ہوتے ۸۴۳ھ میں قضا سے سبکدوش ہوئے تو تعلیمی مشاغل میں مزید انہماک ہوگیا، اخیر عمر میں حرکت تک سے معذور ہو گئے تھے، اسی صورت حال میں وقف سے ملنے والی مراعات بھی بند کر دی گئیں، ضروریات پوری کرنے کے لئے اپنی املاک و کتب فروخت کرنے کی نوبت آ گئی، شب سہ شنبہ ۴/ ذوالحجہ ۸۵۵ھ میں دار فانی سے کوچ کیا، جنازے کی بھیڑ ایک یادگار تھی۔

مختلف علوم میں ماہر وحاذق تھے، کیا معقول اور کیا منقول، تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، صرف، شعر، تاریخ، تمام ہی فنون میں دسترس رکھتے تھے، مخالفین و حاسدین بھی اس کے معترف تھے، نظم و نثر پر یکساں قدرت تھی، عربی و ترکی دونوں زبانوں میں فصاحت کا ملکہ حاصل تھا، رنگ گندمی، قد پستہ اور ڈاڑھی لمبی اور کھلی ہوئی تھی۔

کتابت میں سرعت کے ساتھ کشش و عمدگی بھی تھی، ایک دن میں مکمل قدوری لکھنے کا واقعہ ابتداء عمر کا ہے، حسن کتابت کا یہ عالم تھا کہ ان کے تذکرہ نگار محمد راغب طباخ حلبی لکھتے ہیں: ''کانت مسوداته مبیضات'' (ان کے

مسودات ہی مبیضہ ہوتے تھے)، تصنیف کے وقت پہلے کچا اور رف لکھا جاتا ہے، جسے مسودہ کہتے ہیں، پھر جب اسے صاف کیا جائے تو اسے مبیضہ کہتے ہیں، کتابت اتنی عمدہ تھی کہ ایک بار لکھنا کافی ہوجاتا تھا، دوبارہ صاف کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی۔

کثیر التصانیف علماء میں سے ہیں، ان کی چند اہم تصانیف یہ ہیں:

(۱) عمدة القاری شرح بخاری، (۲) البنایه شرح الهدایه، (۳) شرح أبی داؤد (ایک مختصر حصہ کی)، (۴) رمز الحقائق شرح کنز الدقائق، (۵) مغانی الأخیار فی رجال معانی الآثار (مصطلح الحدیث و رجال)، (٦) نخب الأفکار فی تنقیح مبانی الأخیار شرح معانی الآثار (حدیث)، (۷) شرح مجمع البحرین، (۸) مختصر فی الفتاویٰ الظهیریه، (۹) مختصر المحیط، (۱۰) العلم الهیّب شرح الکلم الطیب لابن تیمیه (۱۱) المسائل البدریه (فقه)، (۱۲) الدرر الزاهرة شرح البحار الزاخرة (فقه)، (۱۳) منحة السلوک شرح تحفة الملوک (فقه)، (۱۴) المقاصد النحویه شرح شواهد الألفیه شواهد کبریٰ، (۱۵) فرائد القلائد مختصر شرح شواهد الألفیه شواهد صغریٰ، (۱٦) طبقات الشعراء، (۱۷) معجم شیوخه (اپنے شیوخ کے تذکرے)، (۱۸) شرح سیرة

ابـن هشـام (ایک بڑے حصہ کی) (۱۹) شـرح الـجـاربـردی (۲۰) طبقات الحنفیه (۲۱و۲۲) شرح التسهیل لابن الملک مطول و مـختصر، (۲۳)السیف المهند فی سیرة الملک المؤید (یہ تاریخ کم، انشاءوثنا زیادہ ہے)، (۲۴) سیرة الملک أشرف (۲۵) الروض الـزاهر فی سیرة الملک الزاهر (۲۶) الجوهرة السنیة فی تاریخ الـدولة الـمؤیدیه، (۲۷)المقدمة السودانیة فی الأحکام الدینیه، (۲۸) کتـاب فـی مواعظ والرقائق(۸مجلد) (۲۹) شرح العوامل (۳۰و۳۱) التاریخ الکبیر علی السنین ،مطول ۲۰ مجلد،مختصر ۳مـجـلـد، (۳۲) التـاریـخ الـصـغیر ۸ مجلد، (۳۳)حواشی علی شـرح السیـد عبـداللـه، (۳۴) شـرح عـروض ابن الحـاجـب، (۳۵)شـرح الـسـاوریة فـی الـعـروض (۳۶) مـختـصـر تاریخ ابن خـلکان، (۳۷)حواشی علی شرح الالفیة، (۳۸) تاریخ الأکاسرة (ترکی میں)۔

(اعلام النبلاء محمد راغب طباخ حلبی، ۲۴۳/۵ تا ۲۴۷ ط دار القلم حلب، اعلام زرکلی ۱۶۳/۷)

اقتباس:۴۲

والشيخ علی المتقی حنفی من علماء القرن العاشر، وهو شيخ الشيخ عبدالحق الدهلوی، والشيخ محمد طاهر أيضا حنفی، كما هو مصرح فی رسالته الخطية "براندير" ولم يتحقق الأمر لمولانا عبدالحئی رحمه اللّٰه تعالیٰ، فقال: انه شافعی، وهو خلاف التحقيق كما علمت.(حاشیہ فیض الباری ۲/۲۱۲)

شیخ علی المتقی حنفی ہیں، دسویں صدی کے علماء میں سے ہیں، اور یہ شیخ عبدالحق دہلوی کے شیخ ہیں، اور شیخ محمد طاہر بھی حنفی ہیں، جیسا کہ راندیر میں موجودان کے ایک قلمی رسالہ میں اس کی صراحت موجود ہے، لیکن اس بات کی تحقیق مولانا عبدالحیؒ کو نہیں ہوسکی، لہٰذا انھوں نے فرمایا کہ وہ شافعی ہیں، حالانکہ یہ بات تحقیق کے خلاف ہے۔

☆☆☆☆☆

شیخ علی متقی

عالم کبیر، محدث جلیل علی بن حسام الدین بن عبدالملک بن قاضی خان شاذلی چشتی برہانپوری مہاجر مکی۔

۸۸۵ھ میں برہانپور میں پیدا ہوئے، صغرسنی میں والد نے شیخ بہاء الدین برہانپوری کے حلقہ ارادت میں داخل کرادیا، جب ہوش سنبھالا تب بھی ان کا دامن تھامے رہے، شیخ کا انتقال ہوا تو شیخ کے صاحبزادے شیخ عبدالحکیم سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ان کے علاوہ ہندوستان وحجاز کے متعدد شیوخ سے کسب فیض کیا، اور کبار علماء سے علمی استفادہ فرمایا، حرمین میں ابوالحسن شافعی بکری سے حدیث پڑھی، اور طریقۂ قادریہ، شاذلیہ، مدنیہ میں ریاضت کرکے کمال حاصل کیا، شیخ محمد بن محمد سخاوی سے بھی ان طرق میں فیضیاب ہوئے، شہاب الدین احمد ابن حجر مکی سے بھی حدیث پڑھی، مدت دراز تک حرم مکی میں مقیم رہے، ہندوستان کے متعدد اسفار ہوئے، اس دوران شاہی خدمات اعلیٰ استغناء کے ساتھ انجام دیں، ایک خلق کوفیض وہدایت سے سیراب کیا، ورع وتقویٰ میں امام تھے، عبادت میں خود کو گھلا دینے والے تھے، علامہ عبدالوہاب شعرانی شافعی نے ان سے ملاقات کے بعد لکھا ہے کہ بھوک کے باوجود عبادت کی کثرت سے ان کے جسم میں ہڈیوں کے سوا برائے نام ہی گوشت تھا، مکہ مکرمہ میں ان کے درجہ کو کوئی دوسرا ولی نہیں دیکھا، نیز کہتے ہیں: عزلت پسند واقع ہوئے تھے، حرم شریف میں نماز کے بعد تیزی سے اپنے جائے قیام کا راستہ لیتے، ان کی متعدد چھوٹی بڑی تصانیف ہیں۔

ان کا سب سے بڑا کارنامہ علامہ جلال الدین سیوطی کی جمع الجوامع کی ترتیب ہے، جسے بعد میں نہایت قبولیت وشہرت حاصل ہوئی، حدیث سے شغف

رکھنے والوں کے لئے مرجع و نادر تحفہ ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے: شیخ ابوالحسن بکری شافعی فرماتے ہیں: امام سیوطی نے جوامع لکھ کر دنیا والوں پر احسان کیا ہے، اور شیخ علی متقی نے ان کی کتابوں کو مرتب کر کے سیوطی پر احسان کیا ہے۔

۲ر جمادی الثانیہ ۹۷۵ھ کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی، جنت المعلی میں فضیل بن عیاض کی قبر کے محاذات میں ان کی قبر ہے۔

ان کی چند تصنیفات یہ ہیں: **کنز العمال فی سنن الأقوال و الأفعال، ارشاد العرفان وعبارة الایمان، البرهان الجلی فی معرفة الولی، الرق المرقوم فی غایات العلوم، المواهب العلیة فی الجمع بین الحکم القرآنية والحدیثیة.**

(النور السافر ۲۸۳، اعلام زرکلی ج ۴/ص ۲۷۱)

شیخ محمد بن طاہر پٹنی

محمد بن طاہر بن علی، مجد الدین لقب ہے، ان کا نام محمد ہی ہے، محمد طاہر نہیں جیسا کہ انھوں نے اپنی تصانیف میں خود صراحت فرمائی ہے، پٹن گجرات کے تھے اس لئے تعریباً "الفتنی" کہا جاتا ہے، ان کی ولادت ۹۱۳ھ میں گجرات میں ہوئی، بہت کم عمری میں قرآن حفظ کر لیا تھا، گجرات کے کبار علماء سے تلمذ واستفادہ کیا، شیخ ناگوری، برہان الدین سمہودی، مولانا یداللہ سوھی وغیرہ

ان کے اساتذہ میں سے ہیں، علم وفضل میں ایسا کمال حاصل کیا کہ اہل زمانہ میں ممتاز ہوگئے، حرمین شریفین کا سفر کیا، وہاں کے اکابر وشیوخ سے استفادہ کیا، ابوالحسن بکری احمد بن حجر مکی، سید عبداللہ عیدروس، شیخ علی بن حسام متقی وغیرہ ان میں نمایاں نام ہیں، ہندوستان لوٹے تو تدریس وتصنیف سے معذور ہو چکے تھے، دوسرے طریقوں سے علم و اہل علم کی معاونت کرتے رہے، میراث میں اچھا خاصہ مال ملا تھا، جسے غریب ونادار طلبہ پر صرف کردیا۔

آپ گجراتی ''بوہرہ'' تھے، بوہرہ ''بیوہار'' سے محرف یا معرب ہے، یعنی تاجر، اس قوم میں شیعہ ومہدوی بھی بکثرت ہوگئے۔

علم حدیث میں انھوں نے وہ کمال حاصل کیا کہ ہند وبیرون ہند تمام علماء ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

حضرمی نے النور السافر میں لکھا ہے: مختلف علوم وفنون میں حاذق تھے، ہمعصروں میں سب سے ممتاز وفائق تھے، پورے گجرات میں علمِ حدیث میں ان کا ہم پلہ کوئی دوسرا عالم نہیں ہوا۔اھ

اخیر عمر میں فرقہ مہدویہ کے تعاقب میں تندہی سے لگ گئے، اپنا عمامہ اس قسم کے ساتھ اتار دیا کہ جب تک یہ بدعت ختم نہیں کر لیتے عمامہ نہ پہنیں گے، بادشاہ اکبر دہلی میں حاکم ہوا تو اس نے آکر اپنے ہاتھوں سے عمامہ پہنایا، اور عہد لیا کہ یہ ذمہ داری اب اس کی ہے، شیخ نے عمامہ پہن لیا، کچھ دنوں کے لئے مرزا عزیز الدین کو والی گجرات بنادیا، وہ متدین سنی تھا، اس نے اس کام میں شیخ کا

مکمل تعاون کیا، اکبر نے اسے معزول کر کے عبدالرحیم بن بیرم خان کو والی مقرر کیا جو شیعہ تھا، اس سے شیعوں اور مہدویہ کو بہت تقویت ملی، شیخ بہت ناراض ہوئے پٹن سے نکل کر آگرہ (اکبر آباد) کے لئے نکلے، راستے میں اجین میں کسی کے یہاں قیام کیا، مہدوی لوگ قتل کی گھات میں تھے، تہجد کی نماز میں تھے کہ بحالت نماز ہی ان کو شہید کر دیا۔

۹۸۶ھ میں شہادت ہوئی، اکبر کو معلوم ہوا تو نعش کو پٹن منتقل کرنے کا حکم دیا، ۵ یا ۶ ماہ بعد نعش پٹن منتقل کر دی گئی، جب تابوت کھولا تو اس میں موگرے (بیلا) کے پھول کھلے ہوئے تھے۔

ان کی بعض اہم کتابیں یہ ہیں: **مجمع البحار فی غرائب التنزیل ولطائف الأخبار، المغنی فی ضبط الأسماء لرواة الأنباء، قانون الموضوعات، تذکرة الموضوعات، تبویب مقاصد جامع الأصول نصیحة الولاة والرعاة والرعیة۔**

شیخ طاہر پٹنی کے بارے میں مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کا یہ لکھنا کہ ''وہ شافعی تھے'' مجھے اب تک نہیں مل سکا، مولانا فرنگی محلی نے التعلیقات السنیۃ ص ۱۶۴ و ۱۶۵ پر ان کا تذکرہ کیا ہے، لیکن اس میں نہ ان کے حنفی ہونے کی صراحت کی ہے، نہ شافعی ہونے کی، ممکن ہے کسی اور کتاب میں کہیں لکھا ہو، یا ناقل سے سہو ہوا ہو۔

(التعلیقات السنیۃ ملحقہ الفوائد البھیۃ طبع کراچی ص ۱۶۴، ۱۶۵، نزہۃ الخواطر ۴/ ۲۶۴ تا ۲۶۹، سوانح ملک المحدثین محمد بن طاہر پٹنی عبدالرشید ندوی طبع جمبوسر ۶ تا ۲۶)

اقتباس:۴۳

واعلم أن ابن نجيم أفقه عندی من الشامی لما أری فيه أن أمارات التفقه تلوح، والشامی معاصر للشاه عبدالعزيز رحمه اللّٰه تعالیٰ وهو أفقه عندی من الشامی رحمه اللّٰه تعالیٰ، وكذا شيخ مشائخنا رشيد أحمد الكنكوهی- قدس سره - أفقه عندی من الشامی.(فیض الباری۲/۲۴۱)

جان لو کہ میرے نزدیک ابن نجیم شامی سے زیادہ تفقہ رکھنے والے ہیں، کیونکہ مجھے ان کے اندر تفقہ کی علامتیں نظر آتی ہیں، اور علامہ شامیؒ شاہ عبد العزیزؒ کے معاصر ہیں، اور میرے نزدیک شاہ صاحب بھی علامہ شامی سے زیادہ تفقہ رکھنے والے ہیں، اسی طرح میرے نزدیک ہمارے شیخ المشائخ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی علامہ شامی سے زیادہ تفقہ رکھنے والے ہیں۔

☆☆☆☆☆

ابن نجیم

نام ونسب اس طرح ہے: زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن محمد بن محمد، نجیم ان کے اجداد میں کسی کا نام ہے، اسی مناسبت سے ابن نجیم کی کنیت سے

معروف ہیں، ولادت ۹۲۶ھ میں ہوئی، مصر میں علامہ امین الدین بن عبدالعال حنفی، شیخ ابوالفیض سلمی، شیخ الاسلام ابن الحلبی، شیخ شرف الدین بلقینی، برہان الدین کرکی، شہاب الدین بن شلبی سے علم حاصل کیا، علامہ نورالدین دیلمی مالکی، علامہ شقیر مغربی سے عربیت ومعقول پڑھی، عارف باللہ شیخ سلیمان خضیری سے باطنی استفادہ کیا۔

اپنے زمانے کے بڑے عالم ہیں، بے مثال محقق ومصنف، ماہرفن دقیقہ رس مفتی بھی ہیں، یکسوئی ومجاہدہ سے علم حاصل کیا، اور ساری عمر اسی کیفیت کے ساتھ علمی افادہ واستفادہ میں منہمک رہے، مختلف علوم وفنون میں کمال رکھتے تھے، اپنے شیوخ کے زمانے مین فتویٰ نویسی کا کام شروع کردیا تھا، اوران کا اعتماد بھی حاصل تھا، کوئی ایک فتویٰ ومضمون بھی لکھ دیتے تو دوراور دیر تک اس کا چرچا ہوتا، شائقین علم اس کی طلب وحصول میں لگ جاتے، بعدازمرگ بھی ان کی تصانیف کو اعلیٰ مقبولیت حاصل رہی، تحریری ذخیرہ بھی علوم وتحقیقات کا ایک خزانہ ہے، جس سے دیگر مذاہب کے علماء وفقہاء بھی برابر استفادہ کرتے ہیں۔

فقہی مشکلات ومعضلات کوحل کرنے میں انھیں خاص دلچسپی اور مہارت تھی، اس مناسبت سے ان کی تحریریں آج تک بطور خاص دیکھی وپڑھی جاتی ہیں، شعراوی کہتے میں ان کے ساتھ دس سال رہا، لیکن کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جوان کی دیانت میں مخل ہو۔

۴ / رجب ۹۷۰ھ میں وفات ہوئی، طبقات السنیۃ، شذرات اور کشف

الظنون میں یہی سن درج ہے، الکواکب السائرۃ میں علامہ ابن نجیم کے ایک شاگرد شیخ محمد العلی کے حوالہ سے ۹۶۹ھ نقل کی ہے۔

ان کی چند اہم تصانیف ورسائل درج ذیل ہیں:

(۱)البحر الرائق شرح کنز الدقائق (اخیر کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا کہ عمر نے وفا نہیں کی)،(۲)الأشباہ والنظائر ،(۳)شرح المنار ،(۴) لب الاصول (تلخیص تحریر الاصول لابن الہمام)،(۵)الفوائد الزینیة ، (۶)حاشیة الهداية،(۷)حاشیة على جامع الفصولین ، (۸)الصغائر و الکبائر،(۹) التحفة المرضية فی أراضی المصريه،(۱۰)الفتاویٰ الزینیہ (ان کے بیٹے نے جمع کئے تھے)(۱۱)تحرير المقال فی مسألة الاستبدال (رسالہ ملحقہ الرسائل الزینیہ)،(۱۲)الخير الباقی فی جواز الوضوء من الفساقی (رسالہ ملحقہ)،(۱۳)رسالہ فی الأفعال التی تفعل فی الصلاۃ على المذاہب الأربعة (ملحقہ)،(۱۴)رسالة فی صلاۃ الرغائب، (۱۵)رسالة رفع الغشاء عن وقت العصر والعشاء، (۱۶)القول النقی فی الرد على المفترى الشقی۔

(طبقات السنیۃ ۱/ ۲۸۹، الکواکب السائرۃ ۳/ ۱۳۷، شذرات الذہب ۸/ ۳۵۸، معجم المؤلفین ۲/ ۲۷۱، ۴/ ۱۹۲، کشف الظنون ۱/ ۸۱ و ۳۵۶ و ۴۲۷)

علامہ ابن عابدین

محمد بن امین بن عمر بن عبدالعزیز بن احمد بن عبدالرحیم بن نجم الدین بن محمد صلاح الدین ابن عابدین کے نام سے معروف ہیں، حسینی سادات میں سے ہیں، دمشق میں ۱۱۹۸ھ میں ولادت ہوئی، والد سے ابتدائی دینی تربیت وتعلیم ملی، بچپن میں علم کا چسکا لگ گیا تھا، بالغ ہونے سے پہلے ہی مقدمہ جزریہ وشاطبیہ حفظ کرلی، پھر نحو صرف اور فقہ شافعی بھی پڑھی، وقت کے کبار علماء سے استفادہ کیا، علوم، خصوصاً فقہ میں، تدریس وتصنیف، فتویٰ نویسی کے لئے جوانی میں نمایاں ہوگئے، اختلاف کے وقت علماء وعوام کا مرجع ہوتے، صلاح وتقویٰ میں بھی اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔

فقہ حنفی میں ان کی مہارت اور دقیقہ رسی ''الدر المختار'' پر ان کی شرح ''ردالمحتار'' سے واضح ہوتی ہے، اس کتاب کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، علماء اور اصحاب افتاء نے اس پر بھرپور اعتماد کیا، یہ کتاب علماء اور مفتیان کرام کے لئے مرجع بن گئی، ہر بڑے کتبخانہ میں اور ہر مستند مفتی کے پاس ردالمحتار معروف بحاشیہ ابن عابدین ضرور ملے گی، اصحاب افتاء نے اپنے فتاویٰ میں اس کتاب کے بہت حوالے دئے ہیں۔

عمدہ شاعر بھی تھے، ایک طویل نعتیہ قصیدہ بھی ہے جو حجاج کرام کے ذریعہ روضۂ اطہر پر پڑھے جانے کے لئے بھیجا تھا، اس کے علاوہ بھی ان کے اشعار

ہیں، فرائض کے اصول ومسائل کے ضبط میں بھی اشعار ہیں۔

ردالمحتار کے علاوہ ان کی اور بھی کتابیں ہیں:

رفع الأنظار عما أورده الحلبی علی الدر المختار، العقود الدریة فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، نسمات الأسحار علی شرح المنار، حاشیة علی المطول فی البلاغة، حاشیة الأشباه والنظائر، حواشی علی تفسیر البیضاوی، عقود العوالی فی الأسانید العوالی، اس کے علاوہ مجموعۂ رسائل میں ۳۲ علمی، فقہی رسائل ہیں۔

دمشق میں ۱۲۵۳ھ میں وفات ہوئی، مقبرة الباب الصغیر میں علامہ حصکفی کے پہلو میں تدفین ہوئی۔

(حلیة البشر فی تاریخ القرن الثالث عشر، عبدالرزاق بیطار دمشقی، دار صادر، ۱۲۳۰تا۱۲۳۹، مقدمة التحقیق ردالمحتار ۱/۵۳تا۵۵، اعلام زرکلی ۶/۴۱، طبقات النسابین ۱/۱۸۵)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش بن قاضی غلام حسن بن قاضی غلام علی بن قاضی اکبر بن قاضی محمد سالم انصاری، والد ماجد کو شاہ غلام علی نقشبندیؒ سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔

ولادت ۶/ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۱/ مئی ۱۸۲۹ء کو گنگوہ میں ہوئی، بچپن

سے ہی سعادت کے آثار نمایاں تھے، قرآن پاک وفارسی، ابتدائی درسیات گنگوہ وغیرہ میں پڑھ کر دہلی گئے، متوسطات مولانا احمد الدین پنجابی اور مولانا کریم بخش سے پڑھیں، اس کے بعد استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی کی خدمت میں حاضر ہوکر درسیات کی تکمیل کی، ان کے علاوہ مولانا شاہ احمد سعید مجددی، مفتی صدر الدین آزردہ، شاہ عبد الغنی مجددی جیسے کبار علماء سے تلمذ واستفادہ رہا۔

تکمیل کے بعد متفرق خدمات میں رہے، گنگوہ میں ہی تن تنہا دورۂ حدیث کا آغاز کیا، جس میں مثالی رجوع تھا، حضرت گنگوہی حدیث وفقہ میں یکتائے روزگار تھے، فقہی جزئیات ومسائل پر احادیث نبویہ کی تطبیق بڑی مہارت کے ساتھ کرتے تھے، ان کے درس حدیث سے حدیث اور فقہ کا گہرا ربط ظاہر ہوتا تھا، وراحادیث نبویہ سے احکام ومسائل کے استنباط کا طریقہ معلوم ہوتا تھا، فقہی جزئیات پر ان کے غیر معمولی عبور کا اعتراف حضرت نانوتویؒ بھی فرمایا کرتے تھے، علوم میں حضرت کی دقت نظر اور بلند مرتبگی کی اس سے بڑھ کر کسی دلیل کی حاجت نہیں کہ خاتم المحققین حضرت مولانا عبد الحئی فرنگی محلیؒ بھی بذریعہ خط و کتابت ان سے اپنے اشکالات کے جوابات دریافت کیا کرتے تھے۔

علامہ کشمیری حضرت گنگوہی کی بہت تعریف فرماتے تھے، ان کے کمال علم، محدثانہ شان اور فقہی تبحر کو متعدد مواقع پر مختلف پہلوؤں سے اجاگر کرتے تھے، ایک موقع پر فرمایا: حضرت سے زیادہ ائمہ اربعہ کی فقہ کا ماہر میں نے نہیں

دیکھا۔(الانور ص۱۸۲)

ان کی شان میں علامہ نے عربی میں کچھ اشعار بھی کہے ہیں جو نفحۃ العنبر میں مذکور ہیں۔

حضرتؒ کی یہ مجتہدانہ ومحدثانہ شان ان کے فتاویٰ وامالی حدیث سے بخوبی واضح ہے، حضرت حاجی صاحب سے بیعت ہوئے، اور پہلے ہی چلہ میں خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے، ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں بڑی جانبازی سے حصہ لیا، بیک وقت دارالعلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور کے سرپرست بھی رہے۔

۹/جمادیٰ الاخریٰ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱/اگست ۱۹۰۵ء کو یہ آفتاب علم و ہدایت گنگوہ میں غروب ہوگیا، شام کو شیخ الہندؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت کا تصنیفات کی فہرست بہت طویل نہیں، لیکن جو ہیں وہ دریا بکوزہ ہیں، جن میں یہ بھی شامل ہیں: ہدایۃ الشیعہ، امدادالسلوک، زبدۃ المناسک، **الرای النجیح فی عدد رکعات التراویح، أوثق العری فی تحقیق الجمعة فی القریٰ، رد الطغیان فی أوقاف القرآن، سبیل الرشاد فی التقلید والاجتهاد، الشمس اللامعة فی کراهة الجماعة الثانیة۔**

(باقیات فتاویٰ رشیدیہ، مولانا نورالحسن راشد، ص ۶۸ تا ۱۰۳)

اقتباس:۴۴

وفی مجموع زید بن علی وهو من معاصری أبی حنیفة رحمه اللّٰہ تعالیٰ، وامام فرقة الزیدیة ،وهو ثقة یروی الأحادیث الصحاح، وهی أقرب المذاهب الی أهل السنة من سائر هم، وسب الصحابةحرام عندهم الا أن الآفة فی کتابه من حیث جهالة ناقلیه.

(فیض الباری۲/ ۲۴۱)

زید بن علی امام ابوحنیفہؒ کے معاصرین میں سے ہیں،اور فرقہ زیدیہ کے امام ہیں،وہ ثقہ ہیں،صحیح حدیثیں روایت کرتے ہیں،اور(اہل تشیع کے)تمام فرقوں میں فرقہ زیدیہ ہی اہل سنت والجماعت سے سب سے زیادہ قریب ہے اوران کے نزدیک بھی صحابہ کوگالی دینا حرام ہے،مگران کی کتابوں میں آفت یہ ہے کہ ان کے ناقلین مجہول ہیں۔

☆☆☆☆☆

زید بن علی

نام ونسب: زید بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب علوی ہاشمی قرشی، ۷۹ھ میں پیدا ہوئے،زیدالشہید کے نام سے معروف ہیں،رئیس المعتزلہ

واصل بن عطاء سے پڑھا تھا، اس لئے اعتزال کی کچھ باتیں آگئی تھیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: میں نے ان سے بڑا فقیہ، ان سے زیادہ حاضر جواب، ان سے زیادہ صاحب تفہیم کسی کو نہیں پایا۔

شیعان کوفہ نے امویوں کے خلاف جہاد کے لئے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، لیکن جب شیعوں نے ان سے حضرات شیخین کے بارے میں سوال کیا کہ ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو زید بن علی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم کرے، اور ان کی مغفرت فرمائے، میں نے اپنے گھر والوں (اہل بیت النبی) کو ان کا ذکر خیر کرتے ہی پایا، زیادہ سے زیادہ اگر یہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے ہم مستحق تھے، اور انہوں نے لے لی تو یہ بات بھی حد کفر تک پہنچانے والی نہیں، اور انہوں نے رعایا میں کتاب وسنت کے مطابق عدل کیا، جب انہوں نے شیعوں کی طرح تفضیل و براءت نہیں کی تو شیعوں نے ان کی بیعتِ جہاد توڑ دی، کہا جاتا ہے اسی موقع پر سب سے پہلے حضرت زید بن علیؒ نے شیعوں کو رافضی کہا تھا۔

جب انھوں نے ہشام بن عبدالملک کے خلاف ۱۲۱ھ میں خروج اور اعلان جنگ کیا تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: زین بن علی کا جنگ کے لئے نکلنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوۂ بدر کے لئے نکلنے کے برابر ہے، تو ان سے پوچھا گیا کہ پھر آپ جنگ میں شریک کیوں نہ ہوئے؟ تو جواب دیا: امانتوں کی وجہ سے

نہیں جاسکا، میں نے ابن ابی لیلیٰ کو پیش کیں، لیکن انھوں نے قبول نہ کیا، مجھے اندیشہ ہوا کہ میں اس حال میں مروں کہ مجھ پر امانتوں کا بوجھ ہو۔

ایک روایت اس طرح سے بھی منقول ہے کہ انھوں نے کہا: اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ قوم انھیں ان کے والد کی طرح رسوا نہ کرے گی تو ضرور جہاد میں شرکت کرتا، کیونکہ وہ امام برحق ہیں، لیکن میں ان کی مالی امداد کروں گا، چنانچہ دس ہزار دراہم کی امداد بھیجی اور قاصد سے کہا کہ میرا عذر بتا دینا۔

بیعت توڑنے کے بعد یوسف بن عمر ثقفی نے ان کو شہید کر دیا تھا، اور ان کے سر کو کاٹ کر شہروں شہروں گھمایا اور جوامع پر لٹکایا، فرقہ زیدیہ اپنی نسبت انہی کی طرف کرتا ہے، ان کی طرف کچھ کتابیں (مجموع فی الفقہ، مسند الامام زید وغیرہ) منسوب ہیں، وہ فقیہ و مجتہد تھے، اس لئے اگر یہ نسبت درست ہو تو یہ کتب اپنے فنون کی اولین کتب ہوں گی، ۱۲۲ھ میں شہادت ہوئی۔

(تاریخ ابن خلدون ج ۱/ص ۱۲۲، ابوحنیفہ، ابوزہرہ ص ۳۳، الاعلام زرکلی ۳/ ۵۹)

اقتباس:۴۵

وهو في المغني لابن قدامة أيضاً : وقد كان عالم حنبلي قد أتحفني بجزء منه ،وقد جاء اليوم مطبوعاً ، الا أنه مملوء من أغلاط الناسخين، وهذا الكتاب من الكتب الأربعة التي قال فيها عزالدين بن عبدالسلام: انها من كانت عنده كفته؛ السنن الكبرىٰ للبيهقي، والمحلى لابن حزم، وشرح السنة للبغوى، والمغني لابن قدامة.(فیض الباری۲/۲۷۲)

اور یہ ابن قدامہ کی المغنی میں مذکور ہے، مجھے ایک حنبلی عالم نے اس کی ایک جلد ہدیہ میں دی تھی ،اب تو مکمل طبع ہو کر آ چکی ہے،مگر اس میں کتابت کی غلطیاں بہت ہیں اور یہ ان چار کتابوں میں سے ہے جن کے بارے میں شیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ نے فرمایا تھا کہ جس کے پاس یہ چار کتابیں ہوں تو اس کے لئے کافی ہو جائیں گی:(۱)بیہقی کی''السنن الکبریٰ'' (۲)ابن حزم کی ''المحلی'' (۳)بغوی کی'' شرح السنۃ ''(۴)ابن قدامہ کی ''المغنی''۔

☆☆☆☆☆

ابن قدامہ مقدسی

عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ بن مقدام بن نصر مَقدِسی، جمّاعیلی، ثم دمشقی، صالحی، شعبان ۵۴۱ھ میں جمّاعیل میں پیدا ہوئے، یہ نابلس کے قریب ایک مقام ہے، دس سال کے تھے کہ گھر والوں نے دمشق ہجرت کی، قرآن پاک کے ساتھ مختصر الخرقی بھی مکمل حفظ کرلی، اپنے والد وغیرہ سے استفادہ کیا، اپنے خالہ زاد بھائی حافظ ضیاء مقدسی کے ساتھ ۵۶۱ھ میں بغداد کا سفر کیا، ۴ سال وہاں قیام کیا، وہاں کے اکابر علماء سے استفادہ کرکے دمشق واپس آئے، لیکن بغداد کے اور بھی اسفار ہوئے۔

سبط ابن جوزی کہتے ہیں: موفق الدین امام الفنون، اپنے زمانہ میں سب سے بڑے زاہد ومتقی تھے، حیاء غالب تھی، دنیا و مافیھا سے کنارہ کش، فقراء سے محبت کرنے والے تھے، دیکھنے والوں کو لگتا جیسے کسی صحابی کو دیکھ لیا ہو، نور جیسا چہرہ جھلک رہا ہے، متبع سنت اور عبادت کے رسیا تھے۔اھ

حافظ عمر بن الحاجب کہتے ہیں: ابن قدامہ مفتی الائمہ اور امام الائمہ تھے۔

صفدی کہتے ہیں: ابن قدامہ علم الخلاف، فرائض، اصول، فقہ، حساب اور ہیئت کے امام ہیں، حافظ ضیاء مقدسی ابوبکر محمد بن معالی بن غنیمہ سے نقل کرتے ہیں: اس زمانے میں درجہ اجتہاد کو پانے والا مجھے کوئی نہیں دکھائی دیا سوائے ابن

قدامہ کے،عزالدین ابن عبدالسلام سے منقول ہے: مجھے فتویٰ نویسی میں تب تک اطمینان نہیں ہوتا جب تک میرے پاس ''المغنی'' نہ ہو۔

غرضیکہ موفق الدین ابن قدامہ علمائے اعلام میں سے ہیں، نہ صرف حنابلہ بلکہ دیگر مذاہب کے علماء وفقہاء نے ان کی جلالت علمی اور فقہ میں دقیقہ رسی کا اعتراف کیا ہے، اور آج تک ان کے علوم سے استفادہ کیا جارہا ہے، ان کی کتاب المغنی اہل تحقیق کے لئے ایک بحر ذخار ہے، جو فقہ ہی نہیں، اسلامی اصول وقواعد کا ایک دائرۃ المعارف اور موسوعہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

آپ کی تصانیف کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دلائل کا مرقع اور طریق استدلال میں بے مثال ہوتی ہیں، آپ کثیر التصانیف علماء میں سے ہیں۔

آپ کی چند تصانیف یہ ہیں: (۱) البرهان فی مسالة القرآن، (۲) جزء مسالة العلو، (۳) جزء الاعتقاد، (۴) جزء جواب مسالة وردت من صرخد فی القرآن، (۵) ذم التاویل (دواجزاء)، (۶) جزء کتاب القدر، (۷) منهاج القاصدین فی فضل الخلفاء الراشدین (دواجزاء)، (۸) رسالة الی شیخ فخر الدین ابن تیمیه فی تخلید أهل البدع فی النار، (۹) مسألة فی تحریم النظر فی کتب أهل الکلام، (۱۰) مختصر العلل لخلال (۱۱) مشیخة شیوخه، (۱۲) المغنی فی الفقه، (۱۳) الکافی فی الفقه، (۱۴) المقنع فی الفقه، (۱۵)

مختصر الهدایه ،(۱۶)العمدۃ، (۱۷)مناسک الحج، (۱۸)جزء ذم الوسواس (۱۹)الروضة(اصول فقہ)(۲۰)قنعة الأریب فی الغریب (لغت)(۲۱)التدیین فی نسب القرشیین (انساب)، (۲۲)الاستبصار فی نسب الأنصار (انساب)،(۲۳)کتاب التوابین ،(۲۴)کتاب المتحابین فی اللّٰه ،(۲۵)کتاب الرقة والبکاء،(۲۶) فضائل عاشوراء ،(۲۷) فضائل العشر۔

۶۲۰ھ میں بروز سنیچر عید الفطر کے دن دمشق میں وفات ہوئی، اگلے دن نماز جنازہ ہوئی، تدفین قاسیون میں ہوئی۔

(ذیل طبقات الحنابلہ ۲/۱۳۳ تا ۱۴۹، سیر اعلام النبلاء ۲۲/ ۱۶۵ تا ۱۷۳)

عز الدین ابن عبد السلام

عز الدین ابن عبد السلام بن ابو القاسم بن حسن، سُلمی ، دمشقی، شافعی، شیخ الاسلام اور سلطان العلماء آپ کے خطاب ہیں، ۵۷۸ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، شیخ الاسلام اپنی عزیمت، علمی جلالت وگہرائی، دینی شجاعت و ہمت میں ایک بے مثال شخصیت ہیں، مجتہدانہ شان کے حامل ہیں۔

ان کا سب سے بڑا امتیاز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ان کا کمال اوران کی شجاعت ودلیری ہے، جس کے سبب وہ اپنے لئے کسی بھی نقصان ونتیجہ کو برداشت کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، ایک دونہیں، بلکہ ان کی مکمل زندگی ان

واقعات سے بھری پڑی ہے، کوئی وزیر ہو یا بادشاہ کسی کا رعب وداب انھیں امر ونہی سے مانع نہیں بنتا، قید وبند کی صعوبتیں بھی ان کے اس جذبہ کو ماند نہ کرسکیں۔

اسلام ومسلمانوں کی نصیحت وحمیت کے لئے وہ بادشاہوں کی رضا وناراضگی کو خاطر میں نہ لاتے، امراء حکومت کی سرعام نیلامی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ان کی عزیمت کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے، جس کی مثال ملنا تقریباً ناممکن ہے۔

فراخ دل اور نہایت فیاض طبع تھے، علوم ظاہری کے علاوہ کمالات باطنی سے بھی مالامال تھے، شیخ شہاب الدین سہروردی سے رسالہ قشیریہ پڑھا، استفادہ کیا، بالآخر انھیں سے خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے، علامہ سیوطی نے شیخ ابوالحسن شاذلی سے ملاقات واستفادہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

۱۰/ جمادی الاولیٰ ۶۶۰ھ کو قاھرہ میں وفات ہوئی، قرافہ کبریٰ میں تدفین ہوئی، جنازہ کا مجمع ایسا ہوشربا تھا کہ امراء وبادشاہ بھی سکتے میں تھے۔

ان کی چند اہم تصانیف یہ ہیں: (۱) القواعد الکبریٰ، (۲) القواعد الصغریٰ (قواعد کبریٰ کی تلخیص)، (۳) مجاز القرآن، (۴) مختصر مجاز القرآن، (۵) شجرۃ المعارف، (۶) الدلائل المتعلقۃ بالملائکۃ والنبیین علیھم السلام الخلق اجمعین، (۷) التفسیر (مجلد واحد)، (۸) الغایۃ فی اختصار

النهایه،(۹)مختصر صحیح مسلم،(۱۰)مختصر رعایة المحتسبی (۱۱)الامام فی أدلة الاحکام،(۱۲)بیان أحوال الناس یوم القیامة، (۱۳)بدایة السؤل فی تفضیل الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم، (۱۴)الفرق بین الایمان والاسلام،(۱۵)الجمع بین الحاوی والنهایه (ناقص)،(۱۶)الفتاویٰ الموصلیة،(۱۷)الفتاویٰ المصریة(۱۸)فوائد البلویٰ و المحن۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ سبکی ۵/ ۲۰۹ تا ۲۵۵،فوات الوفیات ۲/ ۳۵۲،تاریخ دعوت وعزیمت ۱/ ۲۸۷ تا ۳۰۲)

اقتباس:٤٦

واعلم أن المصنف رحمه اللّٰه تعالىٰ قد شدد الكلام على مسائل أبى حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ فى رسائله، ولم يكن ذلك يليق برفعة شأنه، وقد سمعت من بعض الفضلاء قصة فى وجه نكارته من الحنفية وهى: أن ملك بخارا أمر المصنف رحمه اللّٰه تعالىٰ أن يُعَلِّم أبنائه فى بيته فأجاب المصنف رحمه اللّٰه تعالىٰ : من شاء فليأتنا و لاحاجة لنا الى الذهاب الى بيت أحد، فغضب عليه الملك، و أجلاه، فخرج البخارىُ رحمه اللّٰه تعالىٰ الى "خرتنك"- موضع بسمرقند- ،وألقى بها عصاه، ودعا ربه: انه لم يبق له بعد ذلك فى الحياة حاجة ، فتوفى فى يوم العيد.

قيل: ان الذى ساعد الملك على اخراجه أبوحفص الصغيروهو تلميذ أبى حفص الكبير- تلميذ الامام محمد رحمه اللّٰه تعالىٰ - و هذا هو سبب نكارة البخارى رحمه اللّٰه تعالىٰ من الحنفية.

قلت: ولى فيه تردد لما ذكر الحافظ رحمه اللّٰه تعالىٰ فى مقدمة الفتح: أن أباحفص الصغير كان

رفيقا للبخاري في أسفاره، حتى أنهما كانا يتهادان أحدهما الى الآخر، فما دام لا يتحقق للتغاضب بينهما سبب، لاأثق بتلك الحكاية . والله أعلم بالصواب . (فیض الباری ۲/۲۸۲)

جان لو کہ مصنف نے اپنے رسائل میں امام صاحب کے اوپر سخت کلام کیا ہے، حالانکہ یہ چیز ان کے شایان شان نہیں تھی، میں نے احناف سے ان کی ناپسندیدگی کے بارے میں بعض فضلاء سے ایک قصہ سنا ہے کہ بخارا کے بادشاہ نے مصنفؒ سے کہا کہ وہ اس کے بیٹوں کو بادشاہ کے گھر پر حدیث کا درس دیں، آپ نے جواب دیا کہ جسے علم حاصل کرنا ہو وہ خود ہمارے پاس آئے، ہمیں کسی کے پاس جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس پر بادشاہ کو غصہ آگیا، اور اس نے آپ کو جلاوطن کردیا، چنانچہ آپ سمرقند کے قریب ''خرتنک'' نامی ایک مقام کی طرف چلے گئے اور وہاں قیام پذیر ہوگئے، اور یہ دعاء کی کہ اے اللہ! اب اس کے بعد زندہ رہنے کی مجھے حاجت نہیں ہے، چنانچہ عید کے دن آپ کا انتقال ہو گیا، کہا جاتا ہے کہ آپ کو جلاوطن کرنے کیلئے بادشاہ کو جس نے ابھارا تھا وہ امام محمدؒ کے شاگرد ابوحفص الکبیر کے شاگرد ابوحفص الصغیر تھے، اور یہی وجہ تھی امام بخاریؒ کی احناف سے کبیدہ خاطری

کی، لیکن مجھے اس میں تردد ہے، کیونکہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ابوحفص الصغیر امام بخاریؒ کے رفیق سفر ہوا کرتے تھے، اور دونوں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرتے تھے، لہٰذا جب تک ان دونوں کے درمیان باہمی ناراضگی کی کوئی وجہ متحقق نہ ہوجائے، مجھے اس سابقہ واقعہ پر اعتماد نہیں ہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

ابوحفص الکبیر

احمد بن حفص بن زبرقان، مولیٰ بنی عجل، ابوحفص ان کی کنیت ہے، بیٹے سے امتیاز کے لئے الکبیر کہا جاتا ہے، ۱۵۰ھ میں ولادت ہوئی، امام محمد سے فقہ سیکھی، امام ابوعبداللہ ابن مندہ کہتے ہیں: ابوحفص امام محمد کے کبار تلامذہ میں ہیں، امام وکیع بن الجراح اور ان کے طبقہ کے لوگوں سے حدیث سنی، لیث بن نصر الشاعر کہتے ہیں: ابوحفص کبیر فقہ، ورع، اور عمل میں اہل زمانہ میں ممتاز تھے، ہدایہ میں ابوحفص الکبیر کے نام سے انھیں کا ذکر بارہا آیا ہے۔

ابوحفص کبیر امام بخاری کے معاصر ہیں، اور ان سے ملاقاتیں بھی ہیں، ابوحفص کبیر حنفیہ کے بڑے امام ہیں، بخارا کے اکابر علماء میں سے ہیں، جماعت حنفیہ سے علیحدہ ان کے کچھ تفردات ہیں، محرم ۲۱۷ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(الفوائد البهیہ استحادص ۲۴، تاج التراجم ۱/۹۴، الجواھر المضیئۃ ۲/۲۴۹، تاریخ الاسلام ذہبی، دار الغرب الاسلامی ۵/ ۲۴۹، سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۱۵۷)

ابو حفص الصغیر

محمد بن احمد بن حفص بن زبرقان، مولیٰ بنی عجل، ان کی کنیت ابو عبداللہ اور ابو حفص ہے، والد سے امتیاز کرنے لئے الصغیر کہا جاتا ہے، اپنے والد ابو حفص کبیر سے فقہ سیکھی، ابوالولید طیالسی، حمیدی، یحییٰ بن معین، ابونعیم عارم، یحییٰ بن یحییٰ، التنبوذکی، عبداللہ بن رجاء سے اور ان کے معاصر طبقہ سے حدیث سنی، ابونعیم سے بھی استفادہ کیا، جو ان کے اساتذہ میں سب سے معمر ہیں، ایک مدت امام بخاری کے ساتھ رہے۔

ثقہ، امام، متورع، زاہد، متبع سنت اور عالم ربانی ہیں، بخارا میں حنفیہ کی امامت ان کے والد اور ان کو حاصل تھی، امام ذہبی فرماتے ہیں: ابو حفص الصغیر یکے از ائمہ الاسلام اور امام السنہ ہیں۔

''الرد علی اللفظیة ''اور''الأهواء والاختلاف ''ان کی کتابیں ہیں، صاحب کشف الظنون کو سہو ہوا کہ انہوں نے ابوعبداللہ ابو حفص الکبیر کو کہا ہے، اور''الرد علی اهل الاهواء ''کو والد کی تصنیف بتایا ہے، اس کا سہو ہونا واضح ہے، کیونکہ ابو حفص الکبیر کی دوسری کنیت ابوعبداللہ نہیں ہے، بلکہ ابوعبداللہ، ابو حفص الصغیر کی دوسری کنیت ہے، جیسا کہ ذہبی وابن مندہ نے لکھا ہے۔

حضرت علامہؒ نے جس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے کہ ابو حفص الصغیر نے امام

بخاری کو بخارا سے نکلوایا تھا، اسے حافظ ابن مندہؒ کے حوالہ سے امام ذہبیؒ نے نقل کیا، اوران دونوں کے حوالوں سے علامہ عبدالحئی فرنگی محلیؒ نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے، نہ تو امام ذہبی نے اس واقعہ میں کسی تردد کا اظہار کیا ہے، اور نہ ہی علامہ فرنگی محلی نے، رہی بات ابوحفص الصغیراور امام بخاری کی علمی رفاقت سفر کی تو اسے بھی سب نے نقل کیا ہے، لیکن صرف رفاقت کے سبب اس واقعہ میں تردد پیدا ہونا سمجھ میں نہیں آتا، ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک زمانے تک دونوں شریک سفر رہے، لیکن اختلاف کے بعد دونوں میں شکررنجی ہوگئی ہو، دراصل دونوں میں ''لفظی بالقرآن مخلوق'' کے مسئلہ میں اختلاف ہوا۔

امام ذہبی نے امام ابوعبداللہ ابن مندہ سے بحوالہ ابن اخرم نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے احمد بن سلمہ سے سنا: امام بخاری سے قرآن کے بارے میں پوچھا گیا، امام بخاری نے کہا: قرآن اللہ کا کلام ہے، پوچھا گیا: اس میں کوئی تصرف ہوسکتا ہے؟ امام بخاری نے جواب دیا: زبان سے تصرف ہوسکتا ہے، (انسانی زبان سے ادا کئے ہوئے کلمات کا حکم الگ ہے، یہ مخلوق ہیں، کلام الٰہی کی طرح غیر مخلوق نہیں)، اس کی خبر محمد بن یحییٰ ذہلی کو ہوئی، انھوں نے اعلان کرادیا: جو محمد بن اسمٰعیل بخاری کی مجلس میں شریک ہو، وہ ہمارے درس میں نہ آئے، اور ایک جماعت کو اپنے درس سے نکال دیا، امام بخاری بخارا آگئے، محمد ذہلی نے امیر بخارا خالد کو اور علماء بخارا کو لکھ کر اس معاملہ کی اطلاع دی، امیر

بخارا نے انھیں نکالنے کا ارادہ کیا، ابوحفص محمد بن احمد نے انھیں بخارا سے نکلوا دیا، چنانچہ وہ وہیں رہے، انھوں نے سمرقند والوں سے وہاں آنے کی اجازت مانگی، انھوں نے بھی منع کر دیا، بالآخر اسی گاؤں خرتنک میں ان کی وفات ہوئی۔

یہ واقعہ قیل وغیرہ کے ذریعہ سے نہیں بیان کیا گیا، بلکہ ابن مندہ سے، وہ ابن اخرم سے، وہ احمد بن سلمہ سے نقل کرتے ہیں، سب سے بڑی دلیل اس واقعہ کی صحت کی یہی ہے، دوسری دلیل اس پر ابوحفص کی کتاب ''الرد علی اللفظیة'' ہے جو انھوں نے اسی مسئلہ پر باقاعدہ لکھی تھی، ابن مندہ نے اس کتاب کے ابتدائی کلمات بھی نقل کیے ہیں، ایسی صورت میں تردد کا کوئی موقع نہیں رہ جاتا۔

البتہ علامہ فرنگی محلیؒ نے امام بخاری کے متعلق ایک دوسرے واقعہ کی تردید کی ہے، جسے صاحب عنایہ اور دیگر شراح نے نقل کیا ہے کہ امام بخاری ابوحفص کبیر کے زمانے میں بخارا آئے، اور فتویٰ دینے لگے، امام ابوحفص الکبیر نے انھیں منع کیا، وہ نہ مانے، تا آنکہ ایک سوال آیا: دو بچوں نے ایک بکری یا ایک گائے کا دودھ پی لیا تو کیا حکم ہے؟ امام بخاری نے حرمت رضاعت کا فتویٰ دیا، اس پر لوگ برہم ہو گئے اور انھیں بخارا سے نکال دیا، اس واقعہ پر علامہ فرنگی محلی فرماتے ہیں: امام بخاری کی جلالت علمی اور دقت فہمی سے یہ بات بعید ہے، اور اگر واقعہ صحیح ہے تو انسان خطا کا پتلا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۶۱۷ و ۶۱۸، الفوائد البھیة ص ۲۵، کشف الظنون ۱/ ۸۳۸)

اقتباس: ۴۷

قال المقبلي –وهو زیدی–: ان البخاری لفرط تعصبه من الحنفية يأخذ الروايات من الرواة المجهولين ، ولا يأخذ من نحو محمد رحمه الله تعالیٰ ، وهذا الزیدی لما اشتغل بالحديث فترفی زیدیته. (فیض الباری ۲/ ۲۸۵)

مقبلی - جو کہ فرقہ زیدیہ سے تعلق رکھتے تھے- کہتے ہیں کہ بخاری حنفیہ سے شدت تعصب کی وجہ سے مجہول لوگوں سے بھی روایت لے لیتے ہیں، لیکن امام محمدؒ جیسے لوگوں سے نہیں لیتے ہیں، اور یہ زیدی (مقبلی) چونکہ فن حدیث میں مشغول ہو گئے، اس لئے ان کی زیدیت کمزور پڑ گئی۔

فائدة : اعلم أن المقبلي و ابراهيم الوزير كانا زیدیین، وكانا يُفَسِّقانِ بعض الصحابة رضى الله تعالیٰ عنهم ، لا مجموعهم ، وقد طعن المقبلی علی البخاری أيضاً. (فیض الباری ۴/ ۹۹)

جان لو کہ مقبلی اور ابراہیم الوزیر یہ دونوں فرقہ زیدیہ سے تعلق رکھتے تھے، اور یہ دونوں بعض صحابہ کی تفسیق کرتے تھے نہ کہ تمام کی، مقبلی نے بخاری پر بھی نقد کیا ہے۔

فـائـدة : كتب المقبلي ان الناس سلكوا فى الـحـنـفية مسلك التعصب، والمقبلي عالم جيد من علماء اليمن. (فیض الباری ۱/ ۴۹۵)

مقبلی نے لکھا ہے: لوگوں نے حنفیہ کے ساتھ تعصب برتا ہے، مقبلی پایہ کے یمنی عالم ہیں۔

مقبلی

نام ونسب: صالح بن مہدی بن علی بن عبداللہ بن سلیمان بن محمد بن عبداللہ بن سلیمان بن اسعد بن منصور مقبلی ثم صنعانی ثم مکی، صنعاء یمن سے شمال مغرب میں کوکبان کے ایک گاؤں "مقبل" میں ۱۰۴۷ھ میں پیدا ہوئے، بڑے ذہین و ذکی واقع ہوئے تھے، فصاحت وطلاقت میں بے مثال تھے، تقلید کے رد پر کافی زور صرف کیا، مناظرے کئے، بلکہ کسی بھی فن میں وہ تقلید نہیں کرتے تھے، فرقۂ زیدیہ کے امام تھے، بعد میں مکہ مکرمہ منتقل ہوگئے، صوفیہ ومحدثین کے غلو کے نقد میں خود غلو کر گئے، کشف کے منکر تھے، ۱۱۰۸ھ مکہ مکرمہ میں انتقال ہوا۔

ان کی تصانیف میں: **العلم الشامخ فی منع تقليد الآباء والمشائخ ، الاتحاف لطلبة الكشاف، الأرواح النوافخ، الأبحاث المسددة۔**

(البدر الطالع ج ۱/ص ۲۸۸ و ۲۹۲، فوائد الارتحال للحموی ترجمۃ المبقلی ملحقہ العلم الشامخ ۴۷۴ تا ۴۷۶، الاعلام زرکلی ۳/ ۱۹۷)

محمد بن ابراہیم (ابن الوزیر)

ان کا نام محمد بن ابراہیم بن علی بن مرتضیٰ بن مفضل بن منصور ہے، حسنی سادات میں سے ہیں، یمنی، صنعانی، ابن الوزیر کے نام سے معروف ہیں، یمن میں ۷۷۵ھ میں ولادت ہوئی، علوم عقلیہ ونقلیہ میں ماہر تھے، مجتہدانہ شان رکھتے تھے، تقلید سے سخت بیزار تھے، اس پہلو سے علامہ شوکانی نے ان کی خوب مدح وستائش کی ہے، ان کے بھائی ہادی ابن ابراہیم پکے زیدی تھے، ابن الوزیر بھی اول عمر میں زیدیت سے متاثر تھے، بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ بعد میں کچھ کمی آگئی تھی، ان کی وفات ۲۷ر محرم ۸۴۰ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں ہوئی۔

ان کی متعدد تصانیف ہیں: **العواصم والقواصم فی الذب عن سنة أبی القاسم** (یہ کتاب ان کی تصنیفات میں سب سے جامع وعمدہ ہے)، **البرهان القاطع، ایثار الحق علی الخلق، الحسام المشهور، الروض الباسم فی الذب عن سنة أبی القاسم، قبول البشریٰ فی التیسیر للیسریٰ، القواعد، التفسیر النبوی۔**

(البدر الطالع ۲/۸۱تا۹۳، قاضی اسماعیل الاکوع ود.ابراہیم الوزیر ملحقہ العواصم والقواصم ۱/ ۹تا۱۱۹)

اقتباس:۴۸

التجـريـدفى ستة مجلدات ، صنفها القدوری، وهو من القرن الرابع من معاصرى أبى حامد، وقد أقر بـجـلالة قـدره المحدثون، حتى أن الحافظ ابن تيمية ايـضـاً يـعتـمـد بـنـقـلـه، وقد ذكر فى شأن أبى محمد الاسفرائينى الشافعى:" انه من الكبار ولولاذلک لما اثـنـىٰ عـليه القدورى" فدل على كون القدورى أكبر فى عينيه أيضاً .(فیض الباری۲/ ۳۴۹)

التجرید چھ جلدوں میں ہے،علامہ قدوری کی تصنیف ہے، علامہ قدوری چوتھی صدی ہجری کے ہیں ،امام ابو حامد کے معاصرین میں سے ہیں،آپ کی جلالت شان کے محدثین بھی قائل تھے، یہاں تک کہ علامہ ابن تیمیہ بھی آپ کی نقل پر اعتماد کیا کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے ابومحمد اسفرائنی شافعی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ" وہ کبار علماء میں سے تھے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو قدوری ان کی تعریف نہ کرتے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کی نگاہوں میں بھی علامہ قدوری کا مقام بہت بلند ہے۔

☆☆☆☆☆

امام قدوری

احمد بن محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان، ابوالحسین کنیت، بغدادی، قدوری۔

قدوری کی نسبت کے بارے میں کوئی تحقیقی بات تذکرہ نگاروں نے نہیں لکھی، ابن خلکان اور ابن قطلو بغا لکھتے ہیں: اس نسبت کی وجہ معلوم نہیں، بعد والوں نے قدور- ہانڈی فروشی- کی طرف اور ایک گاؤں کی طرف نسبت کہا ہے، مگر اولاً تو تردیداً کہا ہے، ثانیاً اس پر کوئی دلیل وقرینہ وغیرہ بھی نہیں۔

ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ جرجانی سے فقہ پڑھی، عبیداللہ حوشبی اور محمد بن علی بن سوید المودب سے حدیث حاصل کی، بغداد میں احناف کے مرجع وامام تھے۔

ابوبکر خطیب بغدادی نے ان سے کچھ احادیث سنی ہیں، وہ کہتے ہیں: اپنے ذکاء وذہانت سے فقہ میں کمال حاصل کیا، عراق میں احناف کی امامت کی سہرا انھیں کے سر ہے، اہل عراق ان کا بے انتہاء ادب واحترام کرتے تھے، انھیں بڑی وجاہت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا، تحریر کے ماہر، زبان کے جری اور تلاوت کے دلدادہ تھے، اور صدوق تھے۔

خطیب بغدادی کہتے ہیں: میں نے ابوبشر محمد بن عمر الوکیل اور قاضی ابوالقاسم تنوخی سے سنا کہ قدوری کی سن ولادت ۳۶۲ھ ہے۔

علامہ فرنگی محلی نے ان کا فقہی سلسلۂ اسناد اس طرح نقل کیا ہے: قدوری نے ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ جرجانی سے، انھوں نے احمد جصاص سے، انھوں نے امام کرخی سے، انھوں نے ابوسعید بردعی سے، انھوں نے موسیٰ رازی سے اور

انھوں نے امام محمد بن حسن شیبانی سے علم حاصل کیا۔

امام ابوحامد اسفرائینی سے فقہی مسائل پر ان کے مذاکرے ومناظرے ہوا کرتے تھے، امام قدوری ان کی بڑی قدر کرتے تھے، اور ان کی علمی امامت کے قائل تھے، یہاں تک کہتے تھے کہ ابوحامد امام شافعی سے زیادہ علم رکھتے ہیں، حالانکہ شافعیہ اس قول سے راضی نہیں، وہ اسے مسلکی تعصب کہتے ہیں۔

۵/رجب ۴۲۸ھ کو ۶۶ سال کی عمر میں بغداد میں وفات ہوئی، اولاً گھر سے قریب درب ابی خلف میں تدفین ہوئی، بعد میں شارع منصور پر ابوبکر خوارمی حنفی کے پہلو میں منتقل کر دیے گئے۔

ان کی چند تصانیف یہ ہیں: (۱) المختصر فی فروع الحنفیہ یا الکتاب (مختصر القدوری)، (۲) التجرید - یہ ۷ مجلد پر مشتمل ہے، جس میں امام شافعی اور ائمہ احناف کے اختلافات تحریر ہیں، اس کا املاء ۴۰۵ھ میں شروع کیا تھا۔ (۳) التقریب - اس میں امام صاحب اور صاحبین کے اختلافات کو بغیر دلائل تحریر کیا، (۴) التقریب - اسی نام سے دوسری کتاب لکھی جس میں امام صاحب اور صاحبین کے اختلافات کو دلائل کے ساتھ تحریر کیا، (۵) جزء حدیثی (اس جزء کا عنوان درج نہیں)۔

(تاریخ بغداد/ ۷ ۳۱ و ۳۲، وفیات الاعیان ۱/ ۷۹، سیر اعلام النبلاء ۱۷/ ۵۷۴، تاج التراجم ۱/ ۹۸، الفوائد البھیہ اتحاد، ص ۴۰)

''التجرید'' بھی امام قدوری کا ایک بڑا علمی شاہکار ہے، جو فقہی تقابلی

مطالعہ کی خشت اول ہے، اس کی چند اہم خصوصیات ہیں:

(۱) دو مذاہب میں عموماً اور حنفیہ وشافعیہ میں خصوصاً تقابلی مطالعہ پر ایک بہترین دائرۃ المعارف اور انسائیکلو پیڈیا ہے، (۲) اس کتاب میں صرف احناف ہی نہیں بلکہ شوافع کے دلائل بھی بسط وتفصیل سے شامل کئے ہیں، (۳) تجرید میں ایسے بہت سے فقہی نصوص بھی شامل ہیں جو باوجود کثرت مصادر دوسری کتب میں نہیں ملتیں، (۴) قدوری کا دوروہ ہے جس میں مختلف فقہی مذاہب کا تعصب شباب پر تھا، اچھے خاصے لوگ اس میں مبتلا تھے، اس کے باوجود انھوں نے امام شافعی اور ان کے اصحاب کے درمیان تذکرہ ادب واحترام کے ساتھ کیا، (۵) تجرید ان لوگوں کے لئے منھ توڑ جواب ہے جو کہتے ہیں کہ فقہ حنفی نصوص کے خلاف، آراء وقیاس پر مبنی ہے، امام قدوری نے کتاب وسنت سے دلائل بہت کثرت سے بیان کئے ہیں، (۶) اس سے خود امام قدوری کی فقہی صلابت وامامت اور ذہنی نفوذ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب انھوں نے ۴۲ سال کی عمر میں تحریر کی تھی، (۷) مغلق وپیچیدہ تراکیب وتعبیرات سے گریز کرکے سہل وآسان عبارات کو اختیار کیا ہے۔

مولانا فرنگی محلی نے ''الفوائد البھیہ'' میں جو یہ لکھا کہ التجرید دلائل پر مشتمل نہیں، یہ درست نہیں، کیونکہ کتاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بہ کثرت دلائل دئے گئے ہیں، ممکن ہے انھیں تجرید دیکھنے کا موقع نہ ملا ہو یا نام سے یہ تاثر قائم کیا ہو۔

تجرید کا تکملہ ابوبکر عبدالرحمٰن بن محمد السرخسی (م ۴۳۶) نے لکھا ہے، جو امام قدوری کے شاگرد ہیں۔

''التفرید'' کے نام سے تجرید کا اختصار علامہ جمال الدین محمود ابن احمد قونوی نے کیا ہے۔ (مقدمۃ التحقیق التجرید دارالسلام ۲۵و۲۶)

ابوحامد اسفرائینی

احمد بن ابوطاہر محمد بن احمد، شافعی، اسفرائینی، اسفراین: خراسان کا ایک شہر ہے، نیشاپور اور جرجان کے درمیان میں واقع ہے، ان کی کنیت ابوحامد ہی ہے، فیض الباری میں ابومحمد کاتب یا جامع کا سہو ہے۔

ابوبکر خطیب بغدادی احمد منکدری سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے ابوحامد کو کہتے سنا: میری ولادت ۳۴۴ھ میں ہوئی، اور بغداد ۳۶۴ھ میں آیا۔

نوجوانی میں بغداد تشریف لائے اور وہاں کے اکابر علماء سے استفادہ کیا، اور ایسا کمال حاصل کیا کہ خود وہاں کے امام ہوگئے، خراسان میں اپنے وقت کے امام کہلائے، علماء وعوام، امراء وسلاطین کے یہاں یکساں وجاہت ومحبوبیت تھی، بچپن میں کسی جگہ دربانی اختیار کی، رات کو مشعل میں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔

ابوالحسن بن مرزبان اور ابوالقاسم دارکی سے علم حاصل کیا، عبداللہ بن عدی، ابوبکر بن اسماعیل، ابوالحسن دارقطنی، ابراہیم بن محمد بن عبد اسفرائینی سے حدیث سنی۔

ابوبکر خطیب بغدادی کہتے ہیں: میں نے متعدد مرتبہ انھیں دیکھا ہے، مسجد

عبداللہ بن مبارک میں ان کے درس میں بھی حاضری دی ہے، میں نے ان کے درس کے بعض حاضرین سے سنا کہ ان کے درس میں سات سو طالبینِ فقہ تک حاضری دیا کرتے تھے،لوگ کہتے ہیں: اگر امام شافعی انھیں دیکھتے تو بہت خوش ہوتے۔

۳۶۴ھ میں بغداد آئے، ۳۷۰ھ سے وہیں درس دینا شروع کیا، اخیر عمر تک یہیں اس شغل میں رہے۔

ابوعبداللہ صیمری حنفی کہتے ہیں: میں نے ابوحامد اسفرائینی جیسا باریک بیں فقیہ نہیں دیکھا۔

ورع و زہد کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹا، تمام اوقات تدریس علوم، مناظرے و مذاکرے میں صرف فرماتے، مناظرے میں کسی سے زبانی زیادتی ہوجاتی تو لجاجت سے معافی مانگتے، ایک دفعہ بادشاہ نے ان کے خلاف کچھ لکھ کر بھیجا تو بادشاہ کو جواب لکھا: تم مجھے اس عہدہ سے معزول نہیں کر سکتے جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اور میں دو یا تین کلمات لکھ کر اہل خراسان کو بھیج کر تم کو معزول کرا سکتا ہوں۔

۳۹۸ھ میں شیعوں کا ایک بہت بڑا فتنہ انھیں کی بدولت فرو ہوا، شیعوں نے ایک مصحف عام کیا اور کہنا شروع کر دیا کہ یہ مصحف ابن مسعود ہے، جو موجودہ قرآن کے بالکل خلاف تھا، جس کی وجہ سے شیعہ اور سنیوں کے درمیان بڑا فتنہ و فساد ہوا، ہر دو فریق کے لوگ مارے گئے، صلح کی مجلس میں دونوں طرف کے علماء

واکابر موجود تھے، شیخ ابو حامد کو بلوایا گیا، انھوں نے اس مبینہ مصحف کو جلانے کا حکم دیا اور وہیں سب کے سامنے جلا دیا گیا، اس سے وہ فتنہ تو ٹھنڈا ہو گیا، لیکن شیعہ شیخ ابو حامد پر بھڑک اٹھے اور ان کے گھر پر دھاوا بول دیا، لیکن انھوں نے بادشاہ کے یہاں جا کر پناہ لی، پھر بادشاہ نے فتنہ کو ٹھنڈا کیا۔

امام ابوالحسین قدوری موصوف کے بڑے مداح تھے، ان کے علم وفضل اور شخصیت کے قائل تھے، بلند کلمات ان کے حق میں کہا کرتے تھے، کہتے تھے میں نے ابو حامد جیسا شافعی فقیہ کسی کو نہیں پایا اور یہاں تک بھی کہا کہ: ابو حامد امام شافعی سے بڑے فقیہ اور دقیق النظر ہیں، لیکن شوافع اس بات سے راضی نہیں، اور اسے مسلکی تعصب کہتے ہیں۔

علماء وقت ان کے علم وفقہ کی امامت وجودت پر اتفاق کرتے ہیں سبکی نے لکھا ہے کہ ایک جماعت انھیں اپنے وقت کا مجدد بھی کہتی ہے۔

وفات سے پہلے کہنے لگے: بڑھاپے میں جا کر کہیں آدمی فقیہ بنتا ہے، ادھر موت منھ کھولے کھڑی ہوتی ہے۔

شوال ۴۰۶ھ میں وفات پائی، خطیب بغدادی کہتے ہیں: میں ان کے جنازہ وتدفین میں شریک رہا، گھر ہی میں تدفین ہوئی، ۴۱۰ھ میں عام قبرستان میں منتقل کر دیے گئے۔

ان کی چند تصنیفات یہ ہیں: (۱) **تعلیقات علی مختصر المزنی**، (۲) **کتاب البستان**، (۳) **التعلیقة الکبری**۔

(تاریخ بغداد ۶/ ۲۰ تا ۲۲، طبقات سبکی ۴/ ۶۱ تا ۶۵، وفیات الاعیان ۱/ ۷۲)

اقتباس:۴۹

قولہ:قال:عبدالرزاق ، وهو صاحب المصنف بالفتح ، اعلم ان التصانيف الى زمن أحمد كانت فيها الآثار والمرفوعات مختلطة ثم فصل أحمد بين المرفوعات والآثار ودون المرفوعات فقط، واول من جرد الفقه عن الحديث محمد بن الحسن وهو السر لعدم رضاء المحدثين من الحنفية.

(فیض الباری ۲/۳۶۳)

عبدالرزاق یہ وہی ہیں جنھوں نے ''مصنَّف'' کی تألیف کی ہے، جان لو کہ امام احمدؒ کے زمانہ تک تصنیفات میں آثار اور مرفوع روایات ایک ساتھ ذکر کی جاتی تھیں، پھر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعات اور آثار کو علیحدہ کیا اور صرف مرفوعات کی تدوین کی ،اور سب سے پہلے جس نے فقہ کو حدیث سے علیحدہ کر کے مدون کیا وہ محمد بن حسن شیبانیؒ ہیں اور احناف سے محدثین کی عدم رضامندی کا راز یہی ہے۔

☆☆☆☆☆

عبدالرزاق صنعانی

عبدالرزاق بن ہمام بن نافع ولاء حمیری، صنعانی، یمنی، کنیت ابوبکر ہے، ان کی ولادت ۱۲۶ھ میں ہوئی کبار محدثین میں ان کا شمار ہے، ان کے اساتذہ و تلامذہ دونوں کی فہرست جہابذہ محدثین سے پُر ہے، ابوسعدان ابن السمعانی کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حدیث کے لئے سب سے زیادہ سفر عبدالرزاق کے لئے کیا گیا۔

ان کے اساتذہ میں: والد ہمام، معمر بن راشد، ابن جریج، ثور بن یزید، اوزاعی، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، مالک، اسرائیل بن یونس، اور ان کے طبقہ کے محدثین ہیں۔

ان کے تلامذہ میں: سفیان بن عیینہ (جو استاذ بھی ہیں)، ذہلی، وکیع، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، اسحٰق بن راھویہ، اور بہت سے کبار محدثین ہیں۔

تشیع و تفضیل کے بھی کچھ اثرات تھے، لیکن غالی بالکل نہ تھے، اس لئے ان کی احادیث کو محدثین نے بلا تامل قبول کیا، اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور حافظہ بھی متغیر ہو گیا تھا، البتہ اس کی وجہ سے اخیر عمر کی احادیث کو محدثین قبول نہیں کرتے۔

احمد بن ازہر عبدالرزاق سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں شیخینؓ کو حضرت علیؓ پر اس لئے فضیلت دیتا ہوں کیونکہ انھوں نے خود شیخین کو اپنے سے افضل کہا ہے، اگر وہ ایسا نہ کہتے تو میں بھی نہ کہتا، ورنہ عجیب ہوگا کہ میں علیؓ سے محبت کروں اور انھیں کا کہا نہ مانوں۔

علامہ عینی نے دعویٰ کیا ہے کہ عبدالرزاق نے امام ابوحنیفہؒ سے بھی ملاقات وروایت کی ہے۔ واللہ اعلم

ان کی وفات ۱۵ شوال ۲۱۱ھ کو یمن میں ہوئی۔

المصنّف ان کی کتاب احادیث وآثار کا جامع ترین مجموعہ ہے۔

(وفیات الاعیان ۳/۲۱۶، طبقات ابن سعد ۶/۴۷، طبقات الحنابلہ ۱/۲۰۹، ذرات الذہب ۲/۲۷، تاریخ الاسلام ذہبی ۵/۴۷۳، مغانی الاخیار فی شرح اسامی رجال معانی الآثار ۲/۲۲۲ علمیہ)

اقتباس: ۵۰

فـائـدة: واعـلـم أن مـحـمد بن نصر ، محمد بن منـذر ومحمد بن خزيمة ومحمد بن جرير يقال لهم الـمـحـمدون الأربعة، قيل انهم كانوا في أول أمرهم على مذهب الشافعية ثم صاروا مستقلين بالاجتهاد.

(فیض الباری ۲/ ۳۷۵)

جان لو کہ محمد بن نصر، محمد بن منذر، محمد بن خزیمہ اور محمد بن جریر کو المحمد ون الأ ربعہ (چار محمد) کہا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ پہلے شافعی المسلک تھے پھر یہ لوگ بذات خود مجتہد ہو گئے۔

☆☆☆☆☆

المحمدون الأربعة

علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں ابن المنذر کے حالات کے تحت لکھا ہے:

میں کہتا ہوں: ''الـمـحـمـدون الأربـعة ''(یعنی چار محمد) سے مراد ہمارے فقہاء میں سے محمد بن نصر، محمد بن جریر، محمد بن خزیمہ اور محمد بن المنذر رہیں، یہ سب اجتہاد مطلق کے مقام کو پہنچ گئے اور اس چیز نے انھیں ان اصحاب شافعی

سے خارج نہیں کیا جو امام شافعی کے اصول پر مسائل کی تخریج کرتے ہیں، ان کے مذہب کو اختیار کرتے ہیں، کیونکہ ان کا اجتہاد امام شافعی کے اجتہاد کے موافق ہے، بلکہ ان کے بعد کے ہمارے چند شافعی فقہاء مثلاً شیخ ابوعلی وغیرہ نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کی رائے امام شافعی کی رائے کے موافق ہوگئی، اس لئے انھوں نے امام شافعی کی پیروی کی اور ان کی طرف منسوب کئے گئے، نہ یہ کہ وہ امام شافعی کے مقلد ہیں، تو ان چاروں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، ان چاروں نے اگرچہ بہت سے مسائل میں امام شافعی سے اختلاف کیا ہے، لیکن اکثر مسائل میں اختلاف نہیں کیا، اس بات کو جان لو اور یاد رکھو کہ یہ چاروں حضرات شافعیہ کی جماعت میں شامل ہیں، اکثر و بیشتر امام شافعی کے اصول پر مسائل کی تخریج کرتے ہیں، انھیں کے مذہب پر قائم ہیں۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للسبکی ۳/۱۰۲و۱۰۳)

محمد بن نصر مروزی

ابوعبداللہ محمد بن نصر مروزی، حدیث وفقہ کے امام ہیں، ابوالعباس محمد بن عثمان سمرقندی مروزی سے نقل کرتے ہیں: میں ۲۰۲ھ میں پیدا ہوا، امام شافعی کی وفات ۲۰۴ھ کی ہے تب میں دو سال کا تھا، میرے والد مروزی تھے، میں پیدا بغداد میں ہوا، پرورش نیشاپور میں ہوئی، اس وقت سمرقند میں ہوں، آگے اللہ مالک ہے۔

اپنے وقت کے بلانزاع امام الحدیث تھے، رے، بغداد، بصرہ، کوفہ، حجاز، شام، مصر کے تعلیمی اسفار کئے، مصر میں علماء شافعیہ سے فقہ پڑھی، ان کے استاذِ فقہ محمد بن عبداللہ مصری کہتے ہیں: وہ ہمارے درمیان تو امام ہیں، پھر خراسان کے کیوں نہ ہوں۔

ابو محمد ثقفی اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں: میں مروزی کے پاس چار سال مقیم رہا، اس لمبی مدت میں کبھی ان سے علمی گفتگو کے سوا کچھ نہ سنا، حسن عبادت میں مشہور تھے، نماز کی حالت میں کیڑا کاٹنے سے خون جاری ہو جاتا، لیکن بدن میں کوئی حس و حرکت نہ ہوتی، امراء کے دیئے ہوئے لاکھوں دینار اللہ کے راستے میں خرچ فرما دیتے، مال جمع کرنے کے سوال پر فرمایا: میری ذات کا سالانہ خرچ بیس درہم ہے، سمرقند میں ۲۹۴ھ میں وفات پائی۔

آسنوی کہتے ہیں: خراسان کے چار بڑے شہر ہیں،: نیشاپور، ہرات، بلخ اور مرو، ان میں سب سے بڑا مرو ہے، مروزی نسبت اسی کی طرف ہے، ''مروالروز'' ایک نہر کا نام ہے، مروزی اس کی طرف نسبت نہیں، جیسا کہ بعض کو شبہ ہوا ہے، اس کی طرف نسبت میں ''مروروزی'' کہتے ہیں۔

سوانح نگاروں نے انھیں کثیر التصانیف کہا ہے، لیکن چند ہی تصانیف کے نام درج کئے ہیں:

(۱) القسامة، (۲) المسند (۳) کتاب ماخالف به أبو حنيفة

علیا و ابن مسعود ،(۴)قیام اللیل (۵)قیام رمضان (٦) الوتر ،ان تینوں کتابوں کوجمع کر کے مقریزی نے ایک کتاب کر دیا ہے۔

(تاریخ بغداد۴/ ۵۰۹ تا۵۱۱،شذرات الذھب۲/ ۲۱٦و۲۱۷،اعلام۷/ ۱۲۵،تاریخ اسلام ذہبی٦/ ۱۰۴۵)

ابن المنذر

نام: محمد بن ابراہیم المنذر، ابوبکر، نیشاپوری، حافظ الحدیث، امام الائمہ، احد الاعلام، شیخ الحرم المکی جیسے القابات سے انھیں یاد کیا جاتا ہے، علم وفضل، اتقان حدیث و تفنن، معرفت حدیث اور اختلاف العلماء میں آپ کا مرتبہ علماء و محدثین کے نزدیک مسلم ہے، علوم وتصانیف میں بے نظیر شخصیت ہیں۔

سن ولادت معلوم نہیں، ذہبی کہتے ہیں ان کی ولادت امام احمد بن حنبل کی وفات کے قریب کی ہے، امام احمد کی وفات ۲٦۵ ھ میں ہوئی۔

مجتہد مطلق ہیں، لیکن ان کا شمار فقہاء شافعیہ میں ہوتا ہے، لیکن دونوں میں منافات نہیں، جیسے صاحبین مجتہد مطلق ہیں، حنفی بھی ہیں، مجتہد ہیں، اس لئے دلیل کی پیروی کرتے ہیں، اور بہت سے اقوال میں اصول شوافع سے خروج کیا ہے۔

نیشاپور کے رہنے والے ہیں، مکہ مکرمہ جا کر مقیم ہو گئے تھے، علمی امامت کے ساتھ حرم مکی میں بھی امامت کا شرف رہا۔

ابواسحاق شیرازی نے ان کی تاریخ وفات ۳۰۹ھ یا ۳۱۰ھ بتائی ہے، لیکن امام ذہبی کہتے ہیں: یہ غلط فہمی ہے، کیونکہ ابن عمار نے ابن المنذر سے ۳۱۶ھ میں ملاقات کی ہے، امام ابوالحسن بن قطان الفاسی نے ان کی وفات ۳۱۸ھ ذکر کی ہے۔اھ

سبکی کہتے ہیں: اسی پر ہمیں اعتماد ہے، دیگر سوانح نگاروں نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

حدیث میں عادل وصادق ہیں، کسی نے ان پر جرح نہیں کی ہے، لیکن مسلمہ بن قاسم اندلسی نے عقیلی کے حوالہ سے ان پر جرح کی ہے کہ یہ حدیث میں اچھے نہیں، ربیع بن سلیمان کے حوالہ سے امام شافعی سے نقل کرتے ہیں جب کہ ربیع سے یہ ملے ہی نہیں، اور ائمہ متبوعین کی جانب ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو ان سے منقول نہیں، امام ذہبی مسلمہ کے قول سے راضی نہیں، اور عقیلی کی جرح کو معاصرت اور کلام الاقران پر محمول کرتے ہیں۔

ان کی چند تصانیف یہ ہیں: (۱) **كتاب الأوسط**، (۲) **كتاب الاشراف في اختلاف العلماء**، (۳) **كتاب الاجماع**، (۴) **التفسير**، (۵) **كتاب السنن والاجماع والاختلاف**۔

(میزان الاعتدال ۳/۲۵۰، سیر اعلام النبلاء ۱۴/ ۴۹۰تا۴۹۲، طبقات سبکی ۳/۱۰۲و۱۰۳، اعلام زرکلی ۵/۲۹۴، طبقات شافعیین ابن کثیر ۱/ ۲۱۷، تاریخ اسلام ذہبی ۷/۳۴۴، لسان المیزان ۶/۴۸۲)

ابن خزیمہ

ابوبکر، محمد بن اسحاق بن خزیمہ بن مغیرہ بن صالح بن بکر، سُلمی، نیشاپوری، شیخ الاسلام، امام الائمہ اور مجتہد مطلق ہیں، سبکی وذہبی نے سن ولادت ۲۲۳ھ لکھا ہے، اور صاحب شذرات نے ۲۲۲ھ لکھا ہے، جامع العلوم اور صاحب کمالات ہیں، ان کے علم وفضل، اتقان ومہارت کی مدح سرائی میں اکابر علماء اور محدثین رطب اللسان ہیں، خراسان میں اپنے وقت کے امام ہیں۔

اسحاق بن راھویہ اور محمد بن حمید رازی سے حدیث تو سنی، لیکن صغرسنی میں اس لئے ان احادیث کو بیان نہیں کرتے تھے، محمود بن غیلان، علی بن حجر، احمد بن منیع، ابوکریب، یونس بن عبدالاعلیٰ اور ان کے طبقہ کے لوگوں سے احادیث سنی، امام مزنی سے فقہ سیکھی، نیشاپور کے علاوہ رے، بغداد، بصرہ، کوفہ، شام، الجزیرہ، مصر اور واسط جاکر بھی استفادہ کیا۔

ان کے تلامذہ میں کبار محدثین شامل ہیں، بخاری ومسلم نے ان سے حدیث سنیں، لیکن صحیحین میں نہیں لیا۔ کسی نے پوچھا کہ آپ کو یہ علوم کیسے حاصل ہوئے؟ فرمایا: حدیث میں ہے: آب زمزم اس مقصد میں مفید ہے جس نیت سے پیا جائے، میں نے جب زمزم پیا تو علم نافع کی دعا کی۔

ان کے استاذ ربیع بن سلیمان کہتے ہیں: ابن خزیمہ نے جتنا ہم سے سیکھا،

اس سے زیادہ ہم نے ان سے استفادہ کیا، ابن سریج کہتے ہیں: ابن خزیمہ احادیث سے حقائق و نکات ایسے نکالتے ہیں جیسے ماہر نقاش نقش تراشتا ہے، امام دارقطنی کہتے ہیں: آپ کی شخصیت عدیم المثال ہے، ابوعلی نیشاپوری کہتے ہیں: موصوف کو اپنی احادیث سے مستنبط مسائل ایسے از بر تھے جیسے قاری کو سورت یاد ہوتی ہے، محمد بن حبان کہتے ہیں: اسناد و متون کا حافظ میں نے ابن خزیمہ جیسا روئے زمین پر نہیں دیکھا۔

حاکم نے اپنی سند سے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بار امام مزنی کسی سے شبہ عمد کے مسئلہ میں مناظرہ کررہے تھے، ابن خزیمہ وہاں آپہنچے، مناظر نے ایک حدیث پر اشکال کیا تو ابن خزیمہ نے اس اشکال کا جواب دیا اور مزید احادیث پیش کردیں، مناظر نے مزنی سے پوچھا: تم مناظر ہو یا یہ؟ مزنی نے جواب دیا: جب حدیث کی بات آئے تو ابن خزیمہ ہمارے مناظر ہیں، وہ حدیث مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔

سخاوت اتنی تھی کہ کچھ بچا کر نہ رکھتے، اہل علم و طلبہ پر خرچ کردیتے، دنیا بیزاری کا یہ عالم تھا کہ ان کے پوتے محمد بن فضل بن محمد کہتے ہیں: وہ وزن کے بانٹ نہ جانتے تھے، دس اور بیس کے درمیان فرق نہ کرپاتے۔

اس کے باوجود ایک مرتبہ ایسی دعوت کی کہ بازار کی تمام کھانے پینے کی چیزیں اس دعوت میں لگ گئیں، یہ دعوت خارج شہر ایک باغ میں تھی، فقراء و

اغنیاء سبھی مدعو تھے۔

کچھ معتزلہ نے ان کے خلاف سازشیں کیں، اوران کا نام استعمال کرنے کا ایک پلان تیار کیا، ایک تحریر پر دھوکے سے دستخط لے لئے، لیکن کسی طرح یہ ترکیب ناکام ہوگئی۔

۲/ذوقعدہ ۳۱۱ھ کو ۸۹ سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔

حاکم کہتے ہیں: ابن خزیمہ کی تصانیف ۱۴۰ سے زائد ہیں، اورالگ الگ مسائل پر حدیثی اجزاء ۱۰۰ سے زیادہ ہیں، ''**فقہ حدیث بریرۃ**'' تین اجزاء میں ہے، صحیح ابن خزیمہ انھیں کی کتاب ہے۔

(طبقات کبریٰ سبکی ۳/۱۰۹ تا ۱۱۹، تذکرۃ الحفاظ ۲/۲۰۷ تا ۳۱۷، شذرات الذھب ۲/۲۶۲، تاریخ الاسلام ذہبی ۷/۲۴۳ تا ۲۴۶)

صحیح ابن خزیمہ

صحیح ابن خزیمہ ذخیرہ حدیث کی ان معتبر ترین کتابوں میں سے ہے جن کے مصنفین نے احادیث صحیحہ کو جمع کرنے کا قصد کیا ہے، اورایک حد تک کامیاب بھی ہوئے، ابن صلاح اور عراقی نے لکھا ہے: بخاری ومسلم کے علاوہ اگر احادیث صحیحہ تلاش کرنا ہے تو ان کتابوں کو دیکھا جائے جن میں صحت کا التزام ملحوظ رکھا گیا ہے، جیسے صحیح ابن خزیمہ۔

محدث وادی نیل احمد شاکر تحریر فرماتے ہیں: صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان

اور مستدرک حاکم وہ کتابیں ہیں جنھوں نے صحت کا کسی قدر التزام کیا ہے، نیز ان کتابوں کے درمیان درجات کی ترتیب بھی یہی ہے جو اتفاق سے زمانی ترتیب بھی ہے۔

سیوطی فرماتے ہیں: صحیح ابن خزیمہ کا درجہ صحیح ابن حبان سے اعلیٰ ہے، اس لئے کہ ابن خزیمہ بہت حساس ہو کر چھان پھٹک کر حدیث پر کوئی حکم لگاتے ہیں۔

ان باتوں کا یہ مطلب نہیں کہ صحیح ابن خزیمہ بخاری و مسلم کے درجہ کی صحیح ہیں، بلکہ اس میں حسن وضعیف بھی ہیں، لیکن اور کتابوں کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔

(مقدمۃ التحقیق صحیح ابن خزیمہ للشیخ مصطفیٰ الاعظمی ج۱/ص۱۹ تا ۲۲)

اقتباس:۵۱

کما فی القنیة وقال المخدوم هاشم ان تفرد اته غیر مقبولة لانه معتزلی الاعتقاد وان کان حنفی المذهب وقداستمد فی کتابه نحو خمسة عشر کتابا من کتب المعتزلة.(فیض الباری۲/ ۳۹۸)

جیسا کہ قنیہ میں ہے، مخدوم محمد ہاشمؒ کہتے ہیں کہ ان کے تفردات نا قابل قبول ہیں کیونکہ اگر چہ وہ مسلکا حنفی تھے لیکن وہ عقیدۃً معتزلی تھے اور انھوں نے اپنی کتاب میں معتزلہ کی تقریبا پندرہ کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

مختار بن محمود زاہدی صاحب قنیۃ

نام مختار بن محمود بن محمد، زاہدی، غزمینی، ابوالرجاء کنیت اور نجم الدین لقب ہے، غزمینی خوارزم کے ایک قصبہ کی طرف نسبت ہے، تاریخ ولادت سے سوانح نگار خاموش ہیں۔

قراءت علامہ رشید الدین یوسف بن محمد خوارزمی سے، فقہ علاء الدین سدید خیاطی محتسب، فخر الائمہ صاحب المحیط، برہان الائمہ محمد بن عبدالکریم رکنی

ترکمانستانی اور احمد بن موید مکی خوارزمی سے، حدیث ابو جناب احمد بن عمر خیوقی سے کلام ابو یوسف سکاکی سے اور ادب شرف الافاضل چغمینی سے حاصل کیا۔

بغداد سفر کیا، وہاں کے علماء سے مناظرے کئے، پھر روم کوچ کیا اور ایک عرصہ وہاں مقیم رہ کر تدریس کی خدمت انجام دی۔

خوارزم کے جرجانیہ میں ۶۵۸ھ میں وفات ہوئی، امام ذہبی کہتے ہیں: میں نے ان کی قبر کی زیارت کی ہے۔

ان کی چند تصانیف یہ ہیں:

(۱) شرح القدوری ،(۲)قنیة المنیة لتمیم الغنیة (اپنے استاذ بدیع قزوینی کی منیة الفقهاء کا خلاصہ لکھا ہے)(۳)الحاوی فی الفتاویٰ (۴)الرسالة الناصریة فی النبوة والمعجزات ،(۵)زاد الائمة فی فضائل خصیصة الامة ،(۶) المجتبیٰ فی اصول الفقه (۷)الصفوة فی اصول الفقه ،(۸)فضائل شهر رمضان (۹)الجامع فی الحیض ، (۱۰)کتاب الفرائض ،(۱۱) فضل التراویح۔

(تاریخ الاسلام ذہبی ۱۴/۹۰۱، تاج التراجم ۱/۲۹۵، الفوائد البهیه ۲۸۰، اعلام زرکلی ۷/۱۹۳، معجم المولفین ۱۲/۲۱۱، کشف الظنون ۲/۹۴۵ و ۱۳۵۷)

علامہ طحطاوی درمختار کے حاشیہ میں فرماتے ہیں: قنیہ میں جو لکھا ہے کہ- عاشوراء کو سرمہ لگانا منع ہے- نا قابل توجہ ہے، اس لئے کہ قنیہ مسلک

احناف میں معتبر کتابوں میں سے نہیں۔

کشف الظنون میں مولی برو کلی سے نقل کیا ہے کہ زاہدی عقیدہ میں معتزلی اور مسلک میں حنفی ہیں۔

علامہ شامی نے تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ کتاب الاجارہ میں کہا ہے: زاہدی کی ''الحاوی'' روایات ضعیفہ نقل کرنے میں مشہور ہے، اس لئے ابن وھبان نے کہا ہے: جس قول کو زاہدی تنہا نقل کریں، دوسروں کے خلاف اس کا اعتبار نہیں، ایک جگہ اور لکھا ہے: اسی لئے ابن وھبان کہتے ہیں: اگر زاہدی دوسروں کے خلاف کچھ کہتے ہیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

(النافع الکبیر فرنگی محلی ۱/ ۲۸، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۲/ ۴۶۰)

اقتباس:۵۲

و نقل العینی أن ابن دحیة المغربی – وھو من حفاظ الحدیث – أفتیٰ بقصر المغرب أیضاً ، و لم یذھب الیہ أحد وقد کشفت عن منشأ غلطہ فی رسالتی ”کشف الستر “ من أواخرھا ، و خلاصتہ : أن منشأہ ماروی عن أبی موسیٰ الأشعری کما فی الھامش أنہ سلم فی المغرب بین شفع المغرب ورکعتھا فأخرجہ الھیثمی فی سجود السھو و أشار الی أنہ سبق منہ التسلیم سھواً ، لا أنہ کان بناءً علی القصر فی المغرب ، وھذا ھو منشأ غلط ابن دحیة ، وھو کثیر الغرائب فاعلمہ. (فیض الباری۲/ ۳۹۸)

علامہ عینی نے نقل کیا ہے کہ ابن دحیہ مغربی – یہ حافظ حدیث ہیں – نے نماز مغرب میں بھی قصر کا فتویٰ دیا ہے، جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، میں نے اپنی کتاب ”کشف الستر“ میں اس غلطی کی بنیاد کو واضح کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت میں ہے کہ انھوں نے مغرب کی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیردیا، ہیثمی نے اسے باب سجود السھو میں نقل کرکے کہا ہے کہ انھوں نے سہواً سلام پھیردیا تھا، اس لئے نہیں کہ

مغرب کی نماز میں قصر کیا جاتا ہے، اور یہی ابن دحیہ کی غلطی کی بنیاد ہے، اور یہ بہت عجیب وغریب چیزیں لاتے ہیں، لہٰذا جان لو۔

☆☆☆☆☆

ابن دحیہ

عمر بن حسن بن علی بن محمد، ان کی کنیت ابوالخطاب ہے، ۵۴۴ھ میں ولادت ہوئی، اپنا نسب والد کی طرف سے صحابی رسول ابن دحیہ کلبی کی طرف اور والدہ کی طرف سے حضرت حسینؓ کی طرف منسوب کرتے تھے اور خود کو ''ذوالنسبین'' (دواعلیٰ نسب والا) لکھتے تھے، حفاظ حدیث اور مشاہیر علماء میں سے ہیں، نحو، لغت، ایام عرب، کے امام ہیں، شاعر ہیں، حدیث کے لئے بہت سے شہروں کا سفر کیا، مختلف علوم میں امامت وسیادت کا درجہ حاصل تھا، اس کے باوجود نقل حدیث میں متہم ہیں اور لایعنی چیزوں میں مبتلاء تھے۔

خود کو مسلم وترمذی کا حافظ کہتے تھے، کسی نے مسلم وترمذی کی پانچ پانچ صحیح حدیثیں اور پانچ موضوع احادیث ملا کر ان سے سوال کیا، تو جواب نہ بن پڑا، صحیح کو موضوع اور ضعیف کو صحیح کہنے لگے، مضامین چرا کر لکھا کرتے تھے، بادشاہ نے شرح حدیث لکھنے کی فرمائش کی، انھوں نے لکھ دی، بادشاہ نے چند دن بعد کہا کہ وہ نسخہ گم ہو گیا، دوبارہ لکھ دیں، دوبارہ نہ لکھ سکے۔

حافظ ضیاء مقدسی کہتے ہیں: ابن دحیہ مجھے ذرا بھی پسند نہیں، کیونکہ یہ ائمہ

اسلام کی برائیاں کیا کرتے ہیں، لوگ ان پر جرح کرتے تھے لیکن جب میں نے ان کو دیکھا تو سنی ہوئی جرحوں سے زیادہ ہی پایا۔

ذہبی ابن نجار کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ابن دحیہ حافظ الحدیث ہیں، نحو لغت کے امام ہیں، مذھبا ظاہری ہیں، اس کے علاوہ سلف کی برائیاں کرنے والے، بے وقوف، متکبر، بدزبان دین میں بے پرواہ تھے، سیاہ خضاب لگاتے تھے۔ اھ

بعض نے مالکی المذھب کہا ہے، ان مشائخ سے تلمذ کا دعویٰ کرتے تھے جن سے ملے ہی نہیں، انھیں عجیب وغریب احوال کے مدنظر علامہ کشمیری نے انھیں کثیر الغرائب کہا ہے۔

علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں متعدد جگہ ابن دحیہ کا حوالہ دیا ہے، مذکورہ بالا کلام "کتاب الکسوف، باب صلاۃ التطوع علی الدابة حیثما توجھت به" میں کیا ہے۔

وفات قاہرہ میں ۶۳۳ھ میں ہوئی۔

(وفیات الاعیان ۳/ ۴۴۸ تا ۴۵۰، میزان الاعتدال ۳/ ۱۸۶ تا ۱۸۹، حسن المحاضرہ ۱/ ۳۵۵، سیر اعلام النبلاء ۲۲/ ۳۸۹ تا ۳۹۵، اعلام زرکلی ۵/ ۴۴)

اقتباس:۵۳

واعلم أن أول من دون مذاهب الصحابةؓ الطحاوی فصنف کتابه اختلاف العلماء، ثم محمد بن نصر وابن جریروابن المنذر بعده ثم أبوعمروخامس خمسة، والناس بعدهم تبع لهم فی هذا الباب ولذا یعتمد علی الطحاوی فی هذاالباب مالایعتمد علی غیره. (فیض الباری۲/۴۰۱)

جان لو کہ جس نے سب سے پہلے صحابہ کے مسالک کو مدون کیا وہ امام طحاوی ہیں،انھوں نے اپنی کتاب ’’اختلاف العلماء‘‘ تصنیف فرمائی، پھر ان کے بعد محمد بن نصر ،ابن جریر اورابن منذر ہیں، پھر پانچویں نمبر پرابوعمرو ہیں،اس کے بعداس فن میں تمام لوگوں نے انھی حضرات کی اتباع کی ہے،اسی وجہ سے اس فن میں امام طحاوی پر جتنا اعتماد کیا جاتا ہے اتناکسی اور پر نہیں کیا جاتا۔

☆☆☆☆☆

اختلاف العلماء کی پہلی تصنیف

اختلاف العلماء کے موضوع پر جن چار حضرات کا ذکر فیض الباری میں کیا گیا ہے ان میں سے ابوعمرو ابن عبدالبر بلاشبہ امام طحاوی سے متاخر ہیں، باقی تین حضرات میں سے ابن المنذر طحاوی کے معاصر اور دو حضرات ان سے متقدم ہیں، جیسا کہ ذیل کے جدول سے ظاہر ہے:

نام	ولادت	وفات
طحاوی	۲۳۹	۳۲۱
ابن المنذر	۲۶۵ کے قریب	۳۱۸
محمد بن نصر	۲۰۲	۲۹۴
محمد بن جریر	۲۲۴	۳۱۰

اقتباس:۵۴

أبـو عبيـد هذا تلميذ محمدو معاصر لأحمدو ابن معين. (فیض الباری ۳/ ۴۷)

ابوعبید امام محمد کے شاگرد ہیں اور امام احمد اور ابن معین کے معاصر ہیں۔

☆☆☆☆☆

ابوعبید قاسم بن سلّام

ابوعبید کا نام قاسم بن سلّام ہے، خراسان کے شہر ''ہرات'' میں ۱۵۷ھ میں پیدائش ہوئی، ولاءً خزاعی ہیں، ان کے والد رومی تھے، ہرات میں ہی علوم کی تکمیل کی، مختلف علوم میں امامت کا درجہ حاصل تھا، حدیث، فقہ واختلاف العلماء، قراءت، لغت، ادب میں مرجع العلماء تھے۔

امام بخاری کے استاذ اسحٰق بن راہویہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ حق کہنے کو پسند کرتا ہے اور حق بات یہ ہے کہ ابوعبید مجھ سے بڑے فقیہ اور عالم ہیں، اور کہتے تھے کہ علوم میں وہ ہمارے محتاج نہیں، مگر ہم ان کے ضرور محتاج ہیں۔

عبداللہ بن طاہر کہتے ہیں: علماء اسلام چار ہیں، عبداللہ بن عباس اپنے زمانے میں، شعبی اپنے زمانے میں، قاسم بن معن اپنے زمانے میں، قاسم بن

سلام اپنے زمانے میں، جاحظ کہتا ہے کہ ان سے عمدہ اور کثیر الفوائد کتاب کسی نے نہیں لکھی، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: یہ ایسے شخص ہیں جن کے خیر وفضل میں یومیہ اضافہ ہوتا ہے، دار قطنی کہتے ہیں: ثقہ، امام اور پہاڑ ہیں، دار قطنی کہتے ہیں: ثقہ ہیں، عدل ہیں، پہاڑ ہیں، غرضیکہ علماء کبار ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

بغداد تشریف لے گئے تو اٹھارہ سال طرسوس کے قاضی رہے، کچھ عرصہ مصر میں قیام کیا، ان کے شاگردوں میں امام دارمی، ابن ابی الدنیا، محمد بن یحییٰ المروزی جیسے جہابذہ ہیں۔

تہذیب الکمال میں ہے کہ ۲۱۳ میں جب مصر آئے تو یحییٰ بن معین کے ساتھ تھے، سبکی نے صراحت کی ہے کہ امام شافعی سے انھوں نے پڑھا ہے، علامہ زاہد الکوثری نے بلوغ الامانی (ص ۹) میں ابوعبید قاسم بن سلام کو امام محمد کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔

ان کی چند تصانیف یہ ہیں:

الغريب المصنف، أجناس من كلام العرب، أدب القاضي، فضائل القرآن، الأمثال، الأموال، كتاب الناسخ والمنسوخ،

۲۲۴ھ کو مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۰/۴۹۰، وفیات الاعیان ۴/۶۰، طبقات کبریٰ ابن سعد ۷/۲۵۳، تہذیب الکمال ۲۳/ ۳۵۷، طبقات سبکی ۲/۱۵۳، اعلام زرکلی ۶/ ۱۷۶)

اقتباس:۵۵

وراجع الطحاوی فانه قد بسط الكلام فی المسألة بما لامزيد عليه ونقل القاضی عياض أنه صنف فی اثبات قِرانِه عليه الصلاة والسلام ألف ورقة وأرى أن للمالكية اعتناء بتصانيف الطحاوی أزيد من الحنفية.(فیض الباری۳/۶۹)

اس مسئلہ میں طحاوی کی طرف رجوع کیا جائے ، کیونکہ انھوں نے اس مسئلہ میں اتنے بسط سے کلام کیا ہے کہ اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں، اور قاضی عیاضؒ نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج حج قِران تھا ایک ہزار صفحات لکھے ہیں، میرا خیال ہے کہ امام طحاوی کی تصانیف کے ساتھ احناف سے زیادہ مالکیہ نے اعتناء کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

اقتباس:۵٦

ولفظ "هم" فارسی، وكان المصنف فارسياً وجرى على لسانه نحوه في مواضع من كتابه، كذلك اكثر المحدثين ، كانوا يعلمون الفارسية، كأبي داؤد السجستانی، وهو معرب شبستان، وما كتبه ابن خلكان فغلط، والترمذی وان كان من ماوراء النهر، لكن كان يعرف الفارسية، كذلك ابن ماجة، وعبدالله بن مبارك، وكان الشيخ العينی يعلم التركی ايضاً، ولم يكن الحافظ يعلمها.

(فیض الباری ۳/۱۱۲)

لفظ "ھم" فارسی لفظ ہے، مصنف علیہ الرحمۃ فارسی النسل تھے اور ان کی کتاب میں متعدد مقامات پر اس طرح کے الفاظ آگئے ہیں، اسی طرح اکثر محدثین فارسی استعمال کیا کرتے ہیں، جیسے ابوداؤد سجستانی، اور یہ سجستان شبستان کا معرب ہے، اور ابن خلکان نے جو لکھا ہے وہ درست نہیں ہے۔

اور ترمذی بھی اگرچہ ماوراء النہر سے تعلق رکھتے ہیں لیکن وہ بھی فارسی زبان سے واقف تھے، اسی طرح ابن ماجہ اور عبداللہ بن مبارک بھی فارسی جانتے تھے، علامہ عینی ترکی زبان بھی جانتے تھے، لیکن حافظ ابن حجرؒ اس سے واقف نہیں تھے۔

اقتباس: ۵۷

وهو واجب عندنا وفي قول :سنة، كما ان القدوم سنة في المشهور، وفي قول: واجب، كما في خزانة المفتيين، وهو معتبر ، أما خزانة الروايات، ولا اعتمد عليه وهو من تصانيف عالم من كجرات.

(فیض الباری ۳/۱۲۳)

یہ ہمارے نزدیک واجب ہے اور ایک قول سنت ہونے کا بھی ہے، جیسا کہ طواف قدوم مشہور قول کے مطابق سنت ہے اور ایک قول وجوب کا بھی ہے، جیسا کہ خزانۃ المفتیین میں مذکور ہے اور یہ کتاب معتبر ہے، جہاں تک خزانۃ الروایات کا تعلق ہے تو مجھے اس کتاب پر اعتماد نہیں ہے، وہ گجرات کے ایک عالم کی تصنیف کردہ ہے۔

☆☆☆☆☆

خزانۃ الروایات اور اس کے مصنف

خزانۃ الروایات کے مصنف قاضی جگن ہیں، یہ گجرات کے رہنے والے ہیں، فقیہ اور قاضی ہیں، ان کے چار بھائی تھے چاروں قاضی تھے، ۹۲۰ھ کے قریب ان کی وفات ہوئی، ان کے تفصیلی احوال سیر وتراجم کی کتابوں میں موجود نہیں۔

خزانۃ الروایات فروع حنفی میں لکھی گئی کتاب ہے، کتاب کا تذکرہ کشف الظنون میں موجود ہے، کشف الظنون میں لکھا ہے کہ مصنف نے کتاب میں لکھا ہے: میں نے اپنی عمر مسائل کو جمع کرنے اور نادر فقہی روایات کو اکٹھا کرنے میں صرف کردی۔

علامہ فرنگی محلی فرماتے ہیں: یہ کتاب ان غیر معتبر کتابوں میں ہے جن سے فتویٰ دینا جائز نہیں، اس لئے کہ یہ رطب و یابس سے بھری پڑی ہے، اس کے علاوہ اس میں موضوع، متضاد روایات و آثار بھی ہیں۔

معجم المؤلفین کے مصنف کو اشتباہ ہوا ہے کہ یہ کتاب خزانۃ الفتاویٰ ہے، حاشیہ پر "بروکلمان" کے حوالہ سے اس کی تصحیح بھی کی ہے، خزانۃ الفتاویٰ کے نام سے دو کتابیں ہیں؛ ایک احمد بن محمد بن ابوبکر الحنفی صاحب مجمع الفتاویٰ کی ہے، دوسری امام طاہر بن احمد بخاری حنفی سرخسی م ۵۴۲ھ کی ہے۔

خزانۃ الروایات اب تک مخطوطہ کی شکل میں ہے، شرمندہ طباعت نہ ہوسکی۔

(النافع الکبیر ۱/۱۲، کشف الظنون ۱/۴۶۱، نزہۃ الخواطر/ ۳۲۸، معجم المولفین ۸/ ۱۲۷)

خزانة المفتيين اوراس کے مصنف

خزانۃ المفتیین کے مصنف حسین بن محمد سمعانی ہیں، یہ کتاب انھوں نے حکیم الدین محمد بن علی ناموسی کے ایماء پر لکھی تھی، اس کتاب میں انھوں نے بیان اختلاف سے گریز کر کے متقدمین کے نصوص اور متاخرین کے اختیار و ترجیح کو ذکر کیا ہے، ہدایہ، نہایہ، خلاصۃ الفتاویٰ، ظہیر یہ وغیرہ کتابوں کے لئے علامات کا استعمال کیا ہے، اس کتاب سے فراغت ۷۴۰ھ میں ہوئی، مخطوطہ پر بخط کاتب سن وفات ۷۴۶ھ درج ہے۔

ان کے احوال بھی کم دستیاب ہیں، ان کی ایک اور کتاب الوافی شرح الکافی ہے، خزانۃ المفتیین بھی اب تک مخطوطہ ہے۔ (کشف الظنون ۱/ ۴۲۱)

اقتباس:۵۸

واعلم أن ابابكر المقرى، وأباعروبة الحرانى، وابن مظفر البغدادى، كلهم من تلامذة الطحاوى، أما أبوبكر فهو من أئمة الحديث، وقد جمع مسند أبى حنيفة ولايوجد، وكذلك أبوعروبة من الأئمة، وجمع مسند أبى يوسف، وابن المظفر وهو حافظ أيضاً، جمع مسند أبى حنيفة، ولا أريد أن هولاء كلهم حنفيون، بل أريد أن شغفهم بجمع مسند الامام الهمام من آثار تلمذهم على الحنفى، فأدوا حق تلمذهم وراعوه.(فیض الباری۳/ ۱۲۷)

جان لوکہ ابوبکر مقری، ابوعروبہ حرانی اور ابن مظفر بغدادی یہ سب کے سب امام طحاوی کے شاگرد تھے، ابوبکر تو ائمۂ حدیث میں سے ہیں انھوں نے مسند ابوحنیفہ کو جمع کیا، لیکن یہ کتاب پائی نہیں جاتی، اسی طرح ابوعروبہ بھی ائمۂ حدیث میں سے ہیں، اور انھوں نے ''مسند أبي یوسف'' کی تألیف کی، اور ابن مظفر بھی حافظ حدیث تھے، انھوں نے ''مسند أبي حنیفہ'' کو جمع کیا، اس سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ یہ سب کے سب حنفی تھے، بلکہ میری مراد صرف

یہ ہے کہ امام صاحب کی مسانید کو جمع کرنے کا یہ شوق ان کے ایک حنفی کے تلمذ ہی کا اثر ہے، چنانچہ انھوں نے اس حق شاگردی کی بھر پور رعایت کی بلکہ اس کا حق ادا کر دیا۔

☆☆☆☆☆

ابو بکر ابن المقری

محمد بن ابراہیم بن علی بن عاصم بن زاذان، کنیت ابو بکر ہے، ابو بکر ابن المقری اور ابن المقری کے نام سے معروف ہیں، اصبہان کے رہنے والے ہیں، وہیں، ۲۸۵ھ میں ولادت ہوئی، احادیث نبویہ کی جستجو اور طلب میں شام مصر، عراق، حجاز وغیرہ کے پچاس سے زائد شہروں اور قصبات کا سفر کیا، بڑے درجہ کے محدث اور حافظ الحدیث ہیں، ذہبی انھیں ''مُسند اصبہان'' کہتے ہیں، مشہور محدث ابونعیم ان کے شاگرد ہیں ان کے بارے میں کہتے ہین: ثقہ، امین اور صاحب مسانید ہیں۔

ایک مشہور واقعہ ہے ان کا کہ ابو بکر ابن المقری، امام طبرانی، اور ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر، یہ تینوں حضرات طلب حدیث کے لئے مدینہ منورہ گئے تھے، کھانے کو کچھ نہ تھا، کئی دن کے فاقے سے تھے، ابن المقری نے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر کہا: یارسول اللہ! الجوع (اے اللہ کے رسول! بھوک لگی ہے) واپس آئے تو طبرانی نے کہا بیٹھو! اب کھانا ہی آئے گا یا موت، اتنے میں

کوئی آیا دیکھا تو حاکم کا نمائندہ ہے ساتھ دو غلام ہیں جن کے ساتھ دو تھیلے ہیں، ان میں کھانے کا بہت سا سامان ہے، اس نے کہا تم لوگوں نے امیر کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، خواب میں انھوں نے حکم دیا کہ ان طلبۂ حدیث کی خبر لو۔

ابوعبداللہ مہدی کہتے ہیں: میں نے ابن المقری کو کہتے سنا: اصول میں میرا مذہب امام احمد بن حنبل اور ابوزرعہ کا مذہب ہے۔

اسماعیل بن عباد سے کسی نے پوچھا تم تو معتزلی ہو پھر بھی ابن المقری کی اتنی محبت و عظمت کیسے؟ اس نے کہا دو وجہوں سے ایک تو یہ کہ وہ میرے والد کے دوست ہیں، دوسرے اس لئے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: تم سو رہے ہو اور اللہ کے ولیوں میں ایک ولی تمہارے دروازے پر کھڑا ہے، میں گھبرا کر اٹھا، دیکھا تو ابن المقری دروازے پر ہیں۔

ذہبی نے تاریخ الاسلام اور سیر اعلام النبلاء میں اور ابن نقطہ الحنبلی نے **التقیید لمعرفة رواة السنن والمسانید** میں صراحت کی ہے کہ ابن المقری نے امام طحاوی سے حدیث پڑھی ہے، خصوصا شرح معانی الآثار سنی، اور اس کے فوائد کی تخریج بھی کی ہے۔

الفوائد، المعجم الکبیر، مسند ابی حنیفہ، کتاب الاربعین ان کی کتابیں ہیں۔

اصبہان میں ۲/شوال ۳۸۱ھ کو ان کی وفات ہوئی۔

(التقیید لابن نقطہ ۱/ ۲۷، الکتب العلمیہ، تاریخ دمشق ۵۱/ ۲۲۰ تا ۲۲۳، تاریخ اصبہان

۲/ ۲۶۷، تاریخ الاسلام ۸/ ۸۲۴، تذکرۃ الحفاظ ۳/ ۱۲۱، سیر اعلام النبلاء ۱۶/ ۳۹۸، اعلام زرکلی ۵/ ۲۹۵)

ابوعروبۃ الحرانی

حسین بن محمد بن ابی معشر مودود، ابوعروبہ، حرانی، جزری، سلمی ۲۲۰ھ کے بعد کی ولادت ہے، ۲۳۶ھ سے حدیث پڑھنا شروع کیا، اسماء الرجال کے امام ہیں، حدیث کے ماہر اور حافظ ہیں، ابن عدی کہتے ہیں: حدیث ورجال سے بخوبی واقف اور اہل حران کے مفتی ہیں، رجال کے بارے میں جب میں نے ان سے سوالات کئے تو مطمئن ہوا، ابواحمد حاکم "الکنی" میں کہتے ہیں: جن سے ہم نے ملاقات کی ان میں سب سے اثبت (سب سے زیادہ قابل اعتماد) ہیں، حفظ میں بہت عمدہ ہیں، حدیث، فقہ اور کلام میں مرجعیت حاصل ہے، ابوعروبہ امام طحاوی سے ۱۹ یا ۲۰ سال عمر میں بڑے ہیں، وفات بھی پہلے ہی ہوگئی، اس لحاظ سے یہ امام طحاوی سے ذرا متقدم ہوئے، گویا معاصر تو ہیں، لیکن تراجم میں ملاقات یا تلمذ کی صراحت نہیں ملی، مسند ابی یوسف کی روایت یا جمع کا ذکر بھی نہیں ملا۔

بعض لوگوں نے ان پر تشیع میں غلو کا الزام لگایا ہے، لیکن امام ذہبی فرماتے ہیں: شیخین سے محبت کرنے والا غالی نہیں ہوسکتا، ان کی وفات ۳۱۸ھ میں ہوئی، **الطبقات** اور **تاریخ الجزیرۃ** ان کی کتابیں ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۴/ ۵۱۰، تاریخ الاسلام ۷/ ۳۳۹، بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب ۶/ ۲۷۸۰، الوافی بالوفیات ۱۳/ ۲۸)

ابن المظفر بغدادی

محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ بن محمد، ابوالحسن کنیت ہے، ابن المظفر بغدادی کے نام سے مشہور ہیں، بغداد ہی میں ۲۸۶ھ میں ولادت ہوئی، کبھی اپنا نسب سلمہ بن اکوع صحابی تک پہنچاتے، کبھی لاعلمی ظاہر کرتے تھے، کوفہ، رقہ، حمص، حلب، اور دوسرے بہت سے شہروں کا حدیث کے لئے سفر کیا، دارقطنی کہتے ہیں: ثقہ ومامون ہیں، ابونعیم کہتے ہیں: حافظ الحدیث اور مامون ہیں، ابوالولید باجی کہتے ہیں: ان میں تشیع ہے، ابن ناصرالدین دمشقی شافعی کہتے ہیں: عراق کے محدث ہیں، حافظ، ثقہ، نبیل، مکثر الحدیث اور متقن ہیں، مائل بہ تشیع ہیں۔

تشیع معمولی ہونے کے سبب محدثین نے اسے قابل تسامح کہا ہے، دارقطنی ان کی بہت تعظیم کرتے تھے، ان کے سامنے ٹیک لگا کر نہ بیٹھتے تھے۔

ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں اور خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں صراحت کی ہے کہ یہ امام طحاوی کے شاگرد ہیں۔

ابن نقطہ حنبلی نے لکھا ہے: انھوں نے مسند ابی حنیفہ لکھی ہے، ابن تغری بردی کہتے ہیں: ان کی لکھی ہوئی مسند ابی حنیفہ ہم تک روایتاً پہنچی ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۶/ ۴۱۸ تا ۴۲۱، النجوم الزاھرہ ۴/ ۱۵۵، شذرات ۴/ ۴۲۰، تاریخ بغداد ۴/ ۴۲۸، التقیید لابن نقطہ ۱/ ۱۱۳، تذکرۃ الحفاظ ۳/ ۱۲۶، طبقات الحفاظ سیوطی ۱/ ۳۹۱)

اقتباس:۵۹

قلت: والأحاديث وردت بالنحوين، ثم ان التتابع فی الصوم ان يفطر بعد الغروب ويصوم متواليا، وأخطأ فی العالمكيرية حيث لم يفرق بين الوصال والتتابع وجعلهما واحدا وكذاوقعت أخطاء فی المسائل من باب الحظر والاباحة كثيراً نعم مسائلها فی المعاملات معتمد عليها، فاعلمه.

(فیض الباری ۳/ ۱۵۷)

میں کہتا ہوں: حدیثیں دونوں طرح کی آئی ہیں، روزہ میں تتابع کا مطلب یہ ہے کہ آدمی غروب کے بعد افطار کر لے اور مسلسل روزہ رکھے، فتاویٰ عالمگیریہ میں اس مسئلہ میں غلطی ہوگئی ہے، اس میں صوم وصال اور تتابع کے ساتھ روزہ رکھنے کے درمیان فرق نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان دونوں کو ایک ہی کر دیا گیا ہے، اسی طرح باب الحظر والاباحۃ کے بھی بہت سے مسائل میں فتاویٰ عالمگیری میں غلطی ہوگئی ہے، ہاں معاملات میں اس کے مسائل معتمد علیہ ہیں۔

☆☆☆☆☆

اقتباس:٦٠

واعلم ان تعسر الفرق عليهم بين الكناية والمجاز، لم يتنقح عند كثير منهم بعد ، وقد تعرض اليه الزمخشری تحت قوله تعالیٰ :"فيما عرضتم به من خطبة النساء"وهو احذق فی هذا الباب ولكن قل من ادركه.(فیض الباری۳/۱۹۱)

جان لو کہ کنایہ اور مجاز کے درمیان فرق کرنا لوگوں کے لئے بہت مشکل واقع ہوا ہے،ابھی تک یہ مسئلہ بہت سے لوگوں کے لئے واضح نہیں ہوسکا ،علامہ زمخشری نے اللہ تعالی کے ارشاد "فیما عرضتم به من خطبة النساء "کے ذیل میں اس بحث سے تعرض کیا ہے اور وہ اس باب میں سب سے زیادہ ماہر ہیں لیکن بہت کم لوگوں نے انھیں پہچانا ہے۔

☆☆☆☆☆

اقتباس:٦١

أماالترجيح لمذهبنا فمن اوجه:

الأول : انـه اتـفق اهل اللغة كافة على ان العرية مـن الـعـارية اسـم لهبة ثـمـار الـنـخيل، ووافقنا عليـه صـاحب القاموس ايضاً، مع كونه شافعيا متعصبا، فانه يـراعى مذهبه فى بيان اللغة ايضاً، نعم هو معتقد لأبى حـنيـفة ايـضـاً، وقد كان بعض أهل زمانه كتب رسالة فـى مثـالـب أبـى حنيفة ، ونسبها اليه، فلما بلغ امرها اليـه تبـرأ مـنه وقال : انها افتراء على وأنا أخضع دون جلالة قدره وامر بحرقها.

والأ سف كـل الأسف عـلـى أن داهية التعصب قد ألَمّت فى باب الجرح والتعديل أيضا، فيسامحون عـمن وافقهم فى المذهب، ويماكسون فيمن خالفهم كـالـذهبـى، فـانـه يراعى الحنابلة، ولايغفر للاشعرية، وأمـا الحافظ فانه لا يغمض عن الحنفية، وكأنها عنده ذنب ليس فوقها ذنب.(فیض الباری۳/۲۴۵)

ہمارا مذہب چند وجوہ کی بنا پر راجح ہے:

پہلی وجہ یہ ہے کہ تمام اہل لغت اس بات پر متفق ہیں کہ ''عریہ'' جوکہ ''عاریہ'' سے مشتق ہے، یہ کھجور کے پھل کو ھبہ کرنے کو کہتے ہیں اور اس سلسلہ میں صاحب ''قاموس'' بھی ہم سے متفق ہیں، حالانکہ وہ متعصب شافعی ہیں اور لغت کو بیان کرنے میں بھی اپنے مسلک کا خیال کرتے ہیں، لیکن وہ امام ابوحنیفہؒ کے بھی معتقد ہیں، انکے بعض معاصرین نے امام ابوحنیفہ کے ہجو میں ایک رسالہ لکھا اور اسے ان کی طرف منسوب کردیا، جب انھیں اس کا علم ہوا تو انھوں نے اس کتاب سے اپنی مکمل براءت کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ میرے اوپر بہتان ہے، امام صاحب کے جلالت شان کے آگے تو میں سر تسلیم خم کرتا ہوں، اور انھوں نے اس کتاب کو جلادینے کا حکم دیا۔

انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ''جرح وتعدیل'' کے باب میں بھی تعصب جیسی برائی در آئی ہے، چنانچہ علماء جرح وتعدیل اس کے ساتھ تو درگذر کا معاملہ کرتے ہیں جوان کا ہم مسلک ہو اور اس کا محاسبہ کرتے ہیں جوان کے مسلک پر نہ ہو، جیسے کہ حافظ ذہبی کہ وہ حنابلہ کی تو رعایت کرتے ہیں لیکن اشاعرہ کو معاف نہیں کرتے ہیں، اور جہاں تک حافظ بن حجرؒ کا تعلق ہے تو وہ احناف

سے کبھی چشم پوشی نہیں کرتے ہیں، جیسے حنفیت ہی ان کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ہے۔

☆☆☆☆☆

محمد بن یعقوب فیروز آبادی صاحب قاموس

محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم بن عمر، شیرازی، فیروز آبادی، مجدالدین لقب ہے، ایران کے شہر ''کارزین'' میں ۷۲۱ھ مطابق ۱۳۲۹ء میں پیدائش ہوئی، سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا اور اسی عمر میں کتابت کے مشاق و ماہر ہوگئے تھے، جو ان کے والد شیخ الاسلام سراج الدین یعقوب کی تربیت کا اثر تھا، شیراز میں بخاری و ترمذی پڑھی، ادب ولغت بھی پڑھا، لغت سے انھیں خصوصی دلچسپی تھی، اس میں ایسا لگے کہ ہم عصروں سے لے کر بعد والوں میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔

شوق وحرصِ علم میں بکثرت اور دور دراز کے اسفار کئے، واسط، بغداد، دمشق، بعلبک، حماۃ، حلب، قدس، قاھرہ، غزہ، رملہ، روم، ہند، مکہ، شمال مشرقی ممالک کے دیگر شہر، اور آخر میں زبید، یمن میں آ کر یہ سلسلہ اختتام پذیر ہوا، یمن میں قاضی بنادئے گئے، اس دوران حجاز کے متعدد اسفار کئے، لیکن وفات تک قیام یمن ہی میں رہا، ہندوستان آمد ۷۸۰ھ کے بعد ہوئی۔

کبار علماء سے ملاقات و استفادہ کیا، تقی الدین سبکی، ابن القیم، احمد مرداوی، ابن المظفر نابلسی، علائی، قلقشندی، ابن ھشام، العزبن جماعہ وغیرہ سے ملاقات واستفادہ ثابت ہے۔

ان کے ساتھ ایک قدرتی شرف یہ رہا، کہ جہاں بھی گئے وہاں کے امراء و سلاطین نے ان کا بہت اعزاز و اکرام کیا،، یمن کے بادشاہ اشرف نے تو باقاعدہ ان کے درس بخاری میں شرکت کر کے سند حدیث حاصل کی، علامہ کی صاحبزادی حسن و جمال میں بے نظیر تھیں، سلطان اشرف نے ان سے نکاح کر لیا تھا، جس کے بعد تعلق وتوقیر کو مزید عروج ہوا۔

تقی کرمانی کہتے ہیں: علامہ فارسی وعربی دونوں زبانوں میں نظم ونثر میں یکتائے روزگار تھے۔

''القاموس المحیط'' ان کی سب سے مشہور ومتداول کتاب ہے، دوضخیم جلدوں پر مشتمل عوام وخواص میں مقبول ہے، تحقیق شدہ نسخہ چار ضخیم جلدوں میں دستیاب ہے۔

زبید (یمن) میں ۲۰ شوال ۸۱۷ھ مطابق ۱۴۱۵ء شب میں انتقال ہوا۔

کثیر التصانیف ہیں:

تفسیر میں: **بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز، تنویز المقیاس فی تفسیر ابن عباس۔**

حدیث میں: منـح البـاری بالسیل الفسیح الجاری فی شرح صـحیـح البـخاری، تسهیل طریق الوصول الی الأحادیث الزائدة علـی جـامـع الأصـول، الأحادیث الضعیفة،الدر الغالی لأحادیث العـوالـی، شوارق الأسرار العلیه فی شرح مشارق الأنوار البهیه، الصلات والبشر فی الصلاة علی خیر البشر۔

فقہ میں: عـدة الحکام فی شرح عمدة الأحکام ، الاسعاد بالأصعاد الی درجة الاجتهاد۔

(الضوء اللامع ۱۰/ ۷۹تا۸۶، اعلام زرکلی ۷/ ۱۴۶و۱۴۷، مقدمۃ التحقیق للقاموس المحیط باشراف محمد نعیم العرقسوسی ۹تا۱۵طبع امدادیہ سہارنپور)

اقتباس:۶۲

ثم هذا فريد وجدى صاحب "دائرة المعارف" محروم عن الايمان والخير كله ، فينقل الاحاديث فيسخر منه. سخر الله منه(فیض الباری۴/۱۷)

پھر یہ (فرید وجدی) انسائکلو پیڈیا کا مصنف ایمان سے بھی محروم تھا اور دیگر تمام خیر سے بھی، چنانچہ یہ حدیث لکھتا تھا اور اس کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ سخر اللہ منہ

☆☆☆☆☆

محمد فرید وجدی اور ان کی دائرۃ المعارف

محمد فرید وجدی بک کی ولادت ۱۸۷۹ء یا ۱۸۷۸ء میں اسکندریہ میں ہوئی، والد ایک سرکاری ملازم تھے، کچھ مدت مدرسہ میں پڑھنے کے بعد شکوک وشبہات نے گھیر لیا تو والد سے اصرار کیا کہ میں خود ہی دینیات کا آزاد مطالعہ کروں گا، اور ایسا ہی کیا، تکمیل پھر مدرسہ سے کی تحریر، تصنیف اور صحافت میں کمال پیدا کیا، جامعہ ازہر کے ترجمان ''مجلة الازهر'' کے تقریباً دس سال مدیر رہے، مغربیت کے رد میں بہت سی تحریریں کتابیں لکھیں، لیکن جدید فلسفہ سے

متاثر تھے اس لئے ایسی باتیں لکھ گئے جو اصول اسلام سے متصادم ہیں، شیخ رشید رضا مصری ان کے بڑے مداح تھے، شیخ الاسلام مصطفیٰ صبریؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''**موقف العقل و العلم والعالم من رب العالمین و عبادہ المرسلین**'' میں متعدد مواقع پر ان کا سخت رد کیا ہے، ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

اہل تدبر دیکھیں گے کہ استاذ فرید وجدی دین کا دفاع کرتے کرتے اسے منہدم کر رہے ہیں۔ (ص ۳۱۳) اس کتاب کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شیخ صبری نے متعدد مواقع پر وجدی کے مختلف افکار ونظریات پر بخوبی رد کیا ہے۔

علامہ شبلیؒ نے ایک مختصر خاکہ فرید وجدی پر لکھا ہے، اس کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

ایک عجیب بات یہ ہے کہ باوجود تعلیم جدید کے عورتوں کی آزادی اور خودمختاری کے متعلق اس کے خیالات جدید تعلیم کے بالکل مخالف ہیں، قاسم بک امین کی کتاب ''تحریر المرأۃ'' کا اس نے جو جواب لکھا ہے وہ درحقیقت لاجواب تھا۔

یہ بھی تعجب انگیز ہے کہ بخلاف عام جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے وہ فرائض مذہبی کا نہایت پابند ہے، کسی وقت کی نماز میں کبھی تاخیر نہیں ہوتی، شراب کو کبھی اس نے ہاتھ نہیں لگایا، کاش ہمارے ملک کے نوجوانوں میں بھی کوئی فرید وجدی ہوتا۔

فرید وجدی کے کمالات کے اعتراف کے ساتھ ہم کو کسی قدر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی مذہبی معلومات سطحی اور سرسری ہیں، اس لئے جب وہ حدیث یا قرآن مجید کے متعلق کچھ لکھتے ہیں تو ان کی کم مائگی کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ (مقالات شبلی ۱۳۱/۵)

دائرۃ المعارف کا پورا نام ''دائـرۃ معارف القرن الرابع عشر الھـجری و العشرین المیلادی'' ایک وسیع انسائیکلو پیڈیا ہے، جس میں لغت، عربیت، علوم عقلیہ ونقلیہ، علوم عصریہ وشرعیہ، کلیاً و جزئیاً، اسی طرح تاریخ، جغرافیہ، مذاہب، فِرق، مشرق ومغرب کے مشاہیر، طب، وغیرہ ان تمام تر علوم و اشیاء سے گفتگو ہے جس کا انسانی زندگی سے کوئی تعلق ہے اسے شامل کیا گیا ہے۔

(محمد فرید وجدی، مصنفہ رجب البیومی ص ۴۰ و ۶۸ وغیرہ، شبکۃ ابابطین)

اقتباس:۶۳

وقد صرح أصحاب الطبقات أن ابن الجوزی راكب على مطايا العجلة، فيكثر الأغلاط، ورأيت فيه مصيبة أخرى، وهی أنه يرد الأحاديث الصحيحة كلما خالفت عقله و فكره كحديث الباب.............. صرح السيوطی فی "اللآلی المصنوعة": ان ابن الجوزی غال فی الحكم بالوضع، حتی اشتهر فی شدته كما اشتهر الحاكم بالتساهل فی التصحيح، من هنا لايعبأ المحدثون بجرح ابن الجوزی و تصحيح الحاكم الاماثبت عندهم.

(فیض الباری۴/۷۶)

اصحاب طبقات نے صراحت کی ہے کہ ابن جوزی انتہائی جلد بازی سے کام لیتے ہیں، جسکی وجہ سے بکثرت غلطیاں کرتے ہیں، میں نے ان کے اندر ایک مصیبت یہ بھی دیکھی ہے کہ جب بھی کوئی حدیث ان کی عقل یا ان کی فکر کے خلاف ہوتی ہے تو اس کی صحت کے باوجود وہ اس کو رد کر دیتے ہیں، جیسے کہ حدیث الباب............

سیوطی نے "اللآلی المصنوعة" میں اس کی صراحت

کی ہے کہ ابن جوزی وضع حدیث کا حکم لگانے کے معاملہ میں غلو سے کام لیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنی شدت میں مشہور ہو گئے جیسا کہ حاکم، احادیث کی تصحیح میں تساہل سے کام لینے میں مشہور ہو گئے، اسی وجہ سے محدثین ابن جوزی کے جرح کرنے اور حاکم کے تعدیل کرنے کی پرواصرف انہی چیزوں میں کرتے ہیں جو ان کے نزدیک پہلے سے ثابت ہو گئی ہو۔

☆☆☆☆☆

ابن جوزی

امام، حافظ الحدیث، مفسر، شیخ الاسلام فخر عراق ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی قرشی، تیمی، بغدادی، حنبلی، خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں سے ہیں، ۵۰۹ھ یا ۵۱۰ھ میں ولادت ہوئی، مختلف علوم میں امامت کا درجہ رکھتے تھے، لڑکپن سے ہی وعظ کہنا شروع کر دیا تھا، اور اسی وقت سے ان کی مجالس وعظ کی رونق و مجمع کی مثال بن گئی تھیں، وعظ و نصیحت میں بے مثال تھے، نظم و نثر پر یکساں قدرت تھی، فصاحت بلاغت کلام کا لازمہ تھیں، حسن لہجہ مزید برآں تھا، بیانات میں شرکاء کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوتی، اور بعض دفعہ لاکھوں کا جم غفیر ہوتا، کثیر التصانیف شمار ہوتے ہیں، متعدد علوم میں ڈھائی سو سے زیادہ تصانیف ہیں، جمعہ ۱۲؍رمضان ۵۹۷ھ کو بغداد میں وفات پائی۔

(وفیات الاعیان ۳/۱۴۰ تا ۱۴۲، سیر اعلام النبلاء ج۲۱ ص ۳۶۵)

اقتباس: ۶۴

اعلم أن محمد بن اسحاق من أئمة المغازی ، وله سیرة شهیرة ، الا أنها عزیزة لا توجد ، وسیرة لتلمیذه ابن هشام ، و هذه توجد.

(فیض الباری ۴/ ۸۵)

جان لو کہ محمد بن اسحاق أئمہ مغازی میں سے ہیں، سیرت پر ان کی بہت مشہور تصنیف بھی ہے، لیکن وہ بہت ہی کمیاب ہے، آسانی سے نہیں ملتی، سیرت ہی پر انکے شاگرد ابن ہشام کی بھی ایک تصنیف ہے یہ پائی جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

محمد بن اسحاق

محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار مدینی اور ایک قول کے مطابق یسار بن کوثان ہے، ولاء قرشی ہیں، کنیت ابوبکر ہے، بعض نے ابوعبداللہ بھی لکھی ہے، معرکۃ الآراء شخصیت ہیں، لیکن کبار محدثین کا ان سے حدیث نقل کرنا، مستند علماء کی ان کی تعریف کرنا ان کے حق میں تائید ہے، بخاری نے تعلیقا اور دیگر اصحاب صحاح نے متصلا ان سے حدیث نقل کی ہے، امام مالک نے ان پر سخت جرح کی

ہے، لیکن اسے محدثین نے معاصرانہ چشمک یا اختلاف فکر پر محمول کر کے قبول نہیں کیا، امام زہری فرماتے ہیں جب تک محمد بن اسحاق مدینہ میں ہیں یہاں علم کا بڑا ذخیرہ ہے، زہری سے ان کی مغازی کے بارے پوچھا گیا تو فرمایا کہ محمد بن اسحاق مغازی کے سب سے بڑے عالم ہیں، امام شافعیؒ فرماتے ہیں محمد بن اسحٰق مغازی میں سب پر سبقت واولیت رکھنے والے ہیں، امام شعبہ فرماتے ہیں محمد بن اسحاق امیر المومنین فی الحدیث ہیں، اخیر عمر میں بغداد تشریف لے گئے تھے وہیں انتقال ہوا، سن وفات میں مختلف اقوال ہیں، ۱۵۱ھ اہل سیر کے نزدیک راجح ہے۔

(وفیات الاعیان ۴/ ۲۷٦، تاریخ کبیر ۱/ ۴۰ حیدر آباد، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۷ تا ۳۵)

سیرت ابن اسحاق

امام المحدثین شہاب الدین زہری سیر ومغازی پر اولین لکھنے والوں میں سے ہیں، لیکن اس کی کتاب کا بعد کے طبقہ میں ذکر نہیں ملتا، محمد بن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ زہری کے ارشد تلامذہ اور مستند ترین شاگرد وراوی ہیں، موسیٰ بن عقبہ کی کتاب بھی ناپید ہوگئی، تنہا محمد بن اسحاق کی کتاب ہم تک پہنچی ہے، ایک روایت تو بن ہشام کی ہے، جس میں حذف واضافہ ہے، لیکن کتاب جس کا اصل نام: ''کتاب المبتدأ والمبعث والمغازی'' ہے، یہ کتاب نایاب تھی، اس کا ایک مکمل مخطوطہ بھی اس وقت دنیا میں موجود نہیں، اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا

کہ سیرت ابن ہشام کو لوگوں نے سیرت ابن اسحٰق کا قائم مقام بنا دیا، مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مقیم پیرس نے مراکش کے شہر فاس میں موجود ایک ناقص مخطوطہ کو اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع کیا، اس طرح اس عظیم ونادر کتاب کا ایک ٹکڑا منصۂ شہود پر آسکا، **مالایدرک کله لایترک کله۔**

اختصار، شرح وتعلیق کی اہمیت ومقبولیت اپنی جگہ، لیکن اس سے اصل کتاب کی اہمیت ختم کیا، کم بھی نہیں ہو جاتی، پاکستان سے پہلی اشاعت ۱۴۲۶ھ، ۲۰۰۵ء میں ہوئی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مقدمہ تحقیق میں لکھتے ہیں: اصل کتاب سے ربط رکھنے کی دو اہم وجوہ ہیں، (۱) ابن ہشام نے اپنی وسعت علمی اور دقت نظر کے باوجود بعض ایسی چیزیں حذف کر دی ہیں جن کی اہمیت مندرجہ ومشمولہ باتوں سے کسی طرح کم نہیں، (۲) ابن ہشام نے بہت سے اشعار یہ کہہ کر حذف کر دئے ہیں کہ ان کی نسبت منسوب الیہ کی جانب درست نہیں، لیکن اس کے باجود ان کے ذکر کرنے سے کم از کم یہ بات تو طے ہو جاتی ہے کہ وہ اشعار ابن اسحاق یا ان سے قبل کے اشعار ہیں، ان کے بعد کے قطعاً نہیں، عربی شعریات سے وابستہ لوگ ہی جان سکتے ہیں کہ یہ کام کسی بھی طرح ہمت افزائی کا نہیں، چونکہ موجودہ نسخہ کامل نہیں، جتنا ہے بس اتنے حصے کے تو اشعار کم از کم مل ہی سکتے ہیں۔

سیرت ابن اسحاق کا ایک فارسی ترجمہ بھی ہے، جو ساتویں صدی ہجری میں سلطان ابوبکر بن سعد بن زنگی کے حکم سے کیا گیا، یہ شیراز (ایران) کے حاکم

تھے، اس فارسی ترجمہ کے متعدد مخطوطہ پیرس (فرانس) وغیرہ میں موجود ہیں، لیکن یہ ترجمہ ترجمہ کم، خلاصہ واختصار زیادہ ہے۔

سیرت ابن اسحاق کا اردو ترجمہ (مع ترجمۂ تعلیقات) بھی شائع ہو چکا ہے۔

(سیرۃ ابن اسحاق بتحقیق محمد حمید اللہ طبع لاہور مقدمہ التحقیق، سیرت ابن اسحاق اردو طبع حیدرآباد، مقدمہ کتاب)

ابن ہشام

ابومحمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب، حمیری، معافری، سدوسی، ذہلی، بصری، بصرہ میں پیدا ہوئے، سن ولادت تواریخ میں مذکور نہیں، بصرہ ہی میں نشوونما ہوئی، وہاں سے مصر آئے، یہیں سے افادہ واستفادہ کے سلسلہ اخیر تک جاری رہا، عربیت وادب، سیر ومغازی میں مرجع وامام ہیں، اشعار عرب کے واقف و ماہر ہیں، علامہ سہیلی نے ابن ہشام کو حمیری کہا ہے، ذہلی ہونے کو تسلیم نہیں کیا، علامہ ذہبی نے اس کی تردید کی اور کہا کہ وہ ذہلی بھی ہیں، نیز سہیلی نے ان کی وفات ۲۱۳ھ بتائی ہے، ذہبی اسے بھی وہم کہتے ہیں، اور ۲۱۸ھ کی وفات بتاتے ہیں۔

امام شافعی سے ان کی ملاقات بھی ثابت ہے، ابن ہشام محمد بن اسحٰق کے بلاواسطہ شاگرد نہیں ہیں، بلکہ ایک واسطہ سے شاگرد ہیں۔

سیرت کے علاوہ ابن ہشام نے حمیر اور اس کے بادشاہوں کے نسب پر بھی ایک کتاب لکھی ہے، اسی طرح سیر و مغازی میں وارد غریب الاشعار کی شرح بھی کی ہے، ''التیجان'' کے نام سے یہ شرح دائرۃ المعارف الاسلامیہ ہند سے شائع ہو چکی ہے۔

(تاریخ اسلام ذہبی ۵/ ۳۸۷، سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۴۲۸ تا ۴۲۹، وفیات الاعیان ۳/ ۱۷۷، حسن المحاضرہ ۱/ ۵۳۱)

سیرت ابن ہشام

سیرت ابن ہشام دراصل سیرت ابن اسحٰق کی ہی ایک روایت ہے، البتہ ابن ہشام نے اس میں حذف و اضافہ کر کے کتاب کی تنقیح و تہذیب کی ہے، زمانہ تصنیف سے آج تک اسے اولیت و مرجعیت کا درجہ حاصل ہے، اصل کتاب کا ایک حصہ اب شائع ہو چکا ہے، لیکن اولاً تو وہ ناقص ہے، ثانیاً ابن ہشام کے اضافہ و تعلیقات بھی بجائے خود سند کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے اس کتاب کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں آتا، ابن ہشام نے یہ کتاب سیرت ابن اسحٰق کے سب سے معتبر و مستند راوی حافظ متقن ابو محمد زیاد بن عبداللہ بن طفیل بکّائی، امری، کوفی (متوفی ۱۸۳) سے یعنی صرف ایک واسطہ سے سنی ہے۔

ابن ہشام نے سیرت ابن اسحٰق پر اپنے کام کی نوعیت کو خود کتاب کے شروع میں بیان کر دیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) حضرت اسماعیل علیہ السلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک جو حضرات نسبِ طاہر و مطہر میں آتے ہیں صرف انھیں کا ذکر باقی رکھا، بقیہ زائد ناموں کا تذکرہ اختصاراً حذف کر دیا۔

(۲) سیرت ابن اسحٰق میں مذکور ایسی باتیں جو قرآن و حدیث سے مؤید نہیں، اسی طرح وہ نصوص کی تشریح کے ضمن میں بھی نہیں آتیں، انھیں بھی اختصار کے طور پر حذف کر دیا۔

(۳) جو باتیں سیرت نبویہ کے تحت نہیں آتیں انھیں بھی شامل نہیں کیا۔

(۴) ایسے اشعار جو شعراء کی نظر میں غیر معروف ہیں، یا ان کی نسبت درست نہیں، ان پر بھی قلم ترمیم چلا دیا۔

(۵) وہ باتیں جن کا ذکر تذکرہ طبعاً و شرافتاً ناگوار ہوتا ہے، خصوصاً اشعار میں خواہ وہ کفار کی طرف سے ہوں یا مسلمانوں کی طرف سے، انھیں بھی ہٹانا مناسب سمجھا گیا۔

(۶) بکّائی نے جن باتوں پر اعتماد نہیں کیا انھیں بھی حذف کر دیا۔

اس کے علاوہ پوری کتاب بعینہٖ پیش کر دی ہے، ذہبی کہتے ہیں: ابن ہشام نے عبدالوارث بن سعید التنوری، ابوعبیدہ وغیرہ دوسرے محدثین سے سیرو مغازی کی بعض روایات کا اضافہ بھی کیا ہے، جو ابن اسحٰق کی روایت میں نہ تھیں۔

اسی طرح ابن ہشام ابن اسحاق کے اوہام و اخطاء پر کبھی گرفت کرتے نظر آتے ہیں، تو کہیں لغت و عربیت کے پہلو سے بھی تنقید کرتے ہیں۔

ذہبی نے ابن ہشام، اوران کے واسطے سے ابن اسحٰق تک اپنا سلسلہ سند بھی تحریر کیا ہے۔

ابوالقاسم عبدالرحمٰن سہیلی (م ۵۸۱) نے سیرت ابن ہشام کی شرح لکھی ہے، اس کا نام ''الروض الانف'' ہے، دوسری شرح ابوذر خشنی (م ۶۰۴) کی ہے، دونوں مطبوع ومعروف ہیں۔

اردو، انگریزی، بنگالی، وغیرہ متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

(سیرت ابن ہشام ۱/۲و۳، تاریخ اسلام ذہبی ۵/ ۳۸۷، سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۴۲۸تا۴۲۹)

اقتباس:۶۵

قال ابن جني : القول من حديث البحر ، فحدث عنه ما شئت و لا حرج، وهو حنفي ، قرر حديث : ذكاة الجنين ذكاة أمه" ، على نظر الحنفية، ثم وجدت في مذكرته أيضاً أنه حنفي.

(فیض الباری ۴/ ۹۵)

''حدث عن البحر ولاحرج'' یہ قول ابن جنی کا ہے، جو کہ حنفی تھے، انھوں نے ذکوۃ الجنین ذکوۃ اُمہ والی حدیث کو حنفیہ کے نقطۂ نظر کے مطابق ثابت کیا ہے، پھر میں نے ان کی ڈائری میں بھی پایا کہ وہ حنفی تھے۔

☆☆☆☆☆

ابوالفتح عثمان ابن جنی

ابوالفتح عثمان بن جنی، موصلی، موصل میں ۳۳۰ سے قبل ولادت ہوئی،، ان کے والد رومی غلام تھے، اس سے زیادہ ان کے نسب وخاندان کے بارے میں سیر وتراجم خاموش ہیں۔

نحو، صرف، ادب وعربیت، فصاحت وبلاغت کے امام ہیں، صاحب

یتیمۃ الدھر لکھتے ہیں: ابوعثمان عربیت کے قطب ہیں، اور ادب کے مرجع وامام ہیں، ایک بار کہیں درس دے رہے تھے، ابوعلی فارسی وہاں سے گذرے تو انھوں نے ابن جنی کی ناپختگی کو دیکھ کر کہا: تم تو بغیر پکے ہی کشمش بن رہے ہو، اس واقعہ کے بعد سے وہ ابوعلی کے ساتھ ایک طویل عرصہ رہے، تب ادب وعربیت میں امامت کا درجہ پایا، ابوطیب متنبّی سے اس کا دیوان پڑھا، دیوان کی شرح بھی لکھی ہے۔

ابن جنی کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فقہاً حنفی ہیں، الخصائص (۱/۱۶۳) میں تحریر کرتے ہیں: **وکذلک کتب محمد بن الحسن انما ینتزع أصحابنا منها العلل؛ لأنها یجدونها منثورة فی أثناء کلامه.** (ترجمہ: اسی طرح امام محمد بن حسن کی کتابوں سے ''ہمارے اصحاب'' علل کا استخراج کرتے ہیں، کیونکہ علل ان کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں۔)

یہاں لفظ اصحابنا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حنفی ہیں، اس کے علاوہ انھوں نے اپنی کتابوں میں متعدد جگہ پر علماء احناف کا حوالہ دیا ہے، نیز شافعیہ کے خلاف حنفیہ کے دلائل دیئے ہیں۔

لیکن ابن جنی حنفی ہونے ساتھ معتزلی بھی ہیں، علامہ جلال الدین سیوطی نے المزھر (۱/۱۴) میں کہا ہے کہ ابن جنی اور ان کے استاذ ابوعلی فارسی دونوں معتزلی ہیں، الخصائص (۲/ ۴۵۷) میں ابن جنی نے لکھا ہے: (**وفوق کل ذی**

علـم عليم)فحقيقة لامجاز، وذلک أنه سبحانه ليس عالما بعلم.
الخ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم بذاتہ ہے، بصفتہ نہیں اور یہ معتزلہ کا عقیدہ ہے، وہ صفات کونہیں مانتے، جب کہ اہل السنہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت علم سے عالم ہے،اس کے علاوہ بھی کچھ اعتزالی شواہدان کی تصانیف میں موجود ہیں۔

بروز جمعہ ۲۸/صفر ۳۹۲ھ کو بغداد میں وفات پائی،ان کی متعدد تصانیف ہیں،چند کے نام یہ ہیں:سـر الـصـنـاعة، اللُمع، التصريف، التلقين فی النحو، التعاقب،الخصائص،المقصور والمدود، مايذكرو يونث، اعـراب الحماسة، الـمـحتَسَب فی الشواذ، الـفُسر شرح ديوان المتنبی،وغیرہ۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۷/ ۱۷ او ۱۸ وفیات الاعیان ۳/ ۲۴۶، یتمیۃ الدھر ۱/ ۱۳۷، مقدمۃ التحقیق الخصائص محمد علی النجار طبع بیروت ۱/ ۵ تا ۶۰)

اقتباس:٦٦

وكتاب "الناسخ والمنسوخ" لأبي بكر النحاس، تلميذ الطحاوي، وهو عند أصحاب الطبقات مثل ابن جرير الطبري في المرتبة. (فیض الباری ۴/۱۱۹)

کتاب الناسخ والمنسوخ ابوبکر نحاس کی ہے، یہ امام طحاوی کے شاگرد ہیں اور اصحاب طبقات کے نزدیک ان کا مرتبہ ابن جریر طبری کے برابر ہے۔

☆☆☆☆☆

ابوجعفر نحاس

احمد بن محمد بن اسماعیل بن یونس، مرادی، النحاس، کنیت ابوجعفر ہے، ابوبکر نہیں، ولادت مصر میں ہوئی، سن ولادت معلوم نہیں، امام نسائی اوران کے طبقے سے حدیث پڑھی، اخفش، زجاج، ابن الانباری، نفطویہ اور دیگر ادباء عراق سے نحو پڑھی، طبیعت میں بخل کے سبب مشہور تھے، لیکن علم وفضل کے سبب لوگ ان کے بے انتہاء قدرداں تھے، علوم وفنون میں انھیں کمال حاصل تھا، قلم کے بادشاہ تھے، ان کی تصانیف بے نظیر تسلیم کی جاتی ہیں۔

ذہبی کہتے ہیں: نحاس نفطو یہ اور ابن الانباری کے درجہ کے ہیں، اذکیاء عالم میں سے ہیں، ابن نجار کو وہم ہوا کہ نحاس نے مبرد سے روایت کی ہے، جب کہ دونوں میں ملاقات نہیں۔ اھ

ذوالحجہ ۳۳۸ھ میں وفات ہوئی، واقعہ وفات یہ ہے کہ نحاس دریائے نیل کے کنارے بیٹھے بال کاٹ رہے تھے کسی عامی شخص نے دیکھ کر سمجھا کہ سحر کر رہے ہیں، جس سے نیل کا پانی کم ہو جائے گا اور بازار گراں ہو جائے گا، اس نے پیچھے سے دھکا دے کر نیل میں گرادیا، اس کے بعد ان کا کوئی سراغ نہ ملا، یعنی اسی میں وفات ہوگئی۔

ابوجعفر نحاس کا امام کا طحاوی کا شاگرد ہونا ہمیں نہیں ملا۔

تصانیف: (۱) تفسیر القرآن، (۲) اعراب القرآن، (۳) الناسخ والمنسوخ، (۴) التفاحة (نحو)، (۵) تفسیر أبيات سيبويه، (۶) الكافي في النحو، (۷) كتاب المعاني، (۸) كتاب الوقف، (۹) الابتداء، (۱۰) صغریٰ و کبریٰ، (۱۱) شرح المعلقات السبع، (۱۲) طبقات الشعراء۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۵/ ۴۰۱ و ۴۰۲، وفیات الاعیان ۱/ ۹۹، حسن المحاضرہ ۱/ ۵۳۱، اعلام زرکلی ۱/ ۲۰۸)

اقتباس: ٦٧

فائدة مهمة: واعلم أنهم تكلموا فی الواقدی ، و أمره عندی أنه حاطب لیل ، یجمع بین رجل و خیل فیأتی بکل رطب ویابس ، صحیح و سقیم، لیس بکذاب ، وهو متقدم عن أحمد وأکبر منه سناً ولکنه أضاعه فقدان الرفقة وقلة ناصریه ، فتکلم فیه من شاء، وأما الدارقطنی، فانه وان اتی بکل نحومن الحدیث ، لکنه شافعی المذهب ، فکثرت حماته ، واشتهر اشتهار الشمس فی رابعة النهار، وبقی الواقدی مجروحاً، لا یذب عنه أحد، فذلک عندی من أمر الواقدی، أما جمعه بین الضعاف و الصحاح ، فذلک أمر لم ینفرد به هو، بل فعله آخرون أیضاً ، والأذواق فیه مختلفة، فمنهم من یسیر سیره ، ومنهم من یکرهه ، فلا یأتی الا بالمعتبرات . (فیض الباری ۴/۱۲٦)

جان لو کہ واقدی پر بہت کلام کیا گیا، حالانکہ ان کا معاملہ میرے نزدیک صرف اتنا ہے کہ وہ رطب ویابس، صحیح اور سقیم سب کو جمع کر دیتے ہیں، لیکن وہ کذاب نہیں ہیں، امام احمدؒ سے متقدم ہیں اور عمر میں بھی ان سے زیادہ ہیں، لیکن صحیح تلامذہ کے فقدان

اور حامیوں کی قلت کی وجہ سے ان کا علم ضائع ہوگیا اور ہر کس ناکس نے ان پر کلام کرنا شروع کر دیا، اور جہاں تک دار قطنی کا تعلق ہے تو اگر چہ انھوں نے بھی ہر طرح کی روایتیں ذکر کی ہیں لیکن شافعی المسلک ہونے کی وجہ سے ان کے حامی بہت ہو گئے، جس کے نتیجہ میں انھیں خوب خوب شہرت ملی اور واقدی یونہی مجروح رہ گئے کسی نے ان کا دفاع نہیں کیا، میرے نزدیک واقدی کے معاملہ کی حقیقت بس یہی ہے، اور جہاں تک ضعیف اور صحیح ہر طرح کی روایت کو جمع کرنے کا معاملہ ہے تو یہ ایسی چیز نہیں ہے جس میں وہ منفرد ہیں، بلکہ ایسا تو دوسرے لوگوں نے بھی کیا ہے، اور اس سلسلہ میں لوگوں کے اذواق مختلف ہوئے ہیں، چنانچہ بعض لوگ اسی مذکورہ نہج پر چلتے ہیں اور بعض صرف معتبر حدیثوں کو ہی لیا کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

واقدی

محمد بن عمر بن واقد، اسلمی، ان کے دادا واقد عبداللہ بن بریدۃ اسلمیؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، اس لئے ولاءً اسلمی کہلاتے ہیں، ان کی ولادت ۱۲۸ھ یا ۱۳۰ھ میں ہوئی۔

علوم میں نہایت اعلیٰ مقام رکھتے ہیں، مغازی، سیرت، فتوحات، احکام، اختلاف العلماء میں امامت کا درجہ حاصل ہے، مگر اس عظمت وجلالت کے باوجود محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔

امام احمد کہتے ہیں، واقدی مختلف اسانید کو ملا کر ایک کر کے بیان کرتے ہیں، اسحاق بن راھویہ کہتے ہیں: میرے نزدیک یہ واضع ہیں، ابن ابی حاتم یونس سے، وہ امام شافعی سے نقل کرتے ہیں: واقدی کی کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں۔

البتہ بہت سے محدثین نے ان کی توثیق بھی کی ہے، محمد بن سلام جمحی کہتے ہیں: واقدی عالم الدھر ہیں، خطیب کہتے ہیں: ان کا شہرہ مشرق ومغرب میں بسیط ہے، ابراہیم الحربی کہتے ہیں: واقدی اسلام کے اکابر علماء میں ہیں، دین میں امین ہیں، دراوردی کہتے ہیں: واقدی امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔

ابراہیم الحربی کہتے ہیں ہم ایک جمعہ کو ان کے پاس درس مغازی کے لئے حاضر ہوئے، وہ اسانید کو ملا کر ایک متن سے بیان کرنے لگے، تو ہم نے کہا: ہر متن جدا جدا ذکر کریں تو بہتر ہوگا، کہنے لگے: اس سے طوالت ہوگی، ہم نے کہا ہمیں منظور ہے، اگلے جمعہ کو وہ نہیں آئے، اس کے بعد والے جمعہ کو جب آئے تو غزوہ اُحد کی روایات پر بیس جلدیں (ایک جلد دس اورق، یعنی بیس صفحات پر مشتمل ہوتی تھی) ساتھ لائے، یہ دیکھ کر ہم حیران رہ گئے، اور عرض کیا: جیسے آپ پہلے بیان کر رہے تھے ویسے ہی کر دیں۔

مصعب بن عبداللہ، یزید بن ہارون اور ابوعبداللہ کہتے ہیں: واقدی ثقہ ہیں، تاہم علماء ومحدثین کی رائے یہ ہے کہ واقدی سیر ومغازی کے تو امام ہیں لیکن احکام ومسائل میں ضعیف ہیں۔

بغداد کے ایک حصے کے -مشرقی یا مغربی، دونوں اقوال ہیں- کے قاضی بنائے گئے، ایک عرصہ عہدہ قضا پر رہے، اس عہدہ پر رہتے ہوئے وفات ہوئی، لیکن اتنا ترکہ نہ چھوڑا کہ کفن ہو سکے، مامون رشید نے ان کا کفن بھیجا۔

ذہبی کہتے ہیں: ابن ماجہ نے ان سے ایک روایت نقل کی ہے، ابوبکر ابن ابی شیبہ اپنے کسی استاذ سے نقل کرتے ہیں، یہاں نام نہیں لیا ہے، لیکن اسی روایت کو عبد بن حمید نے روایت کیا اس میں ان کے استاذ کا نام واقدی مذکور ہے۔

(تاریخ الاسلام ذہبی ۱۸۲/۵، تاریخ بغداد ۱۹/۴و۲۰، وفیات الاعیان ۳۴۸/۴ تا ۳۵۱، میزان الاعتدال ۶۶۲/۳ تا ۶۶۶، اخبار القضاۃ ۲۷۰/۳ تاریخ الکبیر ۱۷۸/۱، اعلام ۳۱۱/۶)

اقتباس:۶۸

واعـلـم أن أول مـن خـدم الـقـرآن ائمة النحو، فـلـلـفـراء تـفسيـر فى معانى القرآن، وكذا للزجاج، وذكـر الـذهبـى أن الفراء كان حافظا للحديث، وقد اخـذ ابـن جـريـر الـطبرى فى تفسيره عن أئمة النحو كثيـراًولـذا جـاء تـفسيـره عـديم النظيـر، ولو كـان البـخـارى أيـضـا سـار سيـره لـكان أحسن، لكنه كان عـنـده "مـجاز القرآن" لابى عبيدة معمر بن المثنىٰ، فأخذ منه تفسيرالمفردات وذلک ايضا بدون ترتيب وتهـذيـب، فـصـار كتـابـه ايضا على وزان كتاب ابى عبيـدة فى سوء الترتيب، والركة، والاتيان بالأقوال الـمـرجوحة، والانتقال من مادة الى مادة، ومن سورة الـى سورة، فصعب على الطالبين فهمه، ومن لايدرى حـقيـقة الـحـال يـظـن ان الـمصنف اتى بها اشارة الى اختيـار تلک الاقوال المرجوحة، مع انه رتب كتاب

التفسیر کله من کلام أبی عبیدة، ولم یعرج الی النقد اصلاً. (فیض الباری ۴/۱۴۹)

جان لو کہ قرآن کے سب سے پہلے خدام ائمہ نحو ہیں، چنانچہ معانی قرآن کے بارے میں فراء کی ایک تفسیر ہے، اسی طرح زجاج کی بھی ایک تفسیر ہے، اور ذہبی نے ذکر کیا ہے کہ فراء حافظ حدیث بھی تھے، ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں ائمہ نحو سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے، اسی وجہ سے ان کی تفسیر بے مثال بن گئی، اگر امام بخاری نے بھی ایسا ہی کیا ہوتا تو بہتر ہوتا، لیکن ان کے پاس ابوعبیدہ معمر ثقفی کی مجاز القرآن تھی، تو انھوں نے مفردات کی تفسیر میں اسی سے استفادہ کیا اور وہ بھی بغیر ترتیب وتہذیب کے، چنانچہ ان کی کتاب بھی ترتیب، پیچیدگی اور مرجوح اقوال کو ذکر کرنے اور ایک سورہ سے دوسری سورہ کی طرف اور ایک مادہ سے دوسرے مادہ کی طرف منتقل ہو جانے کے اعتبار سے ابوعبید ثقفی ہی کی کتاب کی طرح ہوگئی، جس کی وجہ سے طلباء کے لئے اس کا سمجھنا دشوار ہو گیا، اور جو شخص حقیقت حال سے واقف نہیں ہوگا وہ یہ سمجھے گا کہ مصنف کا ان مرجوح اقوال کو ذکر کرنا انھیں اختیار

کرنے کی طرف اشارہ ہے، حالانکہ انھوں نے پوری کتاب التفسیر، ابوعبیدہ کے کلام سے مرتب کی ہے اور نقد کی طرف سرے سے متوجہ ہی نہیں ہوئے ہیں۔

☆☆☆☆☆

فراءنحوی

ابوزکریا، یحییٰ بن زیاد بن عبداللہ بن منظور، ولاءً اسدی اور وطناً کوفی ہیں، سن ولادت تواریخ میں مصرح نہیں، ۶۳ سال کی عمر میں ۲۰۷ھ میں وفات ہوئی، اس لحاظ سے سن ولادت ۱۴۴ھ ہوتا ہے۔

علی بن حمزہ کسائی، سفیان بن عیینہ، ابوبکر بن عیاش اور ابوالاحوص وغیرہ سے استفادہ کیا، لغت فقہ، اختلاف الفقہاء، نجوم، طب، تواریخ عرب اور اشعار کے حاذق و ماہر تھے، ان میں سے اکثر علوم میں امامت کا درجہ پر فائز تھے، کوفہ سے بغداد آئے لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، یہاں انھوں نے معانی قرآن اور علوم قرآن پر طالبین کو خصوصاً املاء کرایا، فلسفہ سے خاص شغف تھا، اپنی تصنیفات میں فلسفی اصطلاحات بکثرت استعمال کرتے ہیں، بعض حضرات انھیں ''امیر المومنین فی النحو'' کہتے ہیں، مائل بہ اعتزال ہیں۔

مامون نے اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کرلیا تھا، مامون نے ان کو حکم دیا کہ

نحو کے مسائل جمع کریں، کچھ باندیاں خدمت کے لئے اور کچھ ورّاق سپرد کئے جن سے اپنے کام لیں، چند سالوں میں یہ کتاب تیار ہوئی، اس کا نام ''کتاب الحدود'' رکھا، اس کے بعد تفسیر کا املاء کرانا شروع کیا، ان کے شاگرد کہتے ہیں: املاء لکھنے والی تعداد ہمارے شمار سے باہر ہوتی تھی، جب املاء مکمل ہوگیا تو وراقوں نے تفسیر کی کاپیاں چھپالیں تاکہ اپنی کمائی کریں، لوگوں نے فراء سے شکایت کی، انھوں نے وراقوں کو سمجھایا، وہ نہ مانے، تو فراء نے طلبہ سے کہا: میں دوبارہ املاء کراوں گا، جو پہلے سے زیادہ مفصل ومبسوط املاء ہوگا، جب املاء شروع کیا تو صرف سورہ فاتحہ میں سو ورق کا املاء کرایا۔

ابن الانباری کہتے ہیں: اگر کسائی اور فراء کے علاوہ بغداد وکوفہ میں کوئی دوسرا نحوی پیدا نہ ہوتا تو یہ دو ہی فخر کے لئے کافی تھے، ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ حافظہ سے املاء کراتے تھے، کبھی کوئی کتاب ساتھ نہ رکھتے تھے، البتہ ان کی کتاب ''یافع ویفعة'' ہمہ وقت ان کے ہاتھ میں رہتی تھی۔

عمر بھر مامون کے یہاں بغداد میں رہے، وفات سے کچھ عرصہ قبل کوفہ لوٹے، مکہ کا قصد کیا، لیکن راہ مکہ میں ہی فرشتہ اجل نے اپنی آغوش میں لے لیا۔

ذہبی کہتے ہیں: ان کی تمام کتابیں تقریبا ۳/ ہزار اوراق میں پھیلی ہوئی ہیں، چند کتابوں کے نام یہ ہیں: کتاب المصادر فی القرآن، کتاب اللغات، کتاب الوقف والابتداء، کتاب الجمع والتثنیة فی القرآن،

آلة الـكتاب، كتاب الحدود، الأيام و الليالي(مخطوطة)، الفاخرفي الأمثـال (مـخـطـوطة)، كتاب النوادر، كتاب فعل و أفعل، المقصور والـمـدود، الـمـذكـر والـمـؤنـث، يافع ويفعة، كتاب مشكل اللغة (الصغير والكبير)، كتاب الواؤ۔

(تاریخ اسلام ۵/ ۱۴۱، تاریخ بغداد ۱۶/ ۲۲۴، معجم الادباء ۶/ ۲۸۱۲ تا ۲۸۱۵، سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۱۱۸ تا ۱۲۰، اعلام زرکلی ۸/ ۱۴۵ و ۱۴۶)

معانی القرآن: فراء کی تفسیر

فراء کی تفسیر کا نام ''معانی القرآن'' ہے، فہرست ابن ندیم میں ہے: ابولعباس ثعلب کہتے ہیں: عمر بن بکیر جو فراء کا شاگرد اور امیر حسن بن سہل کا درباری بھی تھا، عمر نے فراء کو لکھا کہ امیر مجھ سے آیات کے معانی یکے بعد دیگرے پوچھتے ہیں (جو بظاہر متعارض ہونے کی وجہ سے) میں جواب نہیں دے پاتا، اگر مناسب سمجھیں تو اس پر کوئی کتاب تحریر فرمائیں، فراء نے اپنی شاگردوں اور کاتبوں کو جمع کیا کہ میں تفسیر املاء کراؤں گا، اپنی مسجد کے امام سے کہا کھڑے ہوکر سورہ فاتحہ پڑھو، اس نے پڑھی، فراء نے اس سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان کی، اسی طرح مکمل قرآن پڑھوا کر اس کی تفسیر املاء کرائی۔

اس بیان کو اور کتاب کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فراء کی یہ تفسیر مشکل الآثار اور شرح الاشعار کے طرز پر لکھی گئی ہے، یعنی جن دو یا زائد نصوص میں بظاہر

باہم تضاد و تعارض نظر آ رہا ہے، اسے حل کیا جائے اور ہر نص کی برمحل تفسیر ہو، نیز باہمی انطباق بھی ہو۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں: اہل لغت و عربیت میں سب سے پہلے تفسیر لکھنے والے ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ ہیں، پھر قُرُب بن مستنیر، پھر اخفش ہیں، کوفیوں میں پہلے کسائی، پھر فراء ہیں۔

فراء کی تفسیر کو ان سے روایت کرنے والے ان کے شاگرد ابوعبداللہ محمد بن جہم بن ہارون الکاتب، السمری ہیں، سمر بصرہ اور واسط کے درمیان ایک شہر ہے، ان کی ولادت ۱۸۸ھ میں ہوئی اور سن وفات ۲۷۷ھ ہے۔

تین جلدوں میں سورہ فاتحہ سے سورہ ناس تک یہ مکمل تفسیر مطبوعہ اور مشہور عام ہے۔

(مقدمہ معانی القرآن؛ محمد علی النجار، احمد یوسف نجاتی، عالم الکتب بیروت، ۱/ ۱۱ تا ۱۵)

زجاج نحوی

ابواسحاق، ابراہیم بن سری بن سہل، زجاج عرفیت ہے، سن ولادت تراجم میں مصرح نہیں، وفات ۳۱۱ھ ہے، ابوالعلاء معری نے زجاج کی وفات سے کچھ پہلے اس کی عمر پوچھی تو عقد انامل سے ستر سال بتائی، اس لحاظ سے سن ولادت ۲۴۱ھ ہوتی ہے، ولادت و وفات بغداد میں ہوئی۔

جوانی میں شیشہ تراشتے تھے، نحو پڑھنے کا داعیہ ہوا تو مبرد کے پاس حاضر

ہوئے، مبرد بلا اجرت نہیں پڑھاتے تھے، چنانچہ یومیہ ایک درہم دیا کرتے تھے، نحو پڑھ تو لی، لیکن ساتھ نہ چھوڑا یہاں تک کہ کامل و ماہر ہو گئے، مبرد سے سفارش کرا کے ایک جگہ پڑھانے لگے، کچھ عرصہ بعد عباسی خلیفہ معتضد باللہ کے وزیر عبیداللہ بن سلیمان نے اپنے بیٹے قاسم کے لئے مبرد سے اتالیق مانگا تو مبرد نے زجاج کو بھیج دیا، اس طرح ان کی شہرت وحیثیت کو مہمیز ملی، عرصہ بعد قاسم خلیفہ بنا تو اس نے زجاج کو اپنا محرر مقرر کرلیا، اس طرح زجاج کی شہرت کو بام عروج نصیب ہوا، جمادی الاخری ۳۱۱ھ میں وفات ہوئی۔

زجاج کی بعض تصنیفات یہ ہیں: **معانی القرآن، الاشتقاق، خلق الانسان، الأمالی(أدب و لغة)، فعلت و أفعلت (تصریف)، المثلث، اعراب القرآن (مطبوعه) مختصر النحو، شرح أبیات سیبویة۔**

(معجم الادباء ۱/ ۵۱ تا ۶۳، تاریخ بغداد ۶/ ۶۱۳، تاریخ اسلام ذہبی ۷/ ۲۳۲، اعلام زرکلی ۱/ ۴۰)

معانی القرآن واعرابہ: زجاج کی تفسیر

زجاج کی تفسیر کا نام ''**معانی القرآن واعرابه**'' ہے، زجاج کا مقصود اصلی اعراب القرآن ہے، وہ خود اپنی تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں: ہم اس کتاب میں اعراب قرآن کے ساتھ معانی اور تفسیر بھی لکھیں گے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصد اساسی تو اعراب القرآن ہے، تفسیر و معانی ثانوی درجہ رکھتے ہیں۔

زجاج کا تفسیری منہج یہ ہے کہ نصوص قرآنی کے بعد وہ اس کے کلمات کی اشتقاقی تحلیل و تجزیہ کرتے ہیں، پھر اس کے نظائر وشواہد لاتے ہیں، نظم ہو یا نثر، کبھی ان مثالوں کی بھی تشریح وتحلیل کرتے ہیں، اسی ضمن میں دوسرے اہل لغت کی تائید وتنقید بھی کرتے ہیں، قراءات بھی ذکر کرتے ہیں گو شاذ ہوں۔

اسباب نزول اور احادیث سے استشہاد کم ہے، درجہ حدیث کو بھی ناقل کی گردن پر رکھ چھوڑا ہے، البتہ متعدد مرتبہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ وہ تفسیر جو اہل لغت ونحو کے خلاف یا ان سے ہٹی ہوئی ہو وہ خطا اور ناقابل قبول ہے، اور اسے مبرہن بھی کرتے ہیں۔

بعد والوں میں علامہ بغوی اور محمد بن خازن نے اپنی تفسیروں میں زجاج کی تفسیر سے استفادہ کیا ہے، تفسیر وعربی تحلیل اس انداز سے کی ہے کہ فروعی و اصولی طور پر ملحدین، روافض وشیعہ کا معقول رد بھی ملتا ہے، اور یہ رد خالص عربیت اور اس کے دقائق پر مبنی ہوتا ہے۔

زجاج نے یہ تفسیر ۱۶ سال میں لکھی ہے، ۲۸۵ھ میں لکھنا شروع کیا اور ۳۰۱ھ میں تکمیل ہوئی، پانچ جلدوں تحقیق شدہ نسخہ سورہ بقرہ سے سورہ ناس تک مکمل قرآن کی تفسیر پر مشتمل ہے، مطبوعہ وعام ہے۔

(مقدمہ تحقیق معانی القرآن د.عبد الجلیل عبدہ شلبی ۱/۵ تا ۲۵)

ابوعبیدۃ معمر بن مثنیٰ اور مجاز القرآن

معمر بن مثنیٰ نام اور ابو معمر کنیت ہے، ولاءً تیمی ہیں، ان کی سن ولادت میں اختلاف ہے، راجح یہ ہے کہ ۱۱۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی، یہودی الاصل مسلمان تھے، ان کے خارجی ہونے پر اتفاق ہے، لیکن اعلانیہ نہیں تھے، چھپاتے تھے اور لعنت وتبرا نہیں کرتے تھے، بعض نے قدریہ ہونے کا شبہ کیا ہے تاہم مجاز القرآن میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی، جاحظ کہتے ہیں: روئے زمین پر علوم وفنون کا جامع ابوعبیدۃ کے علاوہ کوئی دوسرا خارجی نہیں گذرا، مبرد کہتے ہیں: ابوعبیدۃ انساب میں اصمعی سے بڑے عالم ہیں، اور اصمعی نحو میں ان سے بڑے ہیں۔

مجاز القرآن میں تفسیر بالرائے سے بھی کام لیا ہے، اس لئے معاصرین نے ان پر خود نقد کیا ہے، جس میں فراء، اصمعی، ابوحاتم، زجاج، نحاس اور ازہری وغیرہ شامل ہیں۔

ان تنقیدات کے باوجود ''مجاز القرآن'' کو مرجعیت وقبول حاصل رہا، مشہور ترک محقق فؤاد سزگین نے بھی اعتراف کیا ہے کہ بخاری نے مجاز القرآن سے خوب استفادہ کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ایک مستقل موضوع تحقیق بھی ہے، ان کے علاوہ ابن قتیبہ نے المشکل میں، طبری نے اپنی تفسیر میں، ابن درید نے الجمہرۃ میں اور ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں مجاز القرآن سے استفادہ

کیا ہے،اس کے علاوہ بھی اس سے استفادہ کرنے والے کبار علماء و مصنفین کی ایک فہرست ہے، وفات ۲۲۰ میں ہوئی۔

سوانح نگاروں نے ان کی تصنیفات دوسو کے قریب شمار کی ہیں، ابن ندیم نے سو سے کچھ زائد نام شمار کرائے ہیں، چند یہ ہیں:

مجاز القرآن، کتاب فی غریب الحدیث، کتاب فی أیام العرب المشهورة، الأدعیاء و اللواحق۔

(تاریخ العلماء النحویین للتنوخی ۱/ ۲۱۱، مقدمۃ التحقیق مجاز القرآن فواد سزگین ۱/ ۹ تا ۱۹)

اقتباس:٦٩

واعلم أن المتكلمين على طائفتين؛ طائفة تسمىٰ بالأشعرية، وهم المنسوبون الى الشيخ ابى الحسن الاشعرى ، تبعه أكثر الشافعية والمالكية رحمهم الله ، و طائفة ثانية تسمىٰ بالماتريدية ، وهم المنسوبون الى الشيخ أبى منصور الماتريدى.

وكان الشيخان معاصرين ، وأبو منصور كان أصغرهما و تبعه أكثر الحنفية ، وليس الخلاف بينهما الا فى نزر من مسائل ذكرها العلماء.

(فیض الباری۲/٥٦٦)

یہ بات جان لیجئے کہ متکلمین کے دوگروہ ہیں، ایک گروہ اشاعرہ کہلاتا ہے، ان کی نسبت شیخ ابوالحسن اشعری کی طرف ہے، اکثر شافعیہ اور مالکیہ انھیں کے پیرو ہیں، دوسرا گروہ ماتریدیہ کہلاتا ہے، یہ حضرات شیخ ابومنصور ماتریدی کی طرف نسبت کرتے ہیں۔

یہ دونوں حضرات معاصر تھے، شیخ ابومنصور ماتریدی عمر میں

شیخ ابوالحسن اشعری سے چھوٹے تھے، اکثر حنفیہ نے شیخ ابومنصور ماتریدی کی پیروی کی ہے،ان دونوں کے درمیان اختلاف چند ہی مسائل میں ہے،جن کا علماء نے ذکر کیا ہے۔

والشیخ أبو منصور تلمیذ لمحمد رحمهما الله تعالیٰ بثلاث وسائط، ومعاصر للأشعری، ولعل الأشعری أسن منه ، وقد جریٰ بینهما فی بعض المسائل خلاف ایضاً ، وعده شیخ الاسلام فی حاشیة البیضاوی فی اثنین و عشرین موضعاً و بعد الامعان یشبه النزاع اللفظی ، وأصحابنا المتقدمون ینسبونهم الی الماتریدی مع حسن الأدب بشأن الأشعری، ولیس کالحنابلة فانهم یسئیون بشأنه ، الحافظ ابن تیمیة رحمه الله تعالیٰ اذا مر بشئی من أشیاء یسقط له فی الکلام ولا یحاشی. (حاشیہ فیض الباری ۱۶/۲)

شیخ ابومنصور ماتریدی تین واسطوں سے امام محمدؒ کے شاگرد ہیں، اور امام ابوالحسن اشعری کے معاصر ہیں، شاید امام اشعری امام ماتریدی سے عمر میں کچھ بڑے ہوں، ان دونوں کے درمیان

بعض مسائل میں اختلاف بھی ہے، شیخ الاسلام نے حاشیۂ بیضاوی میں ان اختلافی مسائل کی تعداد بائیس ۲۲ لکھی ہے، زیادہ غور وفکر کے بعد یہ اختلافات اختلاف لفظی کے متشابہ لگتے ہیں، ہمارے متقدم فقہاء اپنے آپ کو امام ماتریدی کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن امام اشعری کے بارے میں ان کا رویہ حسن ادب کا ہے، حنابلہ کی طرح نہیں، یہ حضرات امام اشعری کے بارے میں بدگمانی کرتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ جب ایسی چیز پر گذرتے ہیں تو امام اشعری کے بارے میں نامناسب گفتگو کرتے ہیں، اور کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔

☆☆☆☆☆

ابومنصور ماتریدی

آپ کا نام محمد بن محمد بن محمود اور کنیت ابومنصور، لقب امام الہدیٰ ہے، سن وفات ۳۳۳ھ بتایا جاتا ہے، موصوف کی سن ولادت کا تلاش کے باوجود علم نہ ہوسکا، لیکن مختلف تاریخی قرائن سے اتنی بات ظاہر ہے کہ ۲۴۰ھ کے لگ بھگ ان کی ولادت ہوئی، گویا تیسری صدی کے نصف آخر میں۔

ایک طرف تو بصرہ کی جامع مسجد کے منبر پر ''جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا میں اسے اپنے آپ کو خود پہچنواتا ہوں'' کہتے ہوئے امام ابو الحسن اشعری اعلان کر رہے تھے: میں عقائد معتزلی سے تائب ہو چکا ہوں اور اس بات کا پختہ ارادہ کر چکا ہوں کہ ان کے عقائد کی جڑیں اکھاڑ پھیکوں گا اور ان کی شرمناک باتیں اور لغو باتیں بیان کروں گا۔

جس کی وجہ سے عراق کے معتزلہ میں کھلبلی مچی ہوئی تھی، دوسری طرف ان دنوں میں خراسان کے معتزلہ میں یوں بھگدڑ مچی ہوئی تھی کہ سمرقند کے ایک محلّہ میں ماترید سے ایک نوجوان عالم اٹھ کر ان پر تیر پر تیر برسا رہا تھا کہ دم لینے کی فرصت بھی نہیں ملتی تھی۔

بہر حال اہل سنت والجماعت کے ان دونوں اماموں کو اگر چہ معتزلہ اور غیر سنی فرقوں کے مقابلہ میں ایک درجہ میں سمجھا جاتا ہے، لیکن اپنے اپنے رجحان کے مطابق شوافع زیادہ تر الاشعری کے اور احناف ماتریدی کے کلامی مسائل میں پیرو ہیں، صاحب طبقات الحنفیہ نے الماتریدی کا ترجمہ درج کرتے ہوئے ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: **مات سنة ثلاث و ثلاثين و ثلاث مأة بعد وفاة أبي الحسن الأشعري لقليل،** (۳۳۳ھ میں امام ابوالحسن اشعری کی وفات کے چند ہی دن بعد ان کی وفات ہوئی) ماتریدی کے ایک استاذ ابو نصر العیاضی بھی ہیں، العیاضی نے امام ابو بکر بن احمد بن اسحاق الجوزجانی سے تعلیم حاصل کی، وہ امام محمد بن الحسن الشیبانی کے تلمیذ شہیر ابو سلیمان موسیٰ ابن

سلیمان الجوز جانی کے شاگرد ہیں، گویا ماتریدی اور امام محمد کے درمیان تین واسطے ہیں۔(تدوین اصول فقہ ۸۴ تا ۹۱ ملخصاً از مولانا مناظر احسن گیلانی)

ابوالحسن اشعری

ابوالحسن، علی بن اسماعیل بن ابو بشر اسحاق بن سالم بن اسماعیل بن عبداللہ بن موسیٰ بن بلال بن ابی بردۃ عامر بن ابوموسیٰ، صحابی رسول ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں قبیلہ کی نسبت سے اشعری ہیں، ان کی ولادت بصرہ میں ۲۶۰ھ یا ۲۷۰ھ میں ہوئی۔

چالیس سال تک معتزلی رہے، رئیس المعتزلہ ابوعلی جبائی سے اعتزال سیکھا، وہ شیخ کو معتزلہ کی طرف سے مناظر بنا کر بھیجا کرتے تھے، اور جہاں جاتے مہم سر کر کے آتے، چالیس سال کے بعد اعتزال سے توبہ کی، پہلے تو کچھ عرصہ روپوش رہے، پھر ایک دن ممبر پر آکر بیٹھ گئے اور کہا جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے، جو نہیں جانتا میں اس سے اپنا تعارف کرادوں کہ میں ابوالحسن اشعری ہوں، پھر اپنی توبہ کا اعلان کیا، اس کے بعد سے ایسا کارنامہ کیا کہ جس کی اس وقت شدید ضرورت تھی، اعتزالی افکار کے پرخچے اڑا دئے، معتزلہ ان کے نام سے ڈرنے لگے، جہاں معتزلہ سرگرم ہوتے اور مناظرے کا چیلنج کرتے، شیخ ابوالحسن اشعری فوراً مناظرے کے لئے پہنچ جاتے اور چند جملوں میں انھیں مبہوت کر دیتے، بقیہ ساری عمر، معتزلہ، ملاحدہ، جہمیہ، خوارج وغیرہ تمام دیگر فرق باطلہ کی بیخ کنی میں گذاری، توبہ کے بعد ابواسحاق مروزی سے حدیث پڑھی، اور

انھوں نے امام اشعری سے علم کلام سیکھا، حدیث زکریا ساجی سے پڑھی، بعد میں ائمہ اعلام میں ان کا شمار ہوا، بعض حضرات نے انھیں مجددین امت میں کہا ہے۔

نہایت متواضع اور قناعت پسند تھے، طبیعت میں مزاح وظرافت بھی خوب تھی، امام اہل السنہ، ناصر السنہ، امام اہل الحق رئیس اہل السنہ جیسے القاب سے انھیں یاد کیا جاتا ہے۔

ابن حزم کہتے ہیں ان کی ۵۵ سے زائد تصانیف ہیں، لیکن ان کی تصانیف میں بعض باتیں ایسی ملتی ہیں جو اہل السنہ کی نہیں ہوسکتیں، اس لئے قرین قیاس یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں حذف واضافہ کیا گیا ہے، اس لئے علمائے متکلمین نے لکھا ہے کہ ان کی انھیں باتوں کو مستند مانا جائے جو ان کے معتمد شاگردوں اور مستند علماء سے بھی منقول ہوں بغداد میں ۳۲۴ھ یا اس کے بعد ہوئی۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۵/ ۸۷ تا ۹۰، طبقات سبکی ۳/ ۳۴۷ تا ۳۶۰، وفیات الاعیان ۳/ ۲۸۴ تا ۲۸۶، تاریخ بغداد ۱۳/ ۲۶۰، المنتظم ۱۴/ ۲۲ تا ۳۰، العبر ۲/ ۲۳، البدایہ والنہایہ ۱۵/ ۱۰۱، طبقات ابن الصلاح ۲/ ۶۰۴ تا ۶۰۶)

مراجع ومصادر

ابوحنیفہ/ شیخ ابوزہرہ

اخبار القضاۃ / ابوبکر محمد بن خلف بن حیان بغدادی م ۳۰۶/ مکتبہ تجاریہ کبریٰ مصر

اعلام النبلاء/ محمد راغب طباخ حلبی/ طبع دار القلم حلب

الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء / ابوعمر یوسف بن عبداللہ، ابن عبدالبرنمری قرطبی / دار الکتب العلمیہ

انجاء الوطن عن الازدراء بامام الزمن/ علامہ ظفر احمد تھانویؒ

انوار الباری/ مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ

اوجز المسالک/ شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ

امام ابن تیمیہ/ محمد یوسف کوکن عمری ایم اے

امداد الفتاوی/ فتاویٰ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

الانور/ مولانا عبدالرحمٰن کوندو

باقیات فتاویٰ رشیدیہ/ مولانا نورالحسن راشد

البدایۃ والنھایۃ/ ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیرؒ/ دار الفکر

البدر الطالع/ علامہ محمد بن علی شوکانیؒ/ دار المعرفۃ

بستان المحدثین/ شیخ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب/ کمال الدین عمر بن احمد بن ہبۃ اللہ عقیلی/ دار الفکر

بلوغ الامانی فی سیرۃ محمد بن الحسن الشیبانی / علامہ محمد زاہد الکوثری

تاج التراجم/ علامہ قاسم ابن قطلوبغا/ دار القلم دمشق

التاج المکلل/ نواب صدیق حسن خان قنوجی

تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام/ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی/ دار الغرب الاسلامی

تاریخ ابن خلدون (تاریخ المبتدأ والخبر فی تاریخ العرب والبربر/ علامہ عبدالرحمٰن بن محمد ابن خلدون/ دارالفکر بیروت

تاریخ الادب الاسلامی/ احمد حسن زیات

تاریخ اصبہان/ حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ م ۴۳۰ھ/ دارالکتب العلمیہ

تاریخ بغداد/ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی/ تحقیق بشار عواد معروف/ دارالغرب الاسلامی بیروت

تاریخ دعوت وعزیمت/ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علیؒ/ مجلس تحقیقات ونشریات لکھنؤ

تاریخ دمشق/ ابوالقاسم علی بن حسن ابن عساکر/ دارالفکر

تاریخ طب/ محمد حسان نگرامی

تاریخ قضاۃ اندلس/ ابوالحسن علی بن عبداللہ مالقی اندلسی/ دارالآفاق بیروت

التاریخ الکبیر/ امام محمد بن اسماعیل بخاری/ طبع حیدرآباد

تاریخ العلماء النحویین من البصریین والکوفیین وغیرھم/ ابوالمحاسن مفضل بن محمد بن مسعر تنوخی/ ھجر للطباعۃ والنشر قاہرہ

تاریخ التشریع الاسلامی/ خضری بک

التجرید/ امام قدوری/ طبع دارالسلام

تدوین اصول فقہ/ مولانا مناظر احسن گیلانی

تذکرۃ الحفاظ/ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی/ دارالکتب العلمیہ

تذکرۃ علماء ھند/ مولانا رحمٰن علی/ مترجمہ محمد ایوب قادری

التعلیقات السنیۃ ملحقہ الفوائد البھیۃ/ علامہ عبدالحئ فرنگی محلی/ طبع کراچی

التقیید لمعرفۃ رواۃ السنن والمسانید/ محمد بن عبدالغنی، ابن نقطہ حنبلی/ دارالکتب العلمیہ

تھذیب التھذیب/ حافظ ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی/ حیدرآباد

تہذیب الکمال/ ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحمٰن مزی/ تحقیق بشار عواد معروف/ موسسۃ الرسالۃ

جامع بیان العلم وفضلہ/ ابوعمر یوسف بن عبداللہ، ابن عبدالبر نمری قرطبی/ دار ابن الجوزی سعودیہ
جامع المسانید/ ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر/ طبع حیدرآباد
جمہرۃ البلاغہ/ مولانا حمید الدین فراہی/ طبع مکتبہ معارف اعظم گڑھ
الجواھر المضیئۃ/ عبدالقادر قرشی/ میر محمد کراچی
حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار/ احمد طحطاوی/ دار الکتب العلمیہ
حسن المحاضرہ/ علامہ جلال الدین سیوطی/ عیسیٰ بابی حلبی مصر
حدائق الحنفیہ/ فقیر محمد جہلمی/ نولکشور لکھنؤ
الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ/ امام عبدالغنی نابلسی
حیات انور/ مرتبہ مولانا ازہر شاہ قیصر
حیات شیخ عبدالحق/ پروفیسر خلیق احمد نظامی
حلیۃ البشر فی تاریخ القرن الثالث عشر/ عبدالرزاق بیطار دمشقی/ دار صادر
حریری اور ان کی مقامات
الخصائص/ ابن جنی/ تحقیق محمد علی النجار/ طبع بیروت
خلاصۃ الأثر فی اعیان القرن الحادی عشر/ محمد امین محبی حموی/ دار صادر بیروت
دائرۃ المعارف الاسلامیۃ/ باہتمام دانش پنجاب لاھور طبع اول ۱۹۶۴ء
الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ/ حافظ ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی/ حیدرآباد ہند
الدیباج المذھب فی معرفۃ أعیان علماء المذھب/ ابن فرحون/ ابراہیم بن علی دار التراث قاہرہ
ذیل طبقات الحنابلہ/ زین الدین عبدالرحمٰن حنبلی بغدادی/ مکتبہ العبیکان ریاض
ذیول تذکرۃ الحفاظ/ حسینی/ ابن فہد/ سیوطی
ردالمحتار علی الدر المختار/ محمد بن امین، ابن عابدین/ دار الفکر
زمخشری کی تفسیر الکشاف - ایک تحلیلی جائزہ/ پروفیسر فضل الرحمٰن گنوری

سنن دارمی/ ابومحمد عبداللہ/طبع مطبعۃ الاعتدال دمشق

سوانح ملک المحدثین محمد بن طاہر پٹنی/ عبدالرشید ندوی/طبع جمبوسر

سیرت النعمان/ علامہ شبلی

سیر اعلام النبلاء/شمس الدین ذہبی/تحقیق باشراف شعیب ارناوط/موسسۃ الرسالۃ

شذرات الذھب/ ابوالفلاح عبدالحیٔ حنبلی/ دار ابن کثیر

شرح الطیبی/ علامہ طیبی/تحقیق عبدالحمید ہنداوی/طبع مکتبہ نزار

طبقات/ ابن صلاح

طبقات الحنابلہ/ ابوالحسن ابن ابی یعلیٰ/تحقیق حامد الفقی / دار المعرفۃ

طبقات الشافعیین/ ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر/ مکتبہ الثقافۃ الدینیۃ

الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ/ تاج الدین عبدالوہاب بن تقی الدین سبکی/ ھجر للتوزیع والنشر

طبقات کبریٰ/ ابوعبداللہ محمد بن سعد بغدادی/ دار صادر

طبقات النسابین/ بکر بن عبداللہ/ مکتبہ الریاض

طرب الأمثال/ علامہ عبدالحیٔ فرنگی محلی

صحیح ابن خزیمہ/ حافظ ابن خزیمہ/تحقیق شیخ مصطفیٰ الاعظمی

الضوء اللامع لاہل القرن لتاسع/ علامہ شمس الدین ابوالخیر محمد سخاوی/ منشورات دار مکتبۃ الحیات
بیروت

فتاویٰ ابن تیمیہ جدید

فوائد الارتحال/حموی

فوات الوفیات/محمد بن شاکر صلاح الدین/ دار صادر

الفوائد البھیہ/طبع کراچی/ اتحاد دیوبند

الفہرست/ ابوالفرج محمد بن اسحاق، ابن ندیم/ دار المعرفۃ

فیض الباری/ علامہ محمد انور شاہ کشمیری/طبع خضر راہ دیوبند
قاموس الاعلام/ خیر الدین محمود زرکلی/ دار العلم للملایین
کتاب الایمان/ امام ابن تیمیہ
کتاب الآثار/ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم/تحقیق ابوالوفا افغانی/ دار الکتب العلمیہ
الکواکب السائرۃ باعیان المأۃ العاشرۃ/نجم الدین محمد بن محمد غزی/ دار الکتب العلمیہ
کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون/مصطفیٰ کاتب چلپی معروف بہ حاجی خلیفہ/مکتبۃ المثنیٰ بغداد
لامع الدراری/ امالی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ/مرتبہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ
لسان المیزان/ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ/تحقیق ابوغدہ/ دار البشائر الاسلامیہ
مآثر الکرام فی تاریخ بلگرام/مولانا غلام علی بلگرامیؒ
مجاز القرآن/ ابوعبیدۃ معمر بن مثنیٰ/تحقیق فواد سزگین/ مکتبہ خانجی قاہرہ
مجموعۃ الرسائل الکبریٰ/ ابوالعباس تقی الدین ابن تیمیہ حرانی/ مکتبہ وھبہ قاہرہ
معارف اپریل ۱۹۷۱ء
معارف مارچ ۱۹۳۰ء شمارہ ۳ جلد ۲۵
معارف ربیع الاول ۱۳۵۳ھ، جون ۱۹۳۳ء
معجم المولفین/عمر بن رضا کحالہ دمشقی/مکتبۃ المثنیٰ بیروت
المعجم المختص بالمحدثین/ ذہبی/ مکتبہ صدیق طائف
مفتاح السعادۃ/ طاش زادہ کبریٰ
مقالات شبلی/ علامہ شبلیؒ/مرتبہ سید سلیمان ندویؒ
مغانی الاخیار فی شرح اسامی رجال معانی الآثار/ علامہ بدرالدین عینی/طبع دار الکتب العلمیہ
المنتظم فی تاریخ الملوک والامم/ ابوالفرج عبدالرحمٰن، ابن جوزی/ دار الکتب العلمیہ

میزان الاعتدال فی نقد الرجال/ حافظ شمس الدین محمد ذہبی/ دار المعرفۃ
النافع الکبیر/ علامہ عبد الحیٔ فرنگی محلی/ عالم الکتب بیروت
النجوم الزاهرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ/ ابوالمحاسن یوسف بن تغری بردی حنفی/ دار الکتب مصر
نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر/ مولانا سید عبد الحیٔ حسنیؒ/ دار ابن حزم بیروت
نقش دوام/ مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیریؒ
النور السافر عن اخبار القرن العاشر/ محی الدین عبد القادر عیدروس/ دار الکتب العلمیہ
نصب الرایہ/ علامہ جمال الدین زیلعی/ موسسۃ الریان بیروت
الوافی بالوفیات/ صلاح خلیل بن ایبک الصفدی/ دار احیاء التراث بیروت
وفیات الاعیان/ ابوالعباس شمس الدین احمد ابن خلکان/ دار صادر
یتیمۃ الدھر/ ابو منصور عبد الملک بن محمد ثعالبی/ دار الکتب العلمیہ
الیواقیت والجواھر/ امام عبد الوہاب شعرانیؒ

مصنف ایک نظر میں

نام: عتیق احمد بستوی

سن پیدائش: ۱۹۵۴ء

ابتدائی تعلیم: مدرسہ نور العلوم بہرائچ

فضیلت وافتاء: دار العلوم دیوبند (۱۳۹۳-۱۳۹۴/۱۹۷۳-۱۹۷۴)

موجودہ مشغولیت: استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو (از ۱۹۸۰ء)

چند عہدے اور ذمہ داریاں:

(۱) صدر وبانی معہد الشریعہ لکھنو

(۲) سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

(۳) رکن اساسی ورکن عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

(۴) رکن اساسی آل انڈیا ملی کونسل

(۵) رکن اساسی المعہد العالی الاسلامی پھلواری شریف پٹنہ

فون اور ایمیل: +919839776038

m.ateeque.bastavi@gmail.com

چند تصنیفات: ☆ ہندوستان میں نفاذ شریعت ☆ زکوۃ کے مصارف ☆ زکوۃ اور مسئلہ تملیک ☆ ہندوستان اور نظام قضا ☆ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کا مسئلہ ☆ اصولی مباحث ☆ تحقیق و تسہیل ازالۃ الشکوک؛ تصنیف حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ (۴ جلدیں) ☆ تحقیق وتسہیل الحیلۃ الناجزۃ ☆ صحابی کی تعریف اور صحابہ کے مقام ومرتبہ کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ ☆ اسلامی نکاح ☆ عیسائی مشنریز کی سرگرمیاں اور مسلمان ☆ عظمت صحابہؓ

معہدالشریعہ لکھنو

اغراض و مقاصد

(۱) دور حاضر میں اسلام کی اطمینان بخش تشریح کرنا اور اسلامی شریعت کی ایسی ترجمانی کرنا جو موجودہ نسل کے دل ودماغ کو مطمئن کر سکے۔

(۲) اسلامی شریعت کے انسانی اور عادلانہ پہلوؤں کو خاص طور پر اجاگر کرنا اور اسلام کی ان تعلیمات کی ترویج اور اشاعت کرنا جن سے اسلام کی میانہ روی، وسطیت، رواداری اور عدل گستری واضح ہوتی ہے۔

(۳) مسلمانوں میں اسلامی شریعت کے تئیں بیداری پیدا کرنا، اس بات کی کوشش کرنا کہ مسلمان عام زندگی میں اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہوں، اور شرعی احکام سے واقف ہونے کی کوشش کریں۔

(۴) مسلمانوں کے مختلف طبقات (وکلاء، ڈاکٹرس، تجار وغیرہ) کو ان سے متعلق شرعی احکام کی واقفیت بہم پہنچانے کے لئے مختلف قسم کے پروگرام ترتیب دینا، مختصر مدتی کورس جاری کرنا، کیمپس منعقد کرنا وغیرہ۔

(۵) مسلمان نوجوانوں کو اسلامی شریعت سے واقف کرانے اور شریعت پر ان کا اعتماد قائم و مستحکم کرنے کے لئے جدوجہد کرنا۔

(۶) اسلامی شریعت کے بارے میں غیر مسلموں میں پائی جانے والی غلط

فہمیوں کو دور کرنے کے لئے سیمینار، سمپیوزیم وغیرہ منعقد کرنا اور اس مقصد کے لئے جدید ذرائع ابلاغ کا بھرپور استعمال کرنا۔

(۷) اسلامی شریعت کے مصادر اور اسلامی شریعت سے وابستہ مختلف موضوعات پر ریسرچ و تحقیق کرانا، اسلامی شریعت کے ماہرین کی مدد سے اس کا منصوبہ بنانا۔

(۸) دینی مدارس کے باصلاحیت اور ہونہار فضلاء کو مختلف اسلامی علوم اور عصری علوم میں ماہر بنانے کے لئے تکمیل و تخصص کے کورس تیار کرنا اور جاری کرنا۔

(۹) دینی اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیز کے مسلم طلبہ کو اسلامی شریعت سے واقف کرانے کے لئے منصوبہ سازی اور اقدامات کرنا۔

(۱۰) اسلامی شریعت پر کام کرنے والے تحقیقی اور تصنیفی اداروں سے رابطہ رکھنے کی کوشش کرنا اور ان کے اشتراک و تعاون سے اسلامی شریعت پر مختلف منصوبوں کو روبہ عمل لانا۔

(۱۱) مذکورہ بالا مقاصد کے لئے ادارے قائم کرنا، سیمینار، سمپوزیم منعقد کرنا، اسٹڈی گروپ تشکیل دینا اور ایسا ہر کام کرنا جو مقاصد بالا کو پورا کرنے والا ہو۔